افہام و تفہیم

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری

www.Qadri.info

افہام و تفہیم

اسید الحق قادری بدایونی

تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں

www.Qadri.info

© تاج الفحول اکیڈمی بدایوں

کتاب:	افہام وتفہیم
تصنیف:	اسید الحق قادری بدایونی
ترتیب:	محمد عطیف قادری بدایونی
صفحات:	338
تعداد:	1100
پہلی اشاعت:	2015ء
سلسلۂ مطبوعات:	116
قیمت:	-/150روپے

IFHAAM-O-TAFHEEM (A collection of Research Papers)
By:Usaidul Haq Qadri Badauni

Publisher
TAJUL FUHOOL ACADEMY
(A Unit of Qadri Majeedi Trust)
Madrsa Alia Qadria, Maulvi Mohalla, Budaun-243601 (U.P.) India
Mob.: +91-9897503199, +91-9358563720
email: qadrimajeeditrust@gmail.com, Website: www.qadri.in.

Distributor
Maktaba Jaam-e-Noor
422, Matia Mahal,Jama Masjid,Delhi-6
Ph:011-23281418-23261418
email: kausar1977@gmail.com

اپنے مضامین ومقالات کا یہ مجموعہ میں اپنی

والدہ ماجدہ

کے نام

منسوب کررہا ہوں

جن کی شفقت ومحبت، حسن تربیت اور دعائیں میرا قیمتی سرمایہ ہیں

اسید الحق قادری

عرض ناشر

تاج الفحول اکیڈمی خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف کا ایک ذیلی ادارہ ہے، جو تاجدار اہل سنت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری (زیب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں شریف) کی سرپرستی میں عزم محکم اور عمل پیہم کے ساتھ تحقیق، تصنیف، ترجمہ اور نشر واشاعت کے میدان میں سرگرم عمل ہے، اکیڈمی کے زیر اہتمام اب تک عربی، اردو، ہندی، انگلش، گجراتی اور مراٹھی زبانوں میں تقریباً ۱۱۵؍ کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں جو شہید بغداد، عالم ربانی مولانا اسید الحق قادری کی نگرانی اور ان کی قائدانہ کوششوں اور محنتوں کا نتیجہ ہے- آپ کی شہادت کے بعد اب نشر واشاعت کے یہ سارے امور بحمد اللہ صاحبزادۂ گرامی مولانا عطیف قادری بدایونی کی نگرانی میں بحسن وخوبی انجام پا رہے ہیں- زیر نظر کتاب آپ ہی کی رہنمائی اور ترتیب کے ساتھ منظر عام پر آ رہی ہے-

اکیڈمی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس نے ہر حلقے اور ہر طبقے کی دلچسپی اور ضرورتوں کے پیش نظر اشاعتی خدمات انجام دی ہیں، خالص علمی اور تحقیقی کتب، ادبی اور شعری نگارشات، عام لوگوں کی تربیت واصلاح کے لیے آسان زبان میں رسائل، مسلک حق کے اثبات میں قدیم وجدید رسائل اور غیر مسلم برادران وطن کے لیے اسلام کے تعارف پر مشتمل سلجھا ہوا دعوتی اور تبلیغی لٹریچر غرض کہ ہر میدان میں اکیڈمی تحقیقی، تصنیفی اور اشاعتی خدمات نمایاں ہیں-

تاج الفحول اکیڈمی کے منصوبے میں یہ بات ابتدا ہی سے شامل تھی کہ خانوادۂ قادریہ بدایوں شریف کے علما و مشائخ کی تصانیف کو ترجیحی بنیاد پر شائع کیا جائے- بفضلہ تعالیٰ اکیڈمی نے اس سمت میں بھی کامیاب کوششیں کی ہیں، زیر نظر کتاب اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے-

رب قدیر ومقتدر سے استدعا ہے کہ اکیڈمی کی ان خدمات کو شرف قبولیت بخشے، مستقبل میں اکیڈمی کے اشاعتی منصوبوں کی تکمیل میں آسانیاں پیدا فرمائے اور ارکین کو ہمت وحوصلہ اور اجر جزیل عطا فرمائے- آمین بجاہ حبیبہ النبی الکریم ﷺ-

محمد عبدالقیوم قادری
جنرل سیکریٹری: تاج الفحول اکیڈمی
خادم: خانقاہ قادریہ بدایوں

www.Qadri.info

مشمولات

انتساب 3
ابتدائیہ 7

تحقیقات

12——197

احادیث قدسیہ: ایک تحقیقی جائزہ 12
قصیدۂ بانت سعاد: ایک مطالعہ 41
قصیدتان رائعتان: ایک تحقیقی مطالعہ 84
مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کی تصنیف 'بوارق محمدیہ': ایک تعارف 124
مولانا عبدالحامد بدایونی کے دو اہم تاریخی کارنامے 138
خانوادۂ قادریہ بدایوں اور خانوادۂ علیمیہ: تعلقات و روابط 167

شخصیات

200——338

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ 200
ابوریحان البیرونی 238
شمس مارہرہ اور رسالہ آداب السالکین 248
شمس مارہرہ اور سراج الہند 263
تیرہویں صدی کی ایک گم نام شخصیت: مولانا حیدر علی فیض آبادی 275

مجاہد آزادی مولانا فیض احمد بدایونی	294
نور العارفین سید شاہ ابو الحسین احمد نوری کی بارگاہ میں ایک حاضری	304
الحاد سے ایمان تک	314

ابتدائیہ

برادر مکرم مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی ہندوستان کے ایسے اسلامی اسکالر، محدث اور ناقد و محقق تھے، جنھیں محض دس برس اپنی علمی، فکری اور قلمی جولانیت کا مظاہرہ کرنے کا موقع ملا- اس دس برس میں انھوں نے کمیت اور کیفیت دونوں اعتبار سے علمی تحقیقات کے وہ اعلی نمونے پیش کئے کہ برصغیر ہندو پاک کے اساطین علم و ادب حیران و ششدر رہ گئے اور انھیں بیک زبان 'عالم ربانی' اور 'ممتاز ناقد محقق' کے القاب سے یاد کیا- مولانا بدایونی کا قلم و قرطاس کے ساتھ بچپن سے ہی اٹوٹ رشتہ تھا، تاہم جامعہ ازہر، قاہرہ سے ۲۰۰۴ء میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد انھوں نے باضابطہ اپنے والد ماجد حضرت شیخ عبد الحمید محمد سالم القادری (زیب سجادہ: خانقاہ قادریہ، بدایوں) کی سرپرستی میں اپنے علمی و قلمی سفر کا آغاز کیا، جو ۲۰۱۴ء میں ان کی شہادت پر تمام ہوا- ان کا یہ کامیاب اور غیر معمولی علمی سفر دو جہتوں سے جاری تھا:

برصغیر کی اسلامی تاریخ میں جن خانوادوں نے اپنی طویل علمی اور دینی جدوجہد کے نتیجے میں اسلامیان ہند پر اپنے گہرے اثرات مرتب کئے ہیں، ان میں بدایوں کے خانوادۂ عثمانی کا بھی شمار ہوتا ہے، اس خاندان کی علمی، قلمی، مذہبی، سیاسی، ملی، تدریسی اور روحانی خدمات کا دائرہ آٹھ صدیوں پر محیط ہے- اس خاندان کی علمی خدمات کا یہ سلسلہ ہر دور میں قائم اور جاری رہا، یہ ایک ایسا شرف اور امتیاز ہے، جو شاید برصغیر کے بہت کم خانوادوں کو حاصل ہے- عالم ربانی مولانا اسید الحق بدایونی کا تعلق بھی اسی خانوادے سے تھا- وہ اپنے اس علمی خانوادے کے وارث و امین تھے اور اپنی اس حیثیت کا انھیں بخوبی ادراک تھا، اس لیے جب انھوں نے اپنا علمی و قلمی سفر شروع کیا تو ترجیحی بنیاد پر اپنے بزرگوں اور اسلاف کی نایاب اور کم یاب کتابوں کو ترجمہ، تخریج،

www.Qadri.info

تحشیہ، ترتیب اور نئے رنگ و آہنگ کے ساتھ منظر عام پر لانا شروع کیا، جن کتابوں کی تلاش میں امت کا ایک بڑا طبقہ سرگرداں تھا- ان کی اس جد و جہد کے نتیجے میں چند ہی برسوں میں ایک سو سے زائد کتابیں منظر عام پر آئیں-

اپنے اسلاف کی کتابوں کو نئی سج دھج سے منظر عام پر لانے کے ساتھ انھوں نے اپنا ذاتی قلمی سفر بھی جاری رکھا، جس کے نتیجے میں ان کی تحقیقات، مقالے اور مضامین بھی، جو دراصل غالبؔ کے لفظوں میں ''گنجینۂ معانی کا طلسم'' تھے، سامنے آتے رہے- مولانا بدایونی کو مولانا خوشتر نورانی جیسا علمی دوست اور برصغیر پاک و ہند کا مقبول ترین رسالہ ماہ نامہ 'جام نور' کی رفاقت میسر تھی، اس لیے مولانا بدایونی نے جتنے بھی تحقیقی مقالے اور مضامین لکھے، وہ تسلسل کے ساتھ 'جام نور' میں شائع ہوئے- ان میں استثنائی طور پر چند مضامین دیگر رسالوں میں بھی چھپے مگر ان کی تعداد بہت کم ہے-

یہ ۲۰۰۹ء کی بات ہے، جب مولانا اسید الحق قادری بدایونی نے اپنی زندگی میں ہی اپنے گراں قدر اور وقیع مقالے اور مضامین کا ایک مجموعہ ''تحقیق و تفہیم'' کے نام سے شائع کیا تھا، جسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا- اپنی شہادت ۲۰۱۴ء سے ایک سال قبل انھوں نے اپنی تحقیقات اور مضامین کا دوسرا مجموعہ شائع کرنے کا ارادہ کیا اور اس کا نام ''افہام و تفہیم'' رکھا، اور اس پیش آمدہ مجموعۂ مضامین کو اپنی والدہ ماجدہ کے نام معنون کر کے انتسابی جملے بھی لکھ دیے، مضامین کی ترتیب باقی تھی کہ ان کی شہادت ہو گئی، جس کی وجہ سے یہ کتاب شائع نہیں ہو سکی-

اب ان کی شہادت کے تقریباً ڈیڑھ برس کے بعد، ان کے مضامین کا یہ دوسرا مجموعہ آپ کے ہاتھوں میں ہے- کتاب کا نام انہی کا تجویز کردہ ہے اور انتسابی جملے بھی انہی کے لکھے ہوئے ہیں، اس لیے ہم نے اسے علی حالہ باقی رہنے دیا ہے- اس مجموعے میں ان کے ۱۴ر مضامین شامل ہیں، جن میں ایک مضمون کے علاوہ بقیہ تمام مضامین 'جام نور' میں ۲۰۰۴ء سے ۲۰۱۴ء کے درمیان شائع ہوئے- مجموعے میں شامل مضامین میں اغلاط کتابت کی تصحیح کے علاوہ اور کوئی تصرف نہیں کیا گیا ہے، جس طرح 'جام نور' میں شائع ہوئے تھے ویسے ہی شائع کیے جا رہے ہیں- صرف ایک طویل علمی مقالہ 'قصیدتان رائعتان: ایک تحقیقی مطالعہ' کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے،

www.Qadri.info

مذکورہ مقالے کا پہلا حصہ اس مجموعے میں شامل ہے، جب کہ دوسرا حصہ ان کے تنقیدی مضامین کے تیسرے مجموعے میں شامل کیا گیا ہے- یہ تیسرا مجموعہ بھی ترتیب کے آخری مرحلے میں ہے-

اپنی علمی بے بضاعتی کے باوجود ’’اپنے مولوی بھائی‘‘ کے علمی مشن کو اپنے والد ماجد مدظلہ العالی کی سرپرستی میں ہم نے جاری رکھا ہوا ہے، رب قدیر ومقتدر سے دعا ہے کہ ہمارا یہ علمی مشن جاری وساری رہے- زیر نظر کتاب کی ترتیب وتہذیب میں کوئی کمی رہ گئی ہو تو اہل علم مطلع فرمائیں، ہم ممنون ہوں گے-

محمد عطیف قادری بدایونی

۲۵/اکتوبر ۲۰۱۵ء

تحقیقات

احادیث قدسیہ: ایک تحقیقی جائزہ

حدیث کی اقسام میں 'حدیث قدسی' اپنی ایک الگ امتیازی شان اور خصوصیت رکھتی ہے، ان احادیث میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی رحمت، بخشش، مخلوق پر احسان وانعام، بے نیازی اور اپنی عظمت وقدرت کا اظہار کیا ہے- ان احادیث کا مطالعہ بندے کے دل میں عجیب کیفیت اور سوز وگداز پیدا کرتا ہے۔ چشم بصیرت اور اخلاص قلب کے ساتھ اگر ان احادیث کا مطالعہ کیا جائے تو بندے کو حلاوت ایمانی اور روحانی بالیدگی کے ساتھ ساتھ ایک ایسا کیف وسرور حاصل ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں لازمی طور پر اس کے تعلق باللہ اور محبت الٰہی میں اضافہ ہوجاتا ہے-

حدیث قدسی کا معنی اور تعریف:

علمائے حدیث نے حدیث قدسی کی مختلف تعریفات کی ہیں، ان تعریفات کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اگرچہ ان کے الفاظ مختلف ہیں، مگر مآل سب کا ایک ہی ہے-

سید شریف الجرجانی حدیث قدسی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الحدیث القدسی ھو من حیث المعنٰی من عند اللہ تعالیٰ و من حیث اللفظ من رسول اللہ ﷺ، فھو ما اخبر اللہ تعالیٰ بہ نبیہ بالالھام او بالمنام فأخبر علیہ السلام عن ذلک بعبارۃ نفسہ، فالقرآن مفضل علیہ لان لفظہ منزل ایضاً۔ (۱)

ترجمہ: حدیث قدسی وہ ہے جو معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو اور لفظ کے اعتبار سے رسول اکرم ﷺ کی جانب سے، اس نص کی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو الہام کے ذریعے یا خواب میں دی پھر حضور علیہ السلام نے اس

کو اپنے الفاظ میں تعبیر کیا، حدیث قدسی پر قرآن کو بہر حال فضیلت ہے کیوں کہ قرآن کے الفاظ بھی اللہ کی جانب سے نازل کردہ ہیں۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں:

الحدیث القدسی ھو مایرویه صدر الرواۃ و بدر الثقات علیه افضل الصلٰوۃ و اکمل التحیات عن اللّٰہ تبارک و تعالٰی تارۃ بواسطة جبریل علیه السلام و تارۃ بالوحی و الالھام او المنام، مفوضاً إلیه التعبیر بای عبارۃ شاء من انواع الکلام۔ (۲)

ترجمہ: حدیث قدسی وہ ہے جس کو رسول اکرم ﷺ اللہ تبارک و تعالٰی سے روایت کریں۔ (یہ روایت) کبھی جبریل علیہ السلام کے واسطے سے ہوتی ہے، کبھی وحی، الہام یا خواب کے واسطے سے، اس کے نص کی تعبیر حضور علیہ السلام کے سپرد ہوتی ہے کہ جن الفاظ میں چاہیں اس کو بیان کریں۔

میر سید شریف جرجانی اور ملا علی قاری کی تعریفات میں کوئی جوہری فرق نہیں ہے، سوائے اس معمولی فرق کے کہ جرجانی نے حدیث قدسی کے القا کو صرف الہام یا خواب میں منحصر کیا ہے جب کہ ملا علی قاری نے ان دو کیفیتوں کے علاوہ حضرت جبریل علیہ السلام کے واسطے کا بھی اضافہ کیا ہے، لیکن اس فرق کو اگر تحقیقی نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ محض لفظی فرق ہے کیوں کہ ''الہام'' اپنے وسیع معنی میں اس صورت کو بھی شامل ہے۔ ان دونوں تعریفات کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث قدسی ایسی حدیث کو کہتے ہیں جس کا معنی اللہ تعالٰی کی طرف سے القا کیا جائے اور اس کی تعبیر حضور علیہ السلام اپنے الفاظ میں کریں۔ چوں کہ ان احادیث کی نسبت اللہ تعالٰی کی طرف ہوتی ہے اس لیے ان کو ''احادیث قدسیہ'' یا ''احادیث الٰہیہ'' یا ''احادیث ربانیہ'' بھی کہا جاتا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

یہاں ایک شبہ یہ ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی وہ تمام احادیث جن کا تعلق دینی اور اخروی امور سے ہے، وہ بھی اللہ تعالٰی کی جانب سے ہی القا شدہ اور وحی الٰہی سے ماخوذ ہیں۔

www.Qadri.info

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی۔ (۳)

ترجمہ: اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کہتے، یہ تو وحی ہے جو انھیں کی جاتی ہے۔

اور خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

الا وانی اوتیت الکتاب و مثلہ معہ۔ (۴)

بیشک مجھے کتاب (قرآن) اور اس کے ساتھ اس کی مثل (اس کا بیان یعنی احادیث) عطا فرمایا گیا ہے۔

مذکورہ آیت اور حدیث کی روشنی میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ احادیث نبویہ بھی من جانب اللہ ہیں اور ان کی بنیاد بھی وحی الٰہی پر ہے، پھر صرف احادیث قدسیہ ہی کو وحی الٰہی سے ماخوذ کہنا کہاں تک درست ہو سکتا ہے؟

اس شبے کے جواب میں علما نے فرمایا کہ یہ درست ہے کہ احادیث قدسیہ اور غیر قدسیہ دونوں من جانب اللہ ہوتی ہیں، لیکن باقی حدیثوں کے مقابلے احادیث قدسیہ اس لیے ممتاز ہوتی ہیں کہ ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے، مثلاً حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ''اللہ نے ارشاد فرمایا'' باقی احادیث میں یہ خصوصیت نہیں ہوتی بلکہ ان کی نسبت حضور علیہ السلام کی طرف کی جاتی ہے۔

قاضی محمد شریف الدین فاروقی اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

الفرق بان الحدیث القدسی مضاف إلی اللّٰہ تعالٰی و مروی عنہ بخلاف غیرہ۔ وقد یفرق بان القدسی ما یتعلق بتنزیہ ذاتہ و صفاتہ الجلالیۃ والجمالیۃ۔ قال الطیبی القران ھو اللفظ المنزل بہ جبریل علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والقدسی اخبار اللّٰہ معناہ بالالھام اوالمنام فاخبر النبی علیہ السلام امتہ بعبارۃ نفسہ وسائر الاحادیث لم یضفھا إلی اللّٰہ ولم یروھا عنہ۔ (۵)

ترجمہ: (دیگر احادیث اور حدیث قدسی میں) فرق اس طرح کیا جائے گا کہ حدیث قدسی کی نسبت اللہ کی جانب ہوتی ہے اور وہ اللہ سے مروی ہوتی ہے، برخلاف دوسری احادیث کے، اور کبھی اس طرح بھی فرق کیا جاتا ہے کہ حدیث قدسی اللہ کی تنزیہ ذات اور اس کی صفات جلالیہ و جمالیہ سے متعلق ہوتی ہے۔ طیبی نے کہا کہ قرآن وہ لفظ منزل ہے جو جبریل (علیہ السلام) کے واسطے سے نبی کریم ﷺ پر نازل ہوا اور حدیث قدسی وہ ہے کہ اللہ نے الہام یا خواب کے ذریعے جس کا معنیٰ حضور علیہ السلام کو بتایا پھر حضور علیہ السلام نے اپنے الفاظ میں امت کو اس کی خبر دی، باقی دیگر احادیث اللہ کی جانب منسوب نہیں کی جاتیں اور نہ ہی حضور علیہ السلام ان کو اللہ سے روایت کرتے ہیں۔

ڈاکٹر عز الدین ابراہیم لکھتے ہیں:

التمییز بین الحدیث القدسی والحدیث النبوی: فالنبوی ینتھی سندہ إلی الرسول ﷺ بینما یرتفع القدسی إلی اللّٰہ عزوجل فالقول فیه له جل جلاله۔ و کثیرا ما یکون بضمیر المتکلم کما فی حدیث تحریم الظلم: یا عبادی انی حرمت الظلم علی نفسی و جعلته بینکم محرماً فلا تظالموا وھٰذا لا ینفی ان الحدیث النبوی یستند فی مجموعه إلی وحی اللّٰہ۔ (٦)

حدیث نبوی اور حدیث قدسی میں تمیز اس طور پر ہوگی کہ حدیث نبوی کی سند حضور (علیہ السلام) پر جا کر ختم ہوتی ہے جب کہ حدیث قدسی کی سند اللہ تعالیٰ تک پہنچتی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا قول مذکور ہوتا ہے، زیادہ تر اس میں متکلم کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے، جیسا کہ تحریم ظلم والی حدیث میں فرمایا: ''اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کر دیا ہے اور تمہارے درمیان بھی ظلم کو حرام قرار دیا ہے تو آپس میں ظلم مت کرو'' اور یہ بات اس کے منافی نہیں ہے کہ حدیث نبوی کی بنیاد بھی بالجملہ وحی الٰہی پر ہو۔

قرآن کریم اور احادیث قدسیہ میں فرق:

قرآن کریم بھی اللہ کی جانب سے ہے اور احادیث قدسیہ کا معنی بھی من جانب اللہ ہوتا ہے، ان دونوں میں فرق کس طرح کیا جائے گا؟

ملا علی قاری فرماتے ہیں:

وھی تغائر القران الحمید والفرقان المجید بان نزولہ لا یکون إلا بواسطة الروح الامین، ویکون مقیداً باللفظ المنزل من اللوح المحفوظ علی وجہ التعیین، ثم یکون نقلہ متواتراً قطعیاً فی کل طبقة و عصر و حین۔(۷)

قرآن حمید فرقان مجید احادیث قدسیہ سے اس طور پر مختلف ہے کہ قرآن کا نزول صرف روح امین کے واسطے سے ہوا ہے، اور متعین طور پر لوح محفوظ سے اس کے الفاظ نازل ہوئے ہیں، پھر یہ کہ قرآن کریم ہر طبقے اور ہر زمانے میں تواتر کے ساتھ نقل ہوتا رہا۔

قرآن کریم اور احادیث قدسیہ میں یہی بنیادی فرق ہے، اس فرق کی بنیاد پر ان دونوں میں جو فروعی فرق مرتب ہوتے ہیں ان کو ملا علی قاری نے ''الاحادیث القدسیة الاربعینیة'' میں حافظ ابن حجر الہیثمی نے ''شرح الفتح المبین'' میں، محمد علی فاروقی نے ''کشاف الاصطلاحات الفنون'' میں اور ڈاکٹر عز الدین ابرہیم نے ''الاربعون القدسیہ'' میں بیان کیا ہے۔ ان علما کے بیان کردہ اصولی فرق اور ان پر مرتب ہونے والے فروعی فرق کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

[۱] قرآن کریم لفظاً اور معناً معجزہ ہے کہ اس کی مثل لانے سے مخلوق عاجز ہے۔ حدیث قدسی میں یہ شان اعجاز نہیں ہوتی۔

[۲] قرآن کریم پورا کا پورا حضرت جبریل کے واسطے سے نازل ہوا ہے، جب کہ احادیث قدسیہ بعض حضرت جبریل کے واسطے سے حضور تک پہنچی ہیں اور بعض الہام یا خواب میں بتائی گئی ہیں۔

[۳] قرآن کریم کے الفاظ بھی اللہ کی جانب سے نازل ہوئے ہیں، برخلاف حدیث

www.Qadri.info

قدسی کے کہ اس کا صرف معنیٰ من جانب اللہ ہے، الفاظ حضور علیہ السلام کے ہیں۔

[۴] قرآن کریم متواتر ہے جب کہ احادیث قدسیہ اخبار احاد کے ضمن میں آتی ہیں، اسی لیے ان میں بعض صحیح ہیں، بعض حسن ہیں اور بعض ضعیف ہیں۔

[۵] قرآن کریم کسی بھی تبدیلی وتغیر سے محفوظ ہے، اس کی حفاظت کو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمۂ کرم میں لیا ہے، احادیث قدسیہ ایسی نہیں ہیں۔

[۶] قرآن کریم کی تلاوت پر ہر لفظ کے بدلے دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے، حدیث قدسی کی یہ شان نہیں ہے۔

[۷] حدیث قدسی نماز میں نہیں پڑھی جا سکتی، اس سے نماز باطل ہو جائے گی۔

[۸] قرآن کریم کے مختلف اجزا کو ''سورۃ'' اور ''آیت'' سے موسوم کیا جاتا ہے، جب کہ احادیث قدسیہ کو ان ناموں سے موسوم نہیں کیا جا سکتا۔

[۹] چوں کہ قرآن متواتر ہے، اس لیے اس کا انکار کرنے والا کافر ہوگا، برخلاف حدیث قدسی کے کہ اس کا منکر کافر نہیں۔

[۱۰] ناپاکی کی حالت میں قرآن کریم کو چھونا اور پڑھنا جائز نہیں ہے، برخلاف حدیث قدسی کے۔

حدیث قدسی کی اقسام:

احادیث قدسیہ الفاظ اور اپنے موضوعات کی بنیاد پر چند قسموں کی ہوتی ہیں۔ کچھ احادیث قدسیہ ایسی ہوتی ہیں جن میں صراحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کوئی قول منقول ہوتا ہے، کچھ احادیث میں اس بات کی صراحت تو نہیں ہوتی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے، مگر سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول باری عز وجل ہے، کچھ احادیث میں کوئی قول نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل بیان کیا جاتا ہے۔ احادیث قدسیہ کی ایک قسم یہ ہے کہ ان کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کا کوئی قول یا فعل نہیں ہوتا، بلکہ یہ ایک طویل حدیث ہوتی ہے جس میں قیامت یا عالم آخرت کے احوال بیان کئے جاتے ہیں اور حدیث کے درمیان میں اللہ تعالیٰ کا کوئی قول یا فعل مذکور ہوتا ہے۔ یہ احادیث قدسیہ کی مختلف اقسام ہیں، ہم یہاں ان تمام اقسام کو مثالوں سے واضح کرنے کی کوشش

کریں گے:

[ا] احادیث قدسیہ کی سب سے اہم وہ قسم ہے جن میں مذکور قول یا فعل کی نسبت صراحتاً اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے۔ ایسی احادیث کو محدثین مندرجہ ذیل طریقوں سے روایت کرتے ہیں، اگرچہ معنی و مفہوم سب کا ایک ہی ہے۔

الف: یقول النبی ﷺ فیما یرویه عن ربه عز و جل

ترجمہ: نبی کریم ﷺ اپنے رب عزوجل سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ب: قال اللّٰہ تعالٰی فیما رواہ عنه رسول اللّٰہ ﷺ

اللہ نے ارشاد فرمایا (اس حدیث میں) جو رسول اللہ ﷺ نے اس سے روایت کی۔

ج: قال رسول اللّٰہ ﷺ قال اللّٰہ تبارک و تعالٰی

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔

یہ اور اس قسم کے بعض دوسرے الفاظ میں بھی حدیث قدسی روایت کی جاتی ہے، ان میں اس بات کی صراحت ہے کہ آگے آنے والے قول یا فعل کا تعلق اللہ تبارک وتعالیٰ سے ہے۔ ان میں کبھی اللہ تعالیٰ صیغۂ متکلم سے کلام فرماتا ہے اور کبھی صیغۂ غائب کے ساتھ، مثال کے طور پر:

الف: عن ابی هریرة رضی اللّٰہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللّٰہ ﷺ قال اللّٰہ تبارک و تعالٰی انا اغنی الشرکاء عن الشرک من عمل عملا اشرک فیه غیری ترکته و شرکه۔ (۸)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا میں شریک سے بے نیاز ہوں جو شخص میرے ساتھ کسی کام میں کسی کو شریک ٹھہراتا ہے تو میں اس کو اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔

ب: عن ابی هریرة رضی اللّٰہ تعالٰی عنه قال قال النبی ﷺ یقول اللّٰہ تعالٰی انا عند ظن عبدی بی و انا معه اذا ذکرنی۔ (۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد

فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں، جب مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔

ج: عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنهما عن النبی ﷺ فیما یروی عندربه عزوجل قال ان اللہ کتب الحسنات والسیئات ثم بین ذلک فمن هم بحسنة فلم یعملها کتبها اللہ له عنده حسنة کاملة، فان هو هم بها فعملها کتبها اللہ له عنده عشر حسنات إلی سبعمائة ضعف إلی اضعاف کثیرة ومن هم بسیئة فلم یعملها کتبها اللہ له عنده حسنة کاملة فان هو هم بها فعملها کتبها اللہ سیئة واحدة۔ (۱۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نیکیاں اور گناہ لکھ دیے پھر ان کو بیان کر دیا تو جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے اور اس کو نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس اس کے لیے ایک پوری نیکی کا ثواب لکھتا ہے اور جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرتا ہے اور اس کو کرتا بھی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس نیکیوں سے لے کر سات سو گنا بلکہ اور کئی گنا ثواب لکھتا ہے اور جو شخص کسی گناہ کا ارادہ کرتا ہے اور اس کو کرتا نہیں ہے تو اللہ اس کے لیے ایک نیکی لکھتا اور جو شخص کسی گناہ کا ارادہ کرے اور پھر اس کو کر بھی لے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے صرف ایک گناہ لکھتا ہے۔

[۲] حدیث پاک کے ابتدائی حصے میں تو اس بات کی صراحت نہیں ہوتی کہ یہ حدیث قدسی ہے، مگر درمیان میں صراحتاً اللہ تعالیٰ کا قول مذکور ہوتا ہے:

عن عقبة بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنه قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول یعجب ربک من راعی غنم، فی رأس شظیة الجبل یوذن بالصلاة و یصلی فیقول عز و جل انظروا إلی عبدی هذا یوذن ویقیم الصلاة یخاف منی قد غفرت لعبدی وادخلته الجنة۔ (۱۱)

حضرت عقبہ بن عامر فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے

www.Qadri.info

سنا کہ اللہ تعالیٰ اس چرواہے سے بہت خوش ہوتا ہے جو نماز کے لیے اذان دیتا ہے اور نماز قائم کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میرے اس بندے کو دیکھو یہ اذان دیتا ہے اور میرے خوف کی وجہ سے نماز پڑھتا ہے، میں نے اپنے اس بندے کو بخش دیا اور اس کو جنت میں داخل کر دیا۔

[۳] اللہ تعالیٰ کے بعض اقوال یا افعال کسی حدیث کے ضمن میں مذکور ہیں، ان اقوال و افعال کی نسبت اللہ کی جانب نہیں ہوتی بلکہ یہ مجہول کے صیغے میں وارد ہوتے ہیں لیکن سیاق و سباق اس بات پر قطعی طور پر دلالت کرتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قول یا فعل ہے۔ مثال کے طور پر:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال تفتح ابواب الجنۃ یوم الاثنین ویوم الخمیس فیغفر لکل عبد لا یشرک باللہ شیئاً الا رجلا کانت بینہ وبین اخیہ شحناء، فیقال انظروا ھٰذین حتی یصطلحا انظروا ھٰذین حتی یصطلحا، انظروا ھٰذین حتی یصطلحا۔ (۱۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت کے دروازے پیر اور جمعرات کے دن کھولے جاتے ہیں، پھر ہر اس بندے کی مغفرت کر دی جاتی ہے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا، سوا ان دو لوگوں کے جو ایک دوسرے سے کینہ رکھتے ہوں، ندا کی جاتی ہے کہ ان دونوں کو مہلت دو یہاں تک کہ آپس میں صلح کر لیں (یہ ندا تین بار کی جاتی ہے)۔

اس حدیث پاک میں یہ جملہ کہ ''ہر اس بندے کی مغفرت کر دی جاتی ہے''۔ اس میں اگرچہ مغفرت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں ہے بلکہ یہ بصیغہ مجہول وارد ہے لیکن قطعی طور پر یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے کیوں کہ ''مغفرت کرنا'' اسی کی شان ہے اور اسی کے لائق ہے۔ اسی طرح یہ جملہ کہ ''ندا کی جاتی ہے کہ ان دونوں کو مہلت دو، یہاں تک کہ یہ صلح کر لیں۔'' اس میں اگرچہ صراحت نہیں ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ ان کو مہلت دو، بلکہ یہاں بھی صیغہ مجہول والا ہے، تاہم سیاق وسباق اور جملے کی عظمت و ہیبت سے قطعی طور پر سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ قول اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔

www.Qadri.info

اسی طرح شفاعت کی وہ طویل اور مشہور حدیث جو صحیحین میں وارد ہے، اس میں ہے کہ جب لوگ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس سے مایوس ہو کر شافع محشر کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور آپ سے شفاعت کی درخواست کریں گے تو آپ بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہو جائیں گے، آگے حدیث کے الفاظ ہیں:

ثم یقال لی ارفع راسک سل تعطہ و قل تسمع و اشفع تشفع (۱۳)

پھر مجھ سے کہا جائے گا کہ اپنا سر اٹھاؤ، مانگو عطا کیا جائے گا، کہو (تمہاری بات) سنی جائے گی، شفاعت کرو، قبول کی جائے گی۔

یہاں بھی مجہول کا صیغہ ہے کہ "پھر مجھ سے کہا جائے گا" لیکن اسلوب بیان بتا رہا ہے کہ یہ قول اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا۔

احادیث قدسیہ کی تعداد:

ذخیرۂ احادیث میں احادیث قدسیہ کی تعداد کوئی بہت زیادہ نہیں ہے اور ان میں صحیح احادیث کی تعداد تو اور بھی کم ہے۔ اب تک احادیث قدسیہ کے جو مجموعے ہماری نگاہ سے گزرے ہیں (جن کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے)، ان میں شیخ محمد محمود المدنی کی **الاتحاف السنیة فی الاحادیث القدسیة** تعداد حدیث کے اعتبار سے سب سے زیادہ ضخیم اور جامع ہے۔ اس میں بھی اختلاف روایات کی وجہ سے بکثرت مکررات ہیں اور مصنف نے صحیح وضعیف ہر طرح کی احادیث قدسیہ جمع کر دی ہیں، اس کے باوجود اس میں موجود احادیث قدسیہ کی تعداد ۸۵۳ سے زائد نہ ہو سکی۔ اگر اختلاف روایات سے قطع نظر کر لی جائے اور صرف صحیح حدیث کا التزام کیا جائے تو احادیث قدسیہ کی تعداد ۸۵۳ سے بہت کم ہو گی۔ ہمیں ذاتی طور پر اس بات کا تجربہ اس وقت ہوا جب ہم نے احادیث قدسیہ پر کتاب مرتب کرنے کا ارادہ کیا، ہم نے طے کیا کہ اس کتاب میں صرف صحیح احادیث درج کرنے کا اہتمام کیا جائے، اس التزام و اہتمام کے ساتھ جب تلاش و تحقیق شروع کی تو اپنی کتاب میں ہمیں احادیث قدسیہ کی تعداد ۱۰۰/ تک پہنچانا مشکل ہو گیا، (اس میں ہماری کم علمی اور ناقص مطالعے کو بھی دخل ہو سکتا ہے)، گویا ایک اندازے کے مطابق صحیح احادیث قدسیہ ۱۰۰/ اور ۱۵۰/ کے درمیان ہوں گی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

www.Qadri.info

احادیث قدسیہ کے موضوعات:

جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ احادیث قدسیہ کی تعداد کوئی بہت زیادہ نہیں ہے، لہٰذا ان کے موضوعات بھی محدود ہیں، ان میں کوئی فقہی مسائل یا تشریعی قوانین وغیرہ کا ذکر نہیں ہے- احادیث قدسیہ میں جن موضوعات کو کثرت سے بیان کیا گیا ان کا ایک سرسری جائزہ درج ذیل ہے:

[۱] **اثبات توحید اور رد شرک**: عقیدۂ توحید، نجات کے لیے ضروری عقیدہ ہے اور اسلام کے عقائد میں سب سے پہلا اور بنیادی عقیدہ ہے بلکہ جتنے انبیا علیہم السلام دنیا میں مبعوث فرمائے گئے، ان سب کی دعوت کی بنیاد عقیدۂ توحید پر ہی تھی- اسی طرح گناہوں میں سب سے بڑا گناہ شرک ہے کہ اس کی بخشش نہیں ہے- چنانچہ احادیث قدسیہ میں جابجا اللہ تعالیٰ نے توحید کا اثبات، اہل توحید کا انعام وثواب، شرک کی مذمت اور اہل شرک کے انجام اور ان کے عذاب کا ذکر فرمایا ہے- مثال کے طور پر:

> **عن انس یرفعه إن اللّٰہ یقول لاھون اھل النار عذاباً لو ان لک مافی الأرض من شئی کنت تفتدی به؟ قال نعم قال فقد سألتک ماھو اھون من ھٰذا وانت فی صلب آدم ان لا تشرک بی ابیت إلا الشرک۔** (۱۴)
>
> حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے جو جہنم میں سب سے ہلکے عذاب میں ہوگا، فرمائے گا کہ اگر زمین کی تمام چیزیں تیری ملکیت میں ہوتیں تو کیا جہنم سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لیے تو وہ سب دے دیتا؟ وہ کہے گا، ہاں- پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے تجھے اس سے بہت آسان چیز کا حکم دیا تھا جب تو آدم کی پشت میں تھا کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا، مگر تو نے نہیں مانا اور شرک کیا-

[۲] **عظمت وتقدیس الٰہی**: احادیث قدسیہ کا دوسرا اہم موضوع اللہ تعالیٰ کی عظمت و عزت، ہیبت وقدرت اور کبریائی و بے نیازی کا اظہار واعلان ہے- ان احادیث میں بڑے عمدہ پیرائے، پُرجلال اور پُرعظمت اسلوب میں اللہ عزوجل کی عظمت و کبریائی کا بیان کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی بے نیازی، بے پرواہی اور شان استغنا کا اظہار فرمایا ہے، مثال کے طور پر

یہ احادیث پیش کی جاسکتی ہیں:

عن أبی ذر عن النبی ﷺ فیما روی عن اللہ تبارک و تعالیٰ انه قال یا عبادی انی حرمت الظلم علی نفسی و جعلته بینکم محرماً فلا تظالموا، یا عبادی کلکم ضال الا من هدیته فاستهدونی اهدکم، یا عبادی کلکم جائع إلا من اطعمته فاستطعمونی اطعمکم، یا عبادی کلکم عار إلا من کسوته فاستکسونی اکسکم، یا عبادی انکم تخطؤن باللیل والنهار وانا اغفر الذنوب جمیعاً فاستغفرونی اغفرلکم یا عبادی انکم لن تبلغوا ضری فتضرونی ولن تبلغوا نفعی فتنفعونی یا عبادی لو انّ اوّلکم و آخرکم وانسکم و جنکم کانوا علی اتقٰی قلب رجل واحدٍ منکم مازاد ذلک فی ملکی شیئاً، یا عبادی لو انّ اولکم و آخرکم وانسکم و جنکم کانوا علی افجر قلب رجلٍ واحدٍ مانقص ذلک من ملکی شیئاً، یاعبادی لو ان اولکم وآخرکم وانسکم و جنکم قاموا فی صعید واحدٍ فسألونی، فاعطیت کل انسانٍ مسألتهٗ مانقص ذلک مما عندی إلا کما ینقص المخیط اذا أُدخل البحر، یا عبادی انما هی اعمالکم احصیها لکم ثم اوفیکم ایّاها، فمن وَجَدَ خیراً فلیحمد اللہ ومن وجد غیر ذلک فلا یلومن الا نفسه۔(۱۵)

ترجمہ: حضرت ابوذر روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نقل فرمایا کہ اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کر دیا اور اس کو تمہارے درمیان بھی حرام کیا ہے، اس لیے باہم ظلم نہ کرو۔ اے میرے بندو! تم سب گم کردہ راہ ہو سوائے اس کے جسے میں ہدایت دوں تو تم مجھ سے ہدایت طلب کرو، میں تمہیں ہدایت دوں گا، اے میرے بندو! تم سب کے سب بھوکے ہو، سوائے اس کے جس کو میں کھلاؤں تو تم مجھ سے کھانا طلب کرو، میں تمہیں کھلاؤں گا - اے میرے بندو! تم سب کے سب برہنہ ہو سوائے اس

کے جس کو میں کپڑا پہناؤں تو تم مجھ سے کپڑے طلب کرو، میں تمہیں پہناؤں گا۔ اے میرے بندو! تم رات دن خطائیں کرتے ہو اور میں تمام گناہ بخشتا ہوں تو تم مجھ سے مغفرت طلب کرو، میں تمہیں معاف کروں گا۔ اے میرے بندو! تمہاری دسترس میں یہ نہیں کہ تم مجھے نقصان پہنچا سکو اور نہ تمہاری دسترس میں یہ ہے کہ تم مجھے فائدہ پہنچا سکو۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے سب اگلے پچھلے اور تمام انسان و جنات تم میں سب سے متقی شخص کی طرح ہو جائیں تب بھی میری بادشاہت میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے سب اگلے اور پچھلے اور انسان و جنات سب کے سب تم میں سے سب سے بُرے آدمی کی طرح ہو جائیں تب بھی میری بادشاہت میں اس سے کوئی کمی نہیں آ سکتی۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے سب اگلے پچھلے اور انسان و جنات سب کسی ایک میدان میں کھڑے ہو کر مانگیں اور میں سب کی حاجت پوری کر دوں، تب بھی میرے خزانے میں اتنی کمی بھی نہیں ہو سکتی، جتنی سمندر میں سوئی ڈالنے سے ہوتی ہے۔ اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں جن کو میں تمہارے لیے شمار کر رہا ہوں اور ان کی جزا تمہیں پوری پوری دیتا ہوں، تو جو شخص بھلائی پائے وہ اللہ کا شکر ادا کرے اور جو اس کے علاوہ کچھ پائے تو وہ سوائے اپنے نفس کے کسی کو ملامت نہ کرے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں اپنی جود و سخا اور اپنے خزانوں کا اعلان فرماتا ہے:

عن أبی هريرة رضی الله عنه ان رسول الله ﷺ قال: قال الله عز و جل اَنْفِقْ اُنْفَقْ عليک و قال يد الله ملأى لا تغيضها نفقة سحّاء الليل و النهار و قال أرأيتم ما انفق منذ خلق السماء و الأرض فإنه لم يغفى مافی يده و كان عرشه علی الماء و بيده الميزان يخفض و يرفع۔ (١٦)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے تم (لوگوں پر) خرچ کرو، میں تمہیں عطا فرماؤں گا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا دست قدرت بھرا ہوا ہے، خرچ کرنے سے اس میں کمی نہیں ہوتی،

www.Qadri.info

شب وروز نعمتوں کو بہاتا ہے، پھر فرمایا دیکھو جب سے اس نے آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا ہے وہ نعمتیں تقسیم کر رہا ہے اور اس تقسیم سے اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں آئی اور یہ تقسیم اس وقت سے ہے جب اس کا تخت پانی پر تھا اور اس کے ہاتھ میں ترازو ہے، کسی پلے کو جھکاتا ہے کسی پلے کو اٹھاتا ہے۔

ایک اور حدیث قدسی میں اپنی بادشاہت کا اعلان ان لفظوں میں فرماتا ہے:

عن أبی هريرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال سمعت رسول اللّٰه يقول يقبض اللّٰه الأرض ويطوی السموت بيمينه ثم يقول انا الملک اين ملوک الأرض۔(۱۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کو فرماتے سنا کہ (قیامت کے روز) اللہ تعالیٰ زمین کو اپنی مٹھی (جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے) میں پکڑ لے گا اور آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ (جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے) میں پکڑ لے گا پھر ارشاد فرمائے گا میں آج بادشاہ ہوں تو زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟

[۳] شان رحمت ومغفرت: احادیث قدسیہ میں جو موضوع سب سے زیادہ غالب ہے، وہ اللہ عزوجل کی شان رحمت اور بخشش ومغفرت ہے، وہ کیسا رحیم وکریم اور کیسا معاف اور درگزر کرنے والا ہے اس کا اظہار احادیث قدسیہ میں کثرت کے ساتھ ایسے پیرائے میں کیا گیا ہے کہ ہم جیسے گناہ گاروں اور خطا کاروں کو بھی اپنی بخشش ومغفرت کی امید بندھ جاتی ہے۔ ان احادیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کس درجہ محبت کرتا ہے، کس کس انداز سے ان کی بخشش فرماتا ہے اور کیسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر محض اپنی رحمت سے مغفرت فرما دیتا ہے۔

یہاں ہم چند احادیث درج کرتے ہیں، جن کو پڑھ کر ایمان میں تازگی آتی ہے:

عن أبی سعيد الخدری رضی اللّٰه تعالیٰ عنه النبی صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم قال يدخل اهل الجنة الجنة واهل النار النار ثم يقول اللّٰه تعالیٰ اخرجوا من النار من كان فی قلبه مثقال حبة من خردل من ايمان،

فیخرجون منها قد اسودّوا، فیلقون فی نھر الحیا اوالحیاۃ شک مالک۔ فینبتون کما تنبت الحبۃ فی جانب السیل۔ الم تر انھا تخرج صفراء ملتویۃ۔ (۱۸)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (قیامت کے دن) جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لو، جب وہ لوگ دوزخ سے نکالے جائیں گے تو وہ جل کر بالکل سیاہ ہو گئے ہوں گے، پھر ان کو نہر حیات میں ڈالا جائے گا تو ان پر از سرِ نو بالیدگی آ جائے گی، جیسے سیلاب کے کنارے دانہ اگتا ہے، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ زرد اور جھکا ہوا ہوتا ہے۔

عن أبی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ لما قضی اللّٰہ الخلق کتب فی کتابہٖ فھو عندہ فوق العرش ان رحمتی غلبت غضبی۔ (۱۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو پیدا فرما دیا تو اس نے اپنی کتاب میں لکھا جو اس کے پاس عرش کے اوپر موجود ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

عن عبد اللّٰہ بن عمرو بن العاص یقول قال رسول اللّٰہ ﷺ ان اللّٰہ سیخلص رجلاً من امتی علی رؤوس الخلائق یوم القیامۃ، فینشر علیہ تسعۃ و تسعین سجلاً کل سجل مثل مدالبصر، ثم یقول اتنکر من ھٰذا شیئاً، اظلمتک کتبتی الحافظون؟ فیقول لا یارب، فیقول افلک عذر؟ فیقول لا یارب، فیقول بلٰی إن لک عندنا حسنۃ، فإنہ لاظلم علیک الیوم فتخرج بطاقۃ فیھا: اشھد ان لا الٰہ إلا اللّٰہ و اشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ، فیقول احضر و زنک: فیقول یا رب ما ھٰذہ البطاقۃ مع ھٰذہ

السجلات؟ فقال انک لا تظلم قال: فتوضع السجلات فی کفة و البطاقة فی کفةٍ فطاشت السجلات و ثقلت البطاقة فلا یشغل مع اسم اللّٰہ شئی۔(۲۰)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ایک شخص کو چن کر الگ کر لے گا، پھر اس پر ننانوے دفتر کھولے جائیں گے، ہر دفتر کی لمبائی تا حد نگاہ ہوگی، پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کیا تجھے ان میں سے کسی (گناہ) کا انکار ہے؟ کیا میرے لکھنے والے حافظوں (کراماً کاتبین) نے تجھ پر ظلم کیا؟ بندہ عرض کرے گا: نہیں میرے رب۔ اللہ ارشاد فرمائے گا: کیا تیرے پاس کوئی عذر ہے؟ بندہ کہے گا نہیں میرے رب میرے پاس کوئی عذر نہیں۔ اللہ سبحانہٗ فرمائے گا: میرے پاس تیری ایک نیکی ہے اور آج تجھ پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا، پھر ایک رقعہ نکالا جائے گا جس میں لکھا ہوگا -**اشھدُ ان لا إلٰه إلا اللّٰه و اشهد أن محمداً عبده و رسوله۔** میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں- اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ اپنے ترازو کے پاس حاضر ہو، وہ بندہ عرض کرے گا اے پروردگار ان دفتروں کے مقابلہ میں اس رقعہ کی کیا حیثیت ہے؟ اللہ فرمائے گا تجھ پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھر اس کے بعد وہ سارے دفتر ایک پلے میں رکھے جائیں گے اور وہ رقعہ ایک پلے میں رکھا جائے گا، دفتروں والا پلہ ہلکا ہو جائے گا اور رقعہ والا پلہ بھاری ہو جائے گا اور اللہ کے نام کے مقابلہ میں کوئی چیز بھاری نہیں ہوتی۔

عن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انی لأعلم آخر اهل النار خروجاً منها و آخر اهل الجنة دخولاً، رجل یخرج من النار کبواً فیقول اللّٰہ: اذهب فادخل الجنة فیأتیها فیخیّل الیه انها ملأی۔ فیرجع فیقول: یا رب وجدتها ملأی، فیقول اذهب فادخل الجنة فیأتیها فیخیّل إلیه انها ملأی، فیرجع فیقول یا رب وجدتها ملأی فیقول اذهب فادخل الجنة

فإن لک مثل الدنیا و عشرة امثالها او ان لک مثل عشرة امثال الدنیا فیقول: تسخر منی او تضحک منی و انت الملک؟ فلقد رأیت رسول اللّٰہ ﷺ ضحک حتی بَدَت نوا جذہ و کان یقول ذاک ادنی اھل الجنة منزلة۔ (۲۱)

حضرت عبداللہ ابن مسعود سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ میں اس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں دوزخ سے نکلے گا اور سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا۔ وہ شخص گھسٹتا ہوا دوزخ سے نکلے گا، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: جنت میں داخل ہوجا، وہ جنت کے پاس آئے گا، مگر اسے محسوس ہوگا کہ جنت بھری ہوئی ہے، وہ لوٹ کر آئے گا اور عرض کرے گا اے پروردگار جنت تو بھری ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اللہ پھر فرمائے گا جا جنت میں چلا جا، وہ پھر جنت کے پاس آئے گا اس کو پھر ایسا لگے گا کہ جنت بھری ہوئی ہے، وہ پھر لوٹ کر آئے گا اور عرض کرے گا، اے پروردگار! جنت بھری ہوئی ہے، اللہ ارشاد فرمائے گا جا جنت میں داخل ہوجا، تیرے لیے دنیا کے برابر بلکہ اس سے دس حصہ زائد وسعت وہاں ہے، وہ عرض کرے گا اے رب کریم کیا تو مجھ سے مذاق کرتا ہے، حالاں کہ تو بادشاہ ہے، حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ یہ فرماتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے تبسم فرمایا، یہاں تک کہ آپ کے اندر کے دانت ظاہر ہوگئے اور آپ نے فرمایا یہ شخص مرتبہ میں سب سے ادنیٰ جنتی ہوگا۔

عن أبی ھریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال سمعت النبی ﷺ قال ان عبداً اصاب ذنباً وربما قال اذنب ذنباً فقال رب اذنبتُ وربّما قال اصبت فاغفرلی فقال ربّه اَعَلِم عبدی ان له رباً یغفرالذنوب ویأخذبه غفرت لعبدی، ثم مکث ماشاء اللّٰہ، ثم اصاب ذنباًفقال رب اذنبت أو اصبت آخر فاغفرہ لی فقال: اعلم عبدی ان له ربا یغفرالذنوب ویأخذبه غفرت لعبدی ثم مکث ماشاء اللّٰہ ثم اذنب ذنباًو ربّما قال اصاب ذنباً قال قال رب

اصبت او قال اذنبت آخر فاغفره لی، فقال اعلم عبدی ان له رباً یغفر الذنب ویأخذبه غفرت لعبدی ثلاثاً فلیعمل ماشاء(۲۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے، اے رب میں نے گناہ کیا ہے مجھے معاف فرمادے- اللہ فرماتا ہے کہ میرا بندہ جانتا ہے کہ کوئی اس کا رب ہے جو معاف کرتا ہے اور اس سے مواخذہ کرتا ہے، میں نے اس کو بخش دیا، پھر کچھ دن ٹھہرتا ہے پھر گناہ کرتا ہے اور عرض کرتا ہے، اے میرے پروردگار مجھ سے گناہ سرزد ہوا ہے تو اِس کو معاف فرمادے، اللہ ارشاد فرماتا ہے کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ بخشتا ہے اور گناہ پر مواخذہ کرتا ہے، میں نے اپنے بندے کو بخش دیا، پھر وہ بندہ کچھ دن ٹھہرتا اور پھر کوئی گناہ کر لیتا ہے، پھر اللہ سے عرض کرتا ہے، اے پروردگار میں نے گناہ کرلیا ہے تو اس کو معاف فرمادے اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہوں کو معاف کرتا ہے اور ان پر مواخذہ کرتا ہے، میں نے اپنے بندے کو بخش دیا، بخش دیا، بخش دیا، اب وہ جو چاہے کرے-

ان احادیث کو پڑھ کر بندے کے دل میں اللہ کی محبت بڑھتی ہے، توبہ ورجوع کا شوق پیدا ہوتا ہے، گناہوں کی مغفرت کی امید قوی ہوجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان رحمت ومغفرت پر ایمان پختہ ہوجاتا ہے-

[۴] اعمال کا ثواب اور نیکیوں کی جزا: احادیث قدسیہ میں ایک بڑی تعداد ایسی احادیث کی ہے جن میں مختلف اعمال اور نیکیوں کے ثواب اور ان کی جزا کا ذکر ہے- ان احادیث میں ان اعمال کی ترغیب دلائی گئی ہے- مثال کے طور پر یہ احادیث پیش کی جاسکتی ہیں:

عن أبی هریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال اللّٰہ کل عمل ابن آدم له إلا الصیام فإنه لی وأنا أجزی به والصیام جنة واذا کان یوم صوم احدکم فلا یرفث ولا یصخب، فإن سابّه احدٌ أو قاتله فلیقل إنی امرؤ

صائم و الذی نفس محمد بیدہٖ لخلوف فم الصائم اطیب عند اللّٰہ من ریح المسک للصائم فرحتان یفرحھما اذا افطر فرِح و اذا لقِیَ ربہ فرح بصومہ۔ (۲۳)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آدمی کا ہر عمل اس کے لیے ہے، سوائے روزہ کے، کیوں کہ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا، روزے (جہنم سے بچانے کے لیے) ڈھال ہیں، تم میں سے کوئی جب روزہ سے ہو تو اس دن نہ تو فحش بکے (نہ عورت کے ساتھ بے لباس ہو)، نہ شور و غل کرے، اگر کوئی اسے گالی دے یا اس سے لڑنا چاہے تو اس سے کہہ دے میں آج روزے سے ہوں- اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی جان ہے، روزے دار کے منھ کی بدبو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بہتر اور اچھی ہے، روزے دار کے لیے دو خوشیاں ہیں، ایک خوشی تو اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ روزہ کھولتا ہے اور دوسری خوشی اس وقت حاصل ہوگی جب وہ اپنے رب سے ملے گا-

عن انس ابن مالک رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یقول قال اللّٰہ تعالیٰ اذا ابتلیت عبدی بحبیبتیہٖ فصبر عوضتہ منھا الجنۃ یرید عینیہ۔ (۲۴)

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جب میں اپنے بندے کو اس کی دو پیاری چیزوں کے ذریعے آزمائش میں مبتلا کرتا ہوں اور وہ صبر کرتا ہے تو میں اس کی آنکھوں کے عوض اس کو جنت دیتا ہوں، دو پیاری چیزوں سے مراد دونوں آنکھیں ہیں۔

[۵] مکارم اخلاق: احادیث قدسیہ کا ایک بڑا حصہ بندوں کو مکارم اخلاق، حسن معاملہ، انسان دوستی اور صالحین سے محبت اور الفت کی تعلیم دیتا ہے، مثال کے طور پر یہ احادیث پیش کی جاسکتی ہیں:

عن أبی هريرة رضی اللّٰہ تعالٰی عنه عن النبی ﷺ قال قال اللّٰہ ثلاثه أنا خصمهم يوم القيامة رجل اعطی بی ثم غدر، ورجل باع حراً فأكل ثمنه ورجل استأجره اجيراً فاستوفیٰ منه ولم يعط اجره۔ (۲۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ عز وجل ارشاد فرماتا ہے کہ قیامت کے دن میں تین آدمیوں کا دشمن ہوں گا، ایک وہ شخص جس نے مجھ سے عہد کیا اور پھر اپنے عہد کو توڑ دیا اور بدعہدی کی، دوسرا وہ شخص جس نے کسی آزاد آدمی کو فروخت کر دیا اور اس کی قیمت کھالی، تیسرا وہ شخص جس نے مزدور سے کام تو پورا پورا لے لیا مگر مزدور کو مزدوری نہیں ادا کی۔

عن أبی هريرة رفعه قال ان اللّٰہ يقول انا ثالث الشريكين مالم يخن احدهما صاحبه فإذا خانه خرجتُ من بينهما۔ (۲۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ (کاروبار میں) دو شریکوں کے درمیان مَیں تیسرا ہوتا ہوں، جب تک ایک شریک اپنے دوسرے ساتھی کے ساتھ خیانت نہیں کرتا، جب ایک دوسرے کے ساتھ خیانت کرتا ہے تو میں ان دونوں کے درمیان سے جدا ہو جاتا ہوں۔

احادیث قدسیہ کے موضوعات کا یہ ایک اجمالی تعارف ہے، ورنہ اس کے علاوہ بھی دیگر موضوعات پر احادیث قدسیہ موجود ہیں، مثال کے طور پر رسول کریم رؤف الرحیم ﷺ کی شفاعت کا بیان، درود پاک پڑھنے کی فضیلت و جزا، راضی برضا ہونے کی تلقین، اعمال میں اخلاص اور حسن نیت پیدا کرنے کی تلقین، تصنع اور ریاکاری کی خاطر عبادت کرنے والوں کا انجام، جنت کی نعمتوں کا ذکر، جہنم کی ہولناکیوں کا ذکر اور مخلوق پر اللہ تعالیٰ کے بے پناہ احسان وانعام کا تذکرہ بھی احادیث قدسیہ میں جا بجا نظر آتا ہے، لیکن ہم نے جو پانچ موضوعات ذکر کئے ہیں دراصل یہی احادیث قدسیہ کے اساسی موضوعات ہیں اور ان احادیث کا ایک بڑا حصہ انہی موضوعات پر مشتمل ہے۔

موضوع احادیث قدسیہ:

وضع حدیث کا فتنہ ابتدائی عہد میں ہی شروع ہو گیا تھا، جس کے مختلف مذہبی اور سیاسی

اسباب تھے، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، جن اسباب کی خاطر حدیثیں وضع کی گئیں، ان میں ایک سبب ترغیب وترہیب بھی تھا، یعنی لوگوں کو اعمال خیر کی طرف دعوت دینا اور اللہ کے عذاب سے ڈرانا، اس مقصد کے تحت بھی بہت سی حدیثیں گڑھی گئیں، زیادہ تر موضوع احادیث قدسیہ اسی قبیل سے ہیں- حضور علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

ان کذبا علیّ لیس ککذب علی احد مَن کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار۔ (۲۷)

میرے اوپر جھوٹ بیان کرنا دوسروں پر جھوٹ بیان کرنے کی طرح نہیں ہے، جس نے میری طرف جھوٹی بات منسوب کی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے-

جب حدیثیں گڑھنے کا چلن شروع ہوا تو احادیث قدسیہ بھی اس سے محفوظ نہیں رہیں اور لوگوں نے بہت سی حدیثیں گڑھ کر احادیث قدسیہ کے نام سے پھیلا دیں- ناقدین حدیث نے اس پر بحث کر کے ان موضوع احادیث قدسیہ کی نشاندہی کر دی ہے- مثال کے طور پر ہم یہاں چند موضوع احادیث قدسیہ کی نشاندہی کریں گے:

من احدث ولم یتوضأ فقد جفانی ومن لم یتوضأ ولم یصل فقد جفانی ومن صلی ولم یدعنی فقدجفانی ومن دعانی ولم اجبه فقدجفوته ولست برب جاف۔

جس کو حدث لاحق ہوا اور اس نے وضو نہیں کیا اس نے مجھ پر ظلم کیا، جس نے وضو کیا اور نماز نہیں پڑھی اس نے مجھ پر ظلم کیا، جس نے نماز پڑھی اور مجھ سے دعا نہیں کی اس نے مجھ پر ظلم کیا اور جس نے مجھ سے دعا کی اور میں قبول نہ کروں تو میں نے اس پر ظلم کیا اور میں خشک رب نہیں ہوں-

اس حدیث کو اگر چہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے فتوحات مکیہ میں ذکر کیا ہے (۲۸) لیکن ناقدین حدیث نے اس کو "موضوع" قرار دیا ہے- (۲۹)

اسی طرح ایک اور بہت مشہور حدیث قدسی ہے:

ماوسعتنی ارضی ولا سمائی بل وسعنی قلب عبدی المومن۔

www.Qadri.info

میری زمین اور میرا آسمان میری وسعت کو نہیں پا سکتے، ہاں البتہ میں اپنے مومن بندے کے دل میں سما جاتا ہوں۔

یہ حدیث قدسی اتنی مشہور ہوئی کہ اس کو خواجہ میر دردؔ نے شعری قالب عطا کر دیا ؎

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

اس حدیث کو بھی شیخ اکبر نے 'فتوحات مکیہ' میں ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ شیخ سہروردی نے 'عوارف المعارف' میں اور امام غزالی نے 'احیاء العلوم' میں یہ حدیث درج کی ہے، لیکن ماہرین حدیث اور ناقدین فن کے نزدیک یہ حدیث ''موضوع''، ''باطل'' اور ''بے اصل'' ہے۔ حوالوں سے قطع نظر یہاں صرف اس قدر اشارہ پر اکتفا کرتے ہیں کہ اس کو موضوع، باطل اور بے اصل کہنے والوں میں امام سیوطی، ملا علی قاری، امام عجلونی، طاہر فتنی اور امام زرکشی شامل ہیں۔

عن الحذیفة انه قال سألت النبی ﷺ عن علم الباطن ماھو فقال سألت جبریل عنه فقال عن الله سر بینی و بین احبائی و اولیائی و اصفیائی اودعه فی قلوبھم لا یطلع علیه ملک مقرب و لا نبی مرسل۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے علم باطن کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اس کے بارے میں جبریل سے پوچھا، جبریل نے اللہ تعالیٰ سے روایت کیا کہ اللہ نے فرمایا کہ یہ ایک راز ہے جو میرے اور میرے دوستوں، اولیا اور اصفیا کے درمیان ہے، میں نے اس راز کو ان کے دلوں میں رکھ دیا ہے، اس پر کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی نبی مرسل مطلع نہیں ہو سکتا۔

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے(۳۰)، ویسے بھی اس کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ یہ صادق و مصدوق کی زبان مبارک سے صادر ہونے والا کلام نہیں ہے۔

ضمنی طور پر یہ اشارہ کرنا بھی ضروری ہے کہ یہاں گفتگو بطریق محدثین ہو رہی ہے، فی الحال صوفیہ اور ان کا معیار رد و قبول ہمارے دائرۂ بحث سے خارج ہے، چوں کہ احادیث کے رد

وقبول کے سلسلے میں صوفیائے کرام کا اپنا ایک الگ مزاج و مذاق ہے، جس طرح یہ ضروری نہیں کہ صوفیہ کی صحیح قرار دی ہوئی حدیث محدثین اور ناقدین فن کے نزدیک بھی صحیح ہو، اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ محدثین نے جس حدیث کو موضوع قرار دیا ہو وہ صوفیہ کے نزدیک بھی موضوع ہو ع

وللناس فیما یعشقون مذاہب

اردو میں ابھی تک کوئی ایسی کتاب میری نظر سے نہیں گزری، جس میں موضوع، باطل اور منکر احادیث قدسیہ کو یکجا کیا گیا ہو، اس قسم کی احادیث قدسیہ موضوعات پر لکھی جانے والی کتابوں میں بکھری ہوئی ہیں- کوئی مرد میدان سامنے آئے اور اس نہج پر اردو میں ایک تحقیقی وتنقیدی کتاب مرتب کرے تو موضوعات پر لکھی جانے والی کتابوں پر یقینا یہ ایک اضافہ ہوگا، اللہ عز و جل کی قدرت کاملہ سے کوئی بعید نہیں کہ وہ حدیث کی یہ خدمت ہندوستان میں رہنے والے حدیث کے ایک معمولی طالب علم سے لے لے-

احادیث قدسیہ پر بعض اہم کتابیں:

احادیث قدسیہ اپنی ایک الگ شناخت اور ایک خاص رنگ وآہنگ رکھنے کی وجہ سے ابتدا سے ہی علما ومحدثین کا مرکز توجہ رہی ہیں، محدثین نے ان کو اپنے شیوخ سے روایت کیا اور اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا، لیکن عہد تدوین میں کسی محدث نے ان احادیث قدسیہ کو الگ کتابی شکل میں جمع کیا ہو، اس کا سراغ مجھے اپنے محدود و ناقص مطالعے کی وجہ سے نہ مل سکا، یہ احادیث مختلف کتابوں میں مختلف ابواب اور مسانید کے تحت بکھری ہوئی تھیں- ہاں حدیث کی جو کتابیں حروف تہجی کی ترتیب کے اعتبار سے تالیف کی گئیں، ان میں وہ تمام احادیث جن کی ابتدا ”قال اللّٰہ تعالیٰ“ (اللہ نے فرمایا) سے ہوتی تھی ”باب القاف“ کے تحت یکجا ہو گئیں- مثال کے طور پر امام سیوطی کی ”الجامع الکبیر“ اور ”الجامع الصغیر“ پیش کی جا سکتی ہے، ان دونوں کو حروف تہجی کی ترتیب پر تالیف کیا گیا ہے، چنانچہ ”الجامع الصغیر“ میں باب القاف کے تحت ۶۶/ احادیث قدسیہ یکجا کر دی گئی ہیں، جن کی ابتدا ”قال اللّٰہ تعالیٰ“ یا ”قال ربکم“ سے ہوئی ہے، جب کہ الجامع الکبیر میں ۱۳۳/ احادیث قدسیہ یکجا ہیں- امام سیوطی نے چوں کہ اس میں صحت کا التزام

www.Qadri.info

نہیں کیا ہے، اس لیے ان احادیث میں بعض ضعیف احادیث بھی درج ہوگئی ہیں، جن کی طرف امام سیوطی نے لفظ ''ض'' سے اشارہ کر دیا ہے- الجامع الصغیر کے باب القاف میں موجود احادیث قدسیہ کی تعداد ٦٦ رہے ان میں ٦٤ رکی ابتدا ''قال اللّٰہ تعالٰی'' سے ہوئی ہے اور ٢ ر ''قال ربکم'' سے شروع ہوئی ہیں- ان ٦٦ راحادیث میں بقول امام سیوطی ٤٣ رصحیح ہیں، ٦ رحسن ہیں، ١٣ رضعیف ہیں اور ٤ رکے بارے میں امام سیوطی نے کوئی حکم نہیں لگایا-

جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا کہ عہد متاخرین میں احادیث قدسیہ کو الگ کتاب میں جمع کرنے کا ذوق پیدا ہوا اور علما نے نہ صرف یہ کہ احادیث قدسیہ کے مجموعے تالیف کئے بلکہ ان کی شروحات اور ان پر مختلف زاویوں سے تحقیقی بحث بھی قلم بند ہونے لگی-

حافظ ابن حجر الہیثمی لکھتے ہیں:

القدسیة اکثر من مائة وقد جمعها بعضهم فی جزء کبیر (٣١)

احادیث قدسیہ سو سے زیادہ ہیں، بعض علما نے ان کو ایک بڑے جز میں جمع کر دیا ہے-

یہاں ہم احادیث قدسیہ کے بعض مجموعوں اور ان پر لکھی جانے والی کچھ کتابوں کا ایک سرسری جائزہ ہدیۂ قارئین کرتے ہیں:

[١] مشکاة الانوار فیما روی عن اللّٰہ سبحانه من الاخبار:

یہ شیخ محی الدین ابن عربی (م ٦٣٨) کی تالیف ہے- اس میں ایک سو ایک احادیث قدسیہ جمع کی گئی ہیں- یہ حلب سے ١٩٢٧ء/١٣٤٦ھ میں شائع ہوئی (٣٢)، کشف الظنون میں حاجی خلیفہ نے شیخ ابن عربی (م ٦٣٨ھ) کی ایک اور کتاب کا ذکر کیا ہے، جس کا نام ''الریاض الفردوسیة فی الاحادیث القدسیة'' ہے (٣٣)، معلوم نہیں یہ دونوں ایک ہی کتاب کے دو نام ہیں یا الگ الگ دو کتابیں ہیں-

[٢] الاحادیث القدسیة الاربعینیة:

یہ ملا علی قاری کی تصنیف ہے، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ اس میں ٤٠ راحادیث قدسی جمع کی گئی ہیں- یہ کتاب بھی المطبعة العلمیة حلب سے ١٩٢٧ء میں شائع ہوئی-

[۳] الاتحاف السنية بالاحادیث القدسیة:

یہ امام عبدالرؤف المناوی کی تالیف ہے اور ۲۷۲/احادیث قدسیہ پر مشتمل ہے۔ اس کو امام مناوی نے دو ابواب پر جمع کیا ہے، پہلے باب میں وہ احادیث ہیں جن کی ابتدا "قال اللہ تعالٰی" سے ہوتی ہے، اور دوسرے باب میں وہ احادیث ہیں جن کا آغاز "قولہ تعالٰی" سے ہوتا ہے۔ یہ کتاب بیروت اور قاہرہ سے کئی مرتبہ شائع ہو چکی ہے، ہمارے پیش نظر نسخہ بیروت سے ۱۴۰۲ھ میں شائع ہوا ہے۔

[۴] الاتحافات السنية فی الاحادیث القدسیة:

یہ شیخ محمد محمود المدنی (م ۱۲۰۰ھ) کی تالیف ہے۔ اس میں مصنف نے امام سیوطی کی جمع الجوامع (الجامع الکبیر) کو بنیاد بنایا ہے اور ۸۵۸/احادیث قدسیہ جمع کی ہیں۔ اس کتاب کو تین ابواب پر ترتیب دیا گیا ہے، پہلے باب میں وہ احادیث ہیں جو "قال اللہ تعالٰی" سے شروع ہوئی ہیں، دوسرے باب میں وہ احادیث ہیں جن کی ابتداء "یقول اللہ" سے ہوئی ہے اور تیسرے باب میں وہ احادیث ہیں جن کے درمیان میں اللہ تعالٰی کا کوئی قول مذکور ہے۔ مصنف نے اس میں بکثرت مکررات درج کر دی ہیں جس کی وجہ احادیث قدسیہ کے الفاظ اور روایات کا اختلاف ہے، اسی وجہ سے اس کتاب میں احادیث قدسیہ کی تعداد ۸۵۸ تک پہنچ گئی ہے، ورنہ درحقیقت احادیث قدسیہ اس عدد سے بہت کم ہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس میں مصنف نے ضعیف بلکہ موضوع احادیث بھی درج کر دی ہیں، لیکن ایسی احادیث کے ساتھ مصنف نے ان کے موضوع یا ضعیف ہونے کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے۔ یہ کتاب مصر سے بھی طبع ہوئی ہے لیکن فی الوقت جو نسخہ ہمارے پیش نظر ہے وہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد سے ۱۳۲۳ھ میں شائع ہوا ہے۔ اس کے آخر میں کتاب کے مصحح قاضی محمد شریف الدین فاروقی کا چار صفحات کا ایک مضمون "الخاتمۃ فی شرح معنی الحدیث القدسی" کے نام سے درج ہے، جس میں حدیث قدسی کے اوپر مختصر مگر جامع بحث کی گئی ہے۔

[۵] الاحادیث القدسیة:

مصر کی المجلس الاعلیٰ للشؤن الاسلامیۃ کے ماتحت ادارے "لجنۃ القرآن

والحدیث'' نے یہ مجموعہ شائع کیا ہے۔ اس میں صحاح ستہ اور مؤطا امام مالک سے ۴۰۰/ احادیث قدسیہ جمع کی گئی ہیں- احادیث کی تعداد چار سو تک اس لیے پہنچ گئی، کیوں کہ اس میں بھی الفاظ حدیث کی مختلف روایات کو درج کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے- یہ مجموعہ ۱۳۸۹ھ میں المجلس الاعلیٰ کے زیر اہتمام قاہرہ سے شائع ہوا-

[۶] الاحادیث القدسیۃ الصحیحۃ و شرحھا:

یہ کتاب ڈاکٹر محمد محمد ناصر اور استاذ عبدالعزیز مصطفی کے اشتراک سے تالیف کی گئی ہے، اس میں صرف بخاری، مسلم اور ترمذی میں وارد صحیح احادیث قدسیہ کا التزام کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں تقریباً ۹۰/احادیث قدسیہ درج کی گئی ہیں۔ جگہ جگہ حدیثوں کے اختلاف روایات کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے، دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس میں ہر حدیث کے ساتھ فتح الباری، شرح مسلم للنووی اور تحفۃ الاحوذی وغیرہ سے حدیث کی شرح بھی درج کر دی گئی ہے- یہ کتاب ۴۲۸ صفحات پر مشتمل ہے اور دار التقویٰ قاہرہ سے سن ۲۰۰۰ء میں طبع ہوئی ہے-

[۷] الاربعون القدسیۃ:

یہ ڈاکٹر عزالدین ابراہیم اور نومسلم اسکالر عبدالودود (اسلام سے قبل کا نام ڈینس جانسن ڈیوس) کے اشتراک سے ترتیب دی گئی ہے- جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس میں ۴۰/احادیث قدسیہ جمع کی گئی ہیں، ایک صفحہ پر حدیث کا عربی متن ہے اور اس کے مقابل دوسرے صفحہ پر اس کا انگریزی ترجمہ- حسب ضرورت بعض جگہ حاشیہ میں بعض الفاظ کی تشریح بھی کر دی گئی ہے، مؤلفین نے عربی اور انگلش میں ایک وقیع مقدمہ بھی تحریر کیا ہے- اس بات کا اظہار نہ کرنا علمی خیانت ہوگی کہ ہم نے اس مقدمے سے بھرپور استفادہ کیا ہے، یہ کتاب ۱۹۷۹ء میں تالیف کی گئی اور ۱۹۸۰ء میں پہلی بار شائع ہوئی، ہمارے سامنے جو نسخہ ہے وہ دار القران الکریم بیروت سے ۱۹۹۹ء میں شیخ زاید بن سلطان آل نہیان (بادشاہ متحدہ عرب امارات) کے خرچ پر مفت تقسیم کرنے کے لیے شائع کیا گیا ہے، یہ کتاب کا دسواں ایڈیشن ہے-

[۸] الاحادیث القدسیۃ:

یہ استاذ مصطفی عاشور نے ترتیب دی ہے، اس میں ۶۰/احادیث قدسیہ جمع کی گئی ہیں، اس

کو استاذ مصطفی عاشور نے امام نووی کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن امام نووی کی تصنیفات کے ذیل میں ہم نے اب تک اس کتاب کا نام نہیں دیکھا، واللہ تعالیٰ اعلم- یہ کتاب قاہرہ سے ۱۳۹۷ھ میں شائع ہوئی-

[۹] مفتاح الکنوز و مصباح الرموز:

یہ شیخ محمد بن احمد بن محمد التبریزی کی تصنیف ہے، حاجی خلیفہ نے 'کشف الظنون' میں اس کا تذکرہ کیا ہے (۳۴)، اس میں ۴۰/ احادیث قدسیہ جمع کی گئی ہیں اور صوفیہ کے ذوق و منہج پر ان کی شرح کی گئی ہے، بقول صاحب کشف الظنون اس میں ''اسرار عرفانیہ اور علوم لدنیہ'' کی روشنی میں احادیث قدسیہ کی تشریح و توضیح کی گئی ہے-

اس کے علاوہ ڈاکٹر احمد الشرباصی کی کتاب ''ادب الاحادیث القدسیة'' اور ڈاکٹر شعبان محمد اسماعیل کی کتاب ''الاحادیث القدسیة و منزلتها فی التشریع'' بھی قابل ذکر اور قابل مطالعہ ہیں، لیکن فی الحال یہ دونوں کتابیں ہمارے پیش نظر نہیں ہیں- یہ صرف ان چند کتابوں کا سرسری جائزہ تھا جو ہمارے علم و مطالعہ میں آسکیں، ظاہر ہے کہ احادیث قدسیہ کے سلسلے میں یہ کوئی حتمی اور مکمل فہرست نہیں ہے-

اردو میں اب تک صرف دو کتابیں نظر سے گزریں، ایک مولانا احمد سعید دہلوی کی جو فی الوقت پیش نظر نہیں ہے، غالباً اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے- دوسری مولانا ابومسعود اظہر ندوی کی ''احادیث قدسیہ''، یہ مجموعہ عربی میں علما کی ایک کمیٹی نے ترتیب دیا تھا جس کو دارالکتب العلمیہ، بیروت نے شائع کیا تھا- ندوی صاحب نے اسی مجموعے کی ازسرنو ترتیب وتدوین کی ہے، ضخامت کم کرنے کے لیے اس میں عربی عبارت شامل نہیں کی گئی ہے، صرف احادیث کے اردو ترجمے پر اکتفا کیا گیا ہے- شروع میں ایک مقدمہ بھی ہے، جس میں احادیث قدسیہ پر بہت مختصر گفتگو کی گئی ہے، اس کے بعد صحاح ستہ کے مصنفین کے حالات درج کئے گئے ہیں- اس میں ۱۰۱/ احادیث قدسیہ ہیں جو صحاح ستہ اور مؤطا امام مالک سے ماخوذ ہیں- یہ کتاب مکتبہ اشاعت القرآن، دہلی سے ۲۰۰۳ء میں شائع ہوئی-

اب راقم السطور نے اپنی تمام تر نااہلی اور کم علمی کے باوجود ''احادیث قدسیہ'' کے نام سے

ایک مجموعہ مرتب کیا ہے- اس میں ۱۰۰؍احادیث قدسیہ جمع کی ہیں اور حتی الامکان اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے کہ اس میں کوئی ضعیف حدیث درج نہ کی جائے- عربی متن کے ساتھ آسان سلیس اردو ترجمہ بھی درج کیا گیا ہے اور حسب ضرورت مختصر تشریحی نوٹ بھی لگا دیے ہیں(☆)-

رب قدیر حدیث پاک کی اس ادنیٰ خدمت کو قبول فرمائے اور اس کو نافع و مقبول بنائے-

(ماہ نامہ جامِ نور، دہلی، نومبر ۲۰۰۸ء)

مراجع

(۱) سید شریف الجرجانی: التعریفات، ص:۴۵، الدار التونسیۃ لنشر تونس ۱۹۷۱ء

(۲) ملا علی قاری: الاحادیث القدسیۃ الاربعینیۃ، ص:۲، المطبعۃ العلمیۃ، حلب ۱۹۲۷ء

(۳) النجم ۳، ۴

(۴) سنن ابی داؤد: کتاب السنۃ، باب لزوم السنۃ

(۵) الخاتمۃ فی شرح معنی الحدیث القدسی مشمولہ الاتحاف السنیۃ للمدنی، ص:۲۳۶، دائرۃ المعارف النظامیۃ، حیدر آباد ۱۳۲۳ھ

(۶) الاربعون القدسیۃ، ص:۲۶، دار القران الکریم، بیروت ۱۹۹۹ء

(۷) الاحادیث القدسیۃ الاربعینیۃ، ص:۲، المطبعۃ العلمیۃ، حلب ۱۹۲۷ء

(۸) مسلم: کتاب الزھد و الرقائق، باب تحریم الریا

(۹) بخاری: کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ ویحذرکم اللہ نفسہ

(۱۰) بخاری: کتاب الرقاق، باب من ھم بحسنۃ أو سیئۃ

(۱۱) سنن ابی داؤد: کتاب الصلاۃ، باب الاذان فی السفر

(۱۲) مسلم: کتاب الایمان، باب دعاء الخیر لامتہ

(۱۳) مسلم: کتاب البر و الصلۃ و الآداب، باب النھی عن الشحناء و التھاجر

(۱۴) بخاری: کتاب الرقاق، باب صفۃ الجنۃ و النار

(۱۵) بخاری: کتاب الانبیا، باب خلق آدم و ذریتہ

(۱۶) مسلم: کتاب البر و الصلہ، باب تحریم الظلم

(۱۷) بخاری: کتاب التفسیر، باب قولہ تعالیٰ وکان عرشہ علی الماء

(۱۸) بخاری: کتاب التفسیر: سورۃ زمر، باب قول اللہ تعالیٰ والارض جمیعاً قبضتہ یوم القیامۃ

☆ ''احادیث قدسیہ'' نومبر ۲۰۰۸ء میں شائع ہوئی، اب تک ہندو پاک سے اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں-

(۱۹)بخاری: کتاب الایمان، باب تفاضل اھل الایمان فی الاعمال

(۲۰)بخاری: کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی قولہ تعالیٰ وھو الذی یبدأ الخلق ثم یعیدہ

(۲۱)ترمذی: کتاب الایمان، باب ماجاء فیمن یموت وھو یشھد ان لا الٰہ إلا اللہ

(۲۲)بخاری: کتاب الرقاق، باب صفۃ الجنۃ و النار

(۲۳)بخاری: کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ یریدون ان یبدلوا کلام اللہ

(۲۴)بخاری: کتاب مواقیت الصلاۃ، باب من ادرک رکعۃ من العصر قبل الغروب

(۲۵)بخاری: کتاب الصوم، باب ھل یقول إنی صائم اذا شُتِم

(۲۶)بخاری: کتاب المرضیٰ، باب فضل من ذھب بصرہ

(۲۷)مسلم: کتاب البر و الصلۃ، باب النھی عن تقنیط الانسان من رحمۃ اللہ تعالیٰ

(۲۸)بخاری، کتاب البیوع، باب اثم من باع حرا

(۲۹)ابو داؤد: کتاب البیوع، باب فی الشرکۃ

(۳۰)بخاری: کتاب الجنائز، باب یکرہ من النیاحۃ علی المیت

(۳۱)الفتوحات المکیہ، ج: ۴/ص: ۵۲۹، دار الکتب العربیۃ مصر

(۳۲) الف: الصغانی: الموضوعات، ج۱/ص ۴۳، دار المامون للتراث بیروت ۱۴۰۵ھ

ب: العجلونی: کشف الخفاء، ج ۲/ص ۲۹۲، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۰۵ھ

(۳۳)الکنانی: تنزیہ الشریعۃ، ج۱/ ۲۸۰، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۳۹۹ھ

(۳۴)ابن حجر الہیثمی: الفتح المبین، ص ۲۰۱، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۷۸ء

(۳۵)ڈاکٹر عز الدین ابراہیم: الاربعون القدسیۃ، ص ۳۰، دار القرآن الکریم بیروت ۱۹۹۹ء

(۳۶)حاجی خلیفہ: کشف الظنون، باب الراء، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹۳ء

(۳۷)مرجع سابق: ج ۲/ص ۱۰۳۸

❑❑❑

www.Qadri.info

قصیدۂ بانت سعاد: ایک مطالعہ

مذہبی اور ادبی دونوں حلقوں میں حضرت کعب بن زہیر کا قصیدۂ لامیہ موسومہ بہ ’’بانت سعاد‘‘ یکساں اہمیت اور مقبولیت رکھتا ہے- اس کی دینی اور مذہبی اہمیت تو اس وجہ سے ہے کہ اس کو شاعر نے بارگاہ رسالت میں پیش کیا اور حضور رسالت مآب ﷺ نے اس کو سماعت فرما کر پسندیدگی کا اظہار فرمایا- ادبی اہمیت کے لیے اس کے شاعر حضرت کعب بن زہیر کا نام ہی کافی ہے- حضرت کعب کا شمار یوں تو عرب کے مایہ ناز شعرا میں ہوتا ہی ہے، لیکن اس قصیدے میں ان کا فن، قدرت کلام اور ندرت خیال اپنے اوج کمال پر نظر آتی ہے- یہی وجہ ہے کے ابتدا ہی سے یہ قصیدہ علما اور ادبا دونوں کی توجہ کا مرکز رہا اور اہل علم نے اس کے ساتھ خاص اعتنا برتا- زیر نظر مقالے میں ہم اس قصیدے کی اسی اہمیت اور مقبولیت پر مختلف گوشوں سے روشنی ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں-

کعب بن زہیر کا تعارف:

کعب بن زہیر کا شمار ان شعرا میں ہوتا ہے جنہوں نے زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں کو پایا اور مشرف بہ اسلام ہوئے، ایسے شعرا کو اصطلاح میں ’مخضرم‘ کہتے ہیں- حضرت کعب کے گھرانے کا یہ عجیب امتیاز ہے کہ ان کے گھرانے کے کئی افراد شاعر ہیں، آپ کے دادا ابو سلمیٰ شاعر تھے، آپ کے والد زہیر بن ابی سلمیٰ زمانہ ماقبل اسلام کے سر برآوردہ شعرا میں سے تھے، ان کو ’اصحاب معلقات‘ میں ایک نمایاں مقام و مرتبہ حاصل ہے- زہیر کی دونوں بہنیں (حضرت کعب کی پھوپھیاں) سلمیٰ اور خنسا کا شمار عرب کی مایہ ناز شاعرات میں ہوتا ہے، آپ کے بھائی حضرت بجیر بن زہیر بھی شاعر تھے- آپ کے صاحبزادے عقبہ بن کعب اور پوتے عوام بن

www.Qadri.info

عقبہ بھی اپنے زمانے کے قابل ذکر شعرا میں ہیں۔

تمام ناقدین نے حضرت کعب کو صف اول کے نازک خیال، پر گو اور صاحب طرز شعرا میں شمار کیا ہے، حافظ ابن عبدالبر (وفات: ۴۶۳ھ) ابوعمر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

قال ابو عمر کان کعب بن زهير شاعراً مجوداً کثير الشعر، مقدماً فی طبقته هو واخوه بجير وکعب اشعرهما وابو هما زهير فوقهما۔[۱]

ترجمہ: ابوعمر نے کہا کہ کعب بن زہیر عمدہ اور کثیر گو شاعر تھے، وہ اور ان کے بھائی بجیر اپنے طبقے میں نمایاں ہیں، لیکن کعب، بجیر سے بڑے شاعر ہیں اور ان کے والد زہیر ان دونوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔

حافظ ابن عبدالبر نے مشہور ناقد خلف الاحمر کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ''اگر زہیر کے بعض قصائد نہ ہوتے تو میں ان کو ہرگز ان کے بیٹے کعب پر فوقیت نہ دیتا۔''[۲]

حضرت کعب کی شاعری کے بارے میں مشہور ناقد وادیب احمد حسن زیات لکھتے ہیں:

''وہ (کعب) شاعری کی نگری میں داخل ہو کر اس کے متفرق کوچوں میں پھرے اور نہایت عمدہ وپسندیدہ اور پر زور شاعری کرنے لگے، اگر ان کی شاعری کے الفاظ میں غرابت، تراکیب میں پے چیدگی اور مطولات میں خامیاں نہ ہوتی (جن عیوب سے ان کے باپ کی شاعری پاک ہے) تو وہ شاعری میں تقریباً اپنے باپ کے ہم پلہ ہو جاتے، شاعری میں کعب کی قدر ومنزلت کا اس بات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حطیہ جو مشہور شاعروں میں سے ہے کعب سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اس کو مشہور کرنے کے لیے اپنی شاعری میں اس کا تذکرہ کر دیں۔''[۳]

ڈاکٹر سید ابوالفضل 'تاریخ ادبیات عربی' میں لکھتے ہیں:

''(کعب بن زہیر) اپنے عہد کے ممتاز شعرا میں سے ہیں، تشبیہات واستعارات کی نزاکت پر انہیں بڑی قدرت حاصل تھی، کلام تعقید سے خالی نہیں۔''[۴]

ڈاکٹر عمر فروخ 'تاریخ الادب العربی' میں لکھتے ہیں:

کان کعب بن زهير شاعراً فحلاً مکثراً مجيداً، ومنهم من قارنه بأبيه،

www.Qadri.info

وجعله مع لبيد والنابغة في طبقة واحدة[۵]

ترجمہ: کعب بن زہیر کا شمار سر برآوردہ، کثیر گو اور بہترین شعرا میں ہوتا ہے۔ بعض ناقدین نے ان کا موازنہ ان کے والد (زہیر بن ابی سلمٰی) سے کیا ہے اور ان کو لبید اور نابغہ ذبیانی کے طبقے میں شمار کیا ہے۔

ناقدین ادب نے حضرت کعب کے جن اشعار کو ان کے بہترین اشعار میں شمار کیا ہے، ان میں مندرجہ ذیل اشعار بھی شامل ہیں:

لو كنت اعجب من شئی لاعجبنی
سعي الفتى وهو مخبوء له القدر
يسعى الفتى لامور ليس يدركها
فالنفس واحدة والهم منتشر
والمرء ما عاش ممدود له امل
لا تنتهى العين حتى تنتهى الاثر

ترجمہ: اگر مجھے کسی بات پر تعجب ہوتا تو جوان کی جدوجہد پر ضرور تعجب ہوتا، حالانکہ اس کی قسمت میں جو لکھا ہے وہ پوشیدہ ہے۔

جوان ایسی چیزوں کے لیے جدوجہد کرتا ہے جنہیں وہ پاتا نہیں ہے، الغرض جان تو ایک ہی ہے البتہ ارادے اور حوصلے مختلف ہیں۔

آدمی جب تک زندہ رہتا ہے اس کی امید دراز رہتی ہے، نشان مٹنے تک آنکھ تو رکتی نہیں۔

حضرت کعب بن زہیر غزوہ حنین کے بعد سنہ ۸ھ میں مشرف بہ اسلام ہوئے، حضرت حسان بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن رواحہ وغیرہ کے ساتھ شعرائے دربار رسالت کے اعزاز سے مفتخر ہوئے اور ۲۴ ہجری میں وفات ہوئی۔

قصیدۂ بانت سعاد کی پیش کش اور اس کا پس منظر:

حضرت کعب اسلام لانے سے قبل اپنے اشعار میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو کیا کرتے

www.Qadri.info

تھے اور اپنے قصیدوں کی تشبیب میں مسلمان عورتوں کا تذکرہ کرتے تھے، جس سے مسلمانوں کو ذہنی اور قلبی اذیت ہوتی تھی- آپ کے بھائی حضرت بجیر پہلے ہی اسلام لا چکے تھے، انہوں نے حضرت کعب کو خط لکھا کہ جو شعرا حضور اکرم ﷺ کو ایذا پہنچاتے تھے اور آپ کی ہجو لکھتے تھے، وہ قتل کر دیے گئے اور جو بچ گئے وہ دور دراز علاقوں میں جان بچا کر بھاگ گئے ہیں، لہٰذا تم فوراً حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ، جو بھی ان کی بارگاہ میں تائب ہو کر آتا ہے وہ اس کو معاف فرما دیتے ہیں، اگر تم یہاں آنے کو تیار نہیں ہو تو پھر کوئی جائے امان تلاش کر لو- جب حضرت بجیر کا یہ پیغام کعب کو ملا تو انہوں نے اپنے بھائی بجیر کو کچھ اشعار لکھ کر بھیجے جس میں بجیر کو دین اسلام ترک کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی، حضرت بجیر نے یہ اشعار حضور اکرم ﷺ کو دکھائے اور ان کے جواب میں چند اشعار کعب کو لکھ بھیجے- یہ اشعار پڑھ کر کعب خوف زدہ ہو گئے اور انہوں نے حضور کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کا ارادہ کر لیا-

حضرت کعب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، امان طلب کی، اپنی تقصیروں کی معافی چاہی اور حضور کے دست مبارک میں ہاتھ دے کر مشرف بہ اسلام ہو گئے- آپ نے عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ میں نے ایک قصیدہ نظم کیا ہے، اس کو پیش کرنے اجازت چاہتا ہوں''، آپ نے اجازت مرحمت فرمائی - چنانچہ حضرت کعب نے اپنا قصیدۂ لامیہ پڑھنا شروع کیا، اس وقت مسجد نبوی میں کثیر تعداد میں حضرات مہاجرین وانصار موجود تھے، حضور رسالت مآب آپ کے اس قصیدے سے محظوظ ہوئے، پسند فرمایا اور قصیدے کے اختتام پر اپنی مبارک چادر حضرت کعب کو عطا فرما دی- گویا بارگاہ رسالت میں یہ اس قصیدے کی قبولیت کی سند ہو گئی- یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضور اکرم ﷺ غزوۂ طائف سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تھے-

یہ نہایت اختصار واجمال کے ساتھ قصیدۂ بانت سعاد کا پس منظر اور پیش کش وقبولیت کا واقعہ ہے- اس واقعے کو ابن اسحاق نے مغازی میں، ابن ہشام المعافری (وفات: ۲۱۳ھ) نے سیرت میں [۶] امام حاکم (وفات: ۴۰۵ھ) نے مستدرک میں [۷] امام بیہقی (وفات: ۴۵۸ھ) نے دلائل النبوۃ میں [۸] امام طبرانی (وفات: ۳۶۰ھ) نے المعجم الکبیر میں [۹] اور ابونعیم (وفات: ۴۳۰ھ) نے معرفۃ الصحابہ میں [۱۰] کسی نے اختصار اور کسی نے تفصیل سے

www.Qadri.info

روایت کیا ہے-ان روایتوں میں بیان کردہ واقعے کی جزئیات میں اختلاف ہوسکتا ہے، مگر من جملہ تمام روایتوں کا خلاصہ اورلب لباب وہی ہے جو ہم نے اوپر اجمالاً بیان کیا-

پھرانہی کتب کے حوالے سے اس واقعے کو حافظ ابن حجر (وفات ۸۵۲ھ) نے 'الاصابہ' میں [۱۱] ابن الاثیر (وفات: ۶۳۰ھ) نے اسد الغابۃ میں [۱۲] حافظ ابن کثیر (وفات: ۷۷۴ھ) نے البدایہ والنہایہ میں [۱۳] حافظ ابن عبدالبر (وفات: ۴۶۳ھ) نے الاستیعاب میں [۱۴] امام قسطلانی (وفات: ۹۲۳ھ) نے المواہب اللدنیہ میں [۱۵] اورابن قتیبہ (وفات: ۲۷۶ھ) نے الشعر والشعرا میں [۱۶] نقل کیا ہے- یہاں ہم نے صرف چند اہم اور بنیادی کتابوں کے حوالوں اورذکر پر اکتفا کیا ہے ورنہ سیرت طیبہ، احوال صحابہ اور تاریخ ادب عربی پر لکھی جانے والی عربی اوراردو کی شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہوجس میں اجمال یا تفصیل کے ساتھ قصیدۂ بانت سعاد، اس کے شاعر اوراس کو پیش کیے جانے کا واقعہ نہ لکھا گیا ہو-

واقعے کی تفصیلات:

گزشتہ سطور میں ہم نے قصیدے کے پس منظر کا اجمالی خاکہ پیش کیا تھا، اب ہم اس واقعے اوراس کے متعلقات کا قدرے تفصیلی تذکرہ کریں گے تاکہ واقعے کی تمام جزئیات و تفصیلات روشنی میں آسکیں-

امام حاکم اورامام بیہقی اپنی اپنی سندوں سے ابراہیم بن منذر سے روایت کرتے ہیں، وہ حضرت کعب کے پرپوتے حجاج سے روایت کرتے ہیں، وہ اپنے والد ذی الرقیبہ سے وہ اپنے والد عبدالرحمن بن کعب بن زہیر سے روایت کرتے ہیں کہ:

خرج کعب و بجیر ابنا زهیر حتی اتیا ابرق العراف ،فقال بجیر لکعب اثبت فی عجل هٰذا المکان حتی آتی هٰذا الرجل یعنی رسول الله ﷺ فاسمع ما یقول ، فثبت کعب وخرج بجیر ، فجاء رسول الله ﷺ فعرض علیه الاسلام ،فأسلم وبلغ ذلک کعباً فقال:

الا ابلغا عني بجیراً رسالة

علی ای شئ غیر ذلک دلکا

علی خلق لم تلف اماً ولا اباً
علیه ولم تدرک علیه اباً لکا
سقاک ابو بکر بکأس رویة
وأنهلک المأمون منها وعلکا[۱۷]

زہیر کے دونوں بیٹے کعب اور بجیر روانہ ہوئے یہاں تک کہ وہ 'ابرق العراف' تک پہنچ گئے، بجیر نے کعب سے کہا کہ تم اسی جگہ ٹھہرو میں اُس شخص (یعنی حضور اکرم ﷺ) کے پاس جاتا ہوں تا کہ ان کا کلام سنوں کہ وہ کیا کہتے ہیں، چنانچہ کعب وہیں ٹھہر گئے اور بجیر روانہ ہو گئے، یہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور اکرم ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی، تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا- جب یہ خبر کعب کو ملی تو انہوں نے یہ اشعار کہے:

(ترجمہ اشعار) میری طرف سے بجیر کو پیغام پہنچا دو کہ اس (دین) کے علاوہ دوسرے وطیرہٗ دین پر تجھے کس نے ہدایت دی؟ ایسے وطیرے پر جس پر تو نے نہ اپنی ماں کو پایا نہ اپنے باپ کو پایا، ابو بکر نے تجھے خوب سیراب کر کے پلایا، پھر مامون (یعنی حضور ﷺ) نے تجھے پہلی بار پلایا پھر دوسری بار پلایا-

امام حاکم اور بیہقی آگے فرماتے ہیں کہ جب یہ اشعار حضور اکرم ﷺ تک پہنچے تو آپ نے ان کا خون حلال کر دیا اور فرمایا کہ جس کو بھی کعب مل جائے وہ اسے قتل کر دے- ان کے بھائی بجیر نے یہ بات کعب کو لکھ بھیجی کہ حضور اکرم ﷺ نے تمہارا خون مباح کر دیا ہے، مزید یہ بھی لکھا کہ:

اعلم ان رسول اللہ ﷺ لا یأتیه احدیشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله الا قبل ذلک منه واسقط ما کان قبل ذلک فاذا جاءک کتابي هذا فاسلم واقبل -فاسلم کعب وقال القصیدة التي یمدح فیها رسول اللہ ﷺ[۱۸]

ترجمہ: (اے کعب) جان لو کہ جو بھی حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں کلمہ شہادت پڑھتا ہوا حاضر ہوتا ہے وہ اس کو قبول فرماتے ہیں، اور اس کے ماقبل کے تمام

جرموں سے درگذر فرماتے ہیں۔لہٰذا جیسے ہی تمہیں میرا یہ خط ملے تو فوراً اسلام قبول کرلو اور آجاؤ۔(چنانچہ) کعب اسلام لے آئے اور انہوں نے وہ قصیدہ کہا جس میں انہوں نے رسول اللہ کی مدح کی ہے۔

اس کے بعد امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت کعب کے مدینہ منورہ آنے کا واقعہ ذکر کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت کعب نے مدینے کا سفر کیا، جب وہ مدینے پہنچے تو اپنا اونٹ مسجد نبوی کے دروازے پر روکا اور مسجد میں داخل ہوئے، حضور اکرم ﷺ مسجد نبوی میں اپنے اصحاب کرام کے ساتھ جلوہ گر تھے، لوگ آپ کے گرد حلقہ لگا کر بیٹھے ہوئے تھے، آپ کبھی ایک طرف کے لوگوں کی جانب ملتفت ہوتے اور ان سے کلام فرماتے، کبھی دوسری جانب کے لوگوں کی طرف التفات فرماتے اور ان سے گفتگو فرماتے۔کعب کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو پہچان لیا، میں ان کی جانب بڑھا اور ان کے قریب بیٹھ گیا۔میں نے سلام عرض کر کے کلمہ شہادت پڑھا اور عرض کیا کہ ''یارسول اللہ مجھے امان عطا فرمایئے۔'' آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''تم کون ہو''، میں نے عرض کیا کہ ''یارسول اللہ میں کعب بن زہیر ہوں'' یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا ''وہی جو (شعر) کہتا ہے؟''۔پھر حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ کیسے شعر کہتا ہے، تو حضرت ابوبکر نے کعب کا یہ شعر پڑھا:

سقاک ابو بکر بکأ س روية

وأنهلک المأمون منها وعلكا

حضرت کعب نے عرض کیا ''یارسول اللہ میں نے یہ نہیں کہا ہے''، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ''تو پھر تم نے کیا کہا ہے؟'' کعب نے عرض کیا کہ میں نے تو یوں کہا ہے:

سقاک ابو بکر بکأ س روية

وأنهلک المأمور منها وعلكا

یعنی لفظ ''مامون'' کی بجائے ''مامور'' نظم کیا ہے۔حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''بے شک میں مامور ہی ہوں''۔پھر حضرت کعب نے اپنا مکمل قصیدہ سنایا۔[۱۹]

امام حاکم اور بیہقی کی روایتوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ امام حاکم کے مطابق حضرت کعب

نے پہلے ''انھلک المامور '' کہا تھا، جب حضور نے پوچھا تو آپ نے 'انھلک المامون '
کردیا، یہ سن کر حضور نے ارشاد فرمایا ''یقیناً میں مامون ہوں''۔[۲۰]

اس کے بعد امام بیہقی نے قصیدے کا مطلع اور چند اشعار درج کرنے پر اکتفا کیا ہے، جب کہ امام حاکم نے قصیدے کے ۵۱ رشعر درج کیے ہیں۔

شعر میں اگر لفظ ''المامور '' ہو تو اس میں ہجو کا پہلو کیسے پیدا ہوتا ہے، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مفتی عنایت احمد کاکوروی نے لکھا ہے:

''مامور محاورے میں اس شخص کو کہتے ہیں جسے جن سے رابطہ ہو اور جن کا امر اسے پہنچے، یہ کنایہ کیا تھا اس نے آنحضرت سے۔''[۲۱]

آپ نے پڑھا کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کے سامنے کعب کا شعر دہرایا تو فوراً کعب نے اپنے شعر میں ترمیم کرلی، مفتی عنایت احمد کاکوروی نے لکھا ہے:

''اس نے براہ ذہانت دو حرف اس شعر میں ایسے بدل دیے جن سے یہ شعر ہجو کا نہ رہا بلکہ مدح کا ہوگیا۔ کہا میں نے یہ ردیة ('دال' سے) نہیں کہا ہے بلکہ 'واؤ' سے رویة کہا ہے بمعنی خوش گوار اور مامور نہیں کہا ہے بلکہ مامون کہا ہے، یعنی وہ شخص کہ امانت دار ہیں خدا کی وحی میں۔''[۲۲]

مفتی صاحب کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شعر کے پہلے مصرع میں ''بکأس ردیة'' تھا، بعد میں حضور کے استفسار پر حضرت کعب نے ''بکأس رویة'' کردیا۔ لیکن اب تک جتنی روایات ہمارے محدود مطالعے میں آئی ہیں ان میں اس بات کی طرف اشارہ نہیں ہے۔

ابن ہشام نے ابن اسحاق کے حوالے سے جو روایت نقل کی ہے وہ حاکم اور بیہقی کی مذکورہ روایت سے قدرے مختلف ہے، لکھتے ہیں:

ولما قدم رسول اللہ ﷺ من منصرفه عن الطائف کتب بجیر بن زھیر بن ابی سلمی الی اخیه کعب بن زھیر یخبره أن رسول اللہ ﷺ قتل رجالاً بمکة ممن کان یھجوه ویؤ ذیه، وأن من بقی من شعراء قریش ابن

الزبعري وهبيرة ابن ابی وهب قد هربوا فی کل وجہ، فان کانت لک في نفسک حاجة فطر الی رسول اللہ ﷺ فانہ لا یقتل احداً جاءہ تائباً وان انت لم تفعل فانج الی نجائک من الأرض -[۲۳]

ترجمہ: جب رسول اکرم ﷺ طائف سے واپس (مدینہ منورہ) تشریف لائے، تو بجیر بن زہیر بن ابی سلمٰی نے اپنے بھائی کعب بن زہیر کو خط لکھ کر خبر دی کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی ہجو کرتے تھے اور آپ ﷺ کو ایذا پہنچاتے تھے ان میں سے بعض کو مکہ میں قتل کر دیا گیا ہے-قریش کے جو شعرا مثلاً ابن زبعری اور ہبیرہ بن وہب وغیرہ بچ گئے تھے وہ بھاگ نکلے- لہٰذا اگر تمہیں اپنی جان بچانے کی فکر ہے تو فوراً رسول اللہ ﷺ کی طرف دوڑو، اس لیے کہ جو بھی ان کے پاس تائب و نادم ہو کر آتا ہے وہ اس کو قتل نہیں کرتے اور اگر تم یہ نہیں کر سکتے تو پھر اپنی نجات کے لیے زمین میں کوئی جگہ تلاش کر لو-

اپنے بھائی بجیر بن زہیر کے اس مخلصانہ اور دردمندانہ مشورے پر عمل کرنے کی بجائے کعب بن زہیر نے اس خط کے جواب میں چند شعر لکھ کر اپنے بھائی کو روانہ کر دیے-

کعب کہتے ہیں:

الا ابلغا عني بجيراً رسالة

فھل لک فیما قلت ویحک ھل لکا

ترجمہ: میری جانب سے بجیر تک یہ پیغام پہنچا دو (اے بجیر) تیرا برا ہو جو کچھ تو نے (اشعار کی صورت میں) کہا ہے، کیا واقعی وہ تیرا ہی قول ہے؟

فبين لنا ان كنت لست بفاعل

على اى شئ غير ذلک دلكا

ترجمہ: تو ہمیں وضاحت سے بیان کر اگر تو ایسا کرنے والا نہیں ہے (یعنی اپنے دین پر رہنے والا نہیں ہے) کہ اس دین کے علاوہ کس چیز کی جانب انہوں نے تیری رہنمائی کی؟

علی خلق لم الف یوماً ابا له

علیه وما تلفی علیه اباً لکا

ترجمہ: ایک ایسے وطیرے کی جانب (تیری رہنمائی کی گئی) کہ نہ مَیں نے اس کے باپ کو اس پر پایا اور نہ تو نے اپنے باپ کو اس پر (عمل کرتے ہوئے) پایا۔

فان انت لم تفعل فلست بآسف

ولا قائل اما عثرت لعا لکا

ترجمہ: اگر تو ایسا نہیں کرتا (یعنی اپنے پرانے دین پر رہنا نہیں چاہتا) تو مَیں اس پر افسردہ نہیں ہوں اور نہ ہی (تجھ سے اس سلسلے میں اب) کچھ کہنے والا ہوں، اب اگر تو ٹھوکر کھائے تو اللہ تیری ٹھوکر کو معاف کرے۔

سقاک بها المامون کأساً روية

فأنهلک المأمون منها وعلکا

ترجمہ: مامون (یعنی حضور اکرم ﷺ) نے تجھے اس (دین) کا پیالہ خوب سیراب کر کے پلایا اور اس پیالے سے بار بار پلایا ہے۔

ابن ہشام نے ان اشعار کی ایک روایت اور نقل کی ہے، جس میں مجموعی طور پر اشعار کا مفہوم وہی ہے جو مذکورہ بالا اشعار میں ہے، اشعار کی ترتیب اور بعض جگہ الفاظ میں اختلاف ہے۔

اس کے بعد ابن ہشام لکھتے ہیں:

وبعث بها الی بجیر فلما اتت بجیر کره ان یکتمها رسول الله ﷺ فأنشده ایاها فقال رسول الله ﷺ لما سمع "سقاک بها المامون" صدق وانه لکذوب أنا المامون ولما سمع "علی خلق لم تلف اماً ولا اباً علیه" قال اجل لم یلف علیه اباه ولا امه [۲۴]

ترجمہ: (کعب نے) یہ اشعار بجیر کے پاس بھیجے، جب یہ اشعار بجیر کے پاس آئے تو انہوں نے ان کو حضور اکرم ﷺ سے چھپانا مناسب نہیں سمجھا اور یہ اشعار حضور اکرم ﷺ کو سنا دیے، جب آپ نے یہ سنا کہ "اے بجیر تجھے امانت

والے نے پیالہ پلا دیا ہے'' تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس (کعب) نے درست کہا اگرچہ وہ جھوٹا ہے، بے شک میں امانت والا ہوں، جب آپ نے یہ سنا کہ ''ایسے دین پر جس پر تو نے اپنے ماں باپ کو نہ پایا'' تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''یقیناً اس نے اپنے ماں باپ کو اس دین پر نہ پایا۔''

ابن ہشام لکھتے ہیں کہ کعب کے ان اشعار کے جواب میں بجیر نے ان کو یہ اشعار لکھ کر بھیجے:

من مبلغ کعباً فهل لک في التي

تلوم عليها باطلاً وهي احزم

الی الله لا العزی ولا اللات وحده

فتنجو اذا كان النجاء وتسلم

ترجمہ: کون ہے جو کعب تک یہ بات پہنچا دے کہ (اے کعب) تو جس (دین) پر (مجھے) ملامت کر رہا ہے کیا اس میں کوئی غلط بات ہے؟ حالاں کہ وہ ہی واحد (دین) ہے جو اللہ کی طرف (نہ کہ لات وعزی کی جانب) لے جانے کا نہایت پختہ (اور مضبوط راستہ) ہے۔ پس تو بھی (اسی راستے کو اختیار کر کے) نجات اور سلامتی حاصل کر سکتا ہے۔

لدی یوم لا ینجو ولیس بمفلت

من الناس الا طاهر القلب مسلم

ترجمہ: (تو نجات وسلامتی حاصل کر سکتا ہے) اس دن جس دن لوگوں میں سے صرف پاکیزہ قلب مسلمان ہی نجات یافتہ اور بچ کر نکلنے والا ہوگا۔

فدين زهير وهو لا شئ دينه

ودين ابي سلمی علي محرم

ترجمہ: پس زہیر (ہم دونوں کے والد) کا دین بھی کوئی دین ہے اور (ہم دونوں کے دادا) ابو سلمٰی کا دین مجھ پر حرام ہے۔

ابن اسحاق کی روایت کے حوالے سے ابن ہشام آگے لکھتے ہیں:

ابن اسحاق نے کہا کہ جب بجیر کا خط کعب کو ملا تو ان پر زمین تنگ ہوگئی، ان کو اپنی جان کا خطرہ ہوگیا، ان کے جو دشمن وہاں حاضر تھے انہوں نے ان کے بارے میں بری خبریں پھیلا دیں اور کہنے لگے کہ یہ یقیناً اب قتل کیا جائے گا- جب ان کے لیے کوئی چارہ کار باقی نہ رہا تو بالآخر انہوں نے وہ قصیدہ نظم کیا جس میں حضور اکرم ﷺ کی مدح وثنا کی ہے، اس قصیدے میں انہوں نے اپنے خوف اور دشمنوں کے افواہیں پھیلانے کا ذکر کیا ہے- پھر وہ روانہ ہوئے اور مدینے پہنچے، قبیلہ جہینہ کے ایک شخص سے ان کی جان پہچان تھی اس کے یہاں فروکش ہوئے، پھر صبح حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، اس وقت حضور ﷺ فجر کی نماز ادا فرما رہے تھے، کعب نے بھی آپ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی- پھر لوگوں نے حضور کی طرف اشارہ کر کے انہیں بتایا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، ان کے پاس جاؤ اور امان طلب کرو-

(ابن اسحاق کہتے ہیں کہ) مجھ سے بیان کیا گیا کہ کعب حضور کی طرف بڑھے اور حضور کے قریب بیٹھ گئے اور اپنا ہاتھ حضور ﷺ کے ہاتھ میں دے دیا- حضور ﷺ بظاہر ان کو پہچانتے نہ تھے، انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ کعب بن زہیر تائب اور مسلمان ہو کر آپ کی بارگاہ میں آنا چاہتا ہے اگر مَیں اس کو لے آؤں تو کیا آپ اس کو قبول فرمالیں گے؟ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''ہاں''، (یہ سن کر) کعب نے کہا کہ مَیں ہی کعب بن زہیر ہوں-

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھ سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے روایت کی کہ (جب کعب نے اپنا تعارف کروایا تو) انصار میں سے ایک صحابی ان کی طرف جھپٹے اور عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجیے کہ مَیں اس اللہ کے دشمن کا سر قلم کردوں''، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اس کو چھوڑ دو، کیوں کہ یہ توبہ کر کے اور اپنی پرانی روش کو ترک کر کے آیا ہے''- اس کے بعد حضرت کعب نے بارگاہ رسالت میں اپنا قصیدہ پیش کیا-[۲۵]

روایات کا فنی جائزہ:

یہاں اس بات کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ گزشتہ سطور میں اس قصیدے کے سبب نظم اور پیش کش کے سلسلے میں جو روایات پیش کی گئیں، فنی اعتبار سے ان میں سے کوئی روایت علت و ضعف سے خالی نہیں ہے- ابن ہشام نے ابن اسحاق کی جو روایت ذکر کی ہے وہ منقطع ہے-

حاکم اور بیہقی کی جو روایت ہم نے ابتدا میں ذکر کی ہے وہ ابراہیم بن منذر حزامی سے مروی ہے، وہ حضرت کعب کے پر پوتے حجاج سے روایت کرتے ہیں، وہ اپنے والد ذی الرقیبہ سے وہ اپنے والد عبدالرحمن بن کعب سے- اس پر یہ نقد کیا جاسکتا ہے کہ حجاج، ان کے والد ذوالرقیبہ اور ان کے والد عبدالرحمن تینوں مجہول ہیں-

ابراہیم بن منذر حزامی کی دوسری سند بھی ہے، وہ روایت کرتے ہیں معن بن عیسیٰ سے، وہ محمد عبدالرحمن الاوقص سے، وہ علی بن زید بن جدعان سے- حاکم، بیہقی اور ابن ہشام نے اس طریق سے بھی یہ قصہ روایت کیا ہے- اس پر یہ نقد کیا جاسکتا ہے کہ محمد بن عبدالرحمن الاوقص کو ناقدین نے ضعیف قرار دیا ہے، علی بن زید بن جدعان اولاً تو خود ضعیف ہیں اور پھر وہ اس کو متصلاً نہیں بلکہ مرسلاً روایت کر رہے ہیں-

ابراہیم بن منذر کی تیسری روایت محمد بن فلیح سے ہے جو موسیٰ بن عقبہ سے روایت کرتے ہیں، اس کو حاکم نے ذکر کیا ہے، اس میں کہا جاسکتا ہے کہ اگر چہ موسیٰ بن عقبہ ثقہ ہیں مگر ان کا شمار صغار تابعین میں ہوتا ہے، وہ عموماً تابعین سے روایت کرتے ہیں، اس لیے یہ روایت معضل یا مرسل ہے- اس کی ایک روایت زبیر بن بکار سے ہے، وہ بعض اہل مدینہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے حضرت یحییٰ بن سعید انصاری سے، انہوں نے اپنے والد حضرت سعید بن مسیب سے روایت کی ہے- اس طریق سے ابن قانع نے معجم صحابہ میں روایت کی ہے، حافظ ابن حجر نے بھی انہیں کے حوالے سے اصابہ میں روایت نقل کی ہے (حوالہ آگے آرہا ہے)- اس پر یہ نقد ہوسکتا ہے کہ یہ ''بعض اہل مدینہ'' کون ہیں؟ ان کا نام معلوم نہیں- پھر حضرت سعید بن مسیب تابعی ہیں، وہ اس کو مرسلاً روایت کر رہے ہیں-

خلاصہ یہ کہ اس قصے کی جتنی روایتیں ہیں ان میں سے تقریباً ہر ایک میں کوئی نہ کوئی علت ضعف موجود ہے-

ہمارے ناقص خیال میں یہاں دو امور قابل توجہ ہیں:

الف: کبار محدثین اور علما کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب معاملہ باب عقائد یا حلال و حرام کا ہو تو ان کا معیار رد و قبول سخت ہوتا ہے اور اگر فضائل اعمال، سیر و مغازی اور عام تاریخی واقعات

www.Qadri.info

کی روایت ہوتو ان امور کے ردوقبول میں وہ سختی اور شدید احتیاط بروئے کار نہیں لاتے جو عقائد اور حلت وحرمت کے باب میں برتی جاتی ہے-اسی لیے سیرت ومغازی اور تاریخی واقعات کے سلسلے میں ایسی روایات بھی کسی نہ کسی درجے میں قابل قبول ہوتی ہیں جن میں کچھ ضعف ہو-

زیر بحث روایات سے نہ کوئی عقیدہ ثابت کیا جارہا ہے، نہ ہی حلت وحرمت کے سلسلے میں کسی مسئلے کا استنباط کیا جارہا ہے اور نہ ہی ان میں ایسی کوئی بات ہے جو عقل وشرع کے مخالف ہو، یہ سیرت طیبہ کا ایک واقعہ ہے، جس سے زیادہ سے زیادہ حضرت کعب کے اس قصیدے کی قدر ومنزلت ثابت ہورہی ہے-لہٰذا اگر کسی وجہ سے روایت ضعیف بھی ہوتو اس کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے-

ب: دوسری بات یہ کہ ان روایات کی اسناد پر فنی اعتبار سے جو نقد کیے گئے وہ ایسے نہیں ہیں کہ ان کی بنیاد پر ان روایات کو موضوع اور واہی قرار دے دیا جائے-ان میں کوئی راوی ایسا نہیں ہے جو کذب یا وضع سے متہم ہو-یہ روایات ضعیف ضرور ہیں، مگر اس درجے کا ضعف شدید ان میں نہیں ہے کہ اس قسم کے معاملات میں بھی قابل قبول نہ ہوں-

الغرض عام تاریخی واقعات، ادبی شہ پاروں اور فضائل ومغازی کے لیے بھی اگر بخاری ومسلم کے شرائط کی ضد پکڑ لی جائے تو نہ صرف یہ کہ تاریخ نویسی کا قافیہ تنگ ہوجائے گا بلکہ یہ سلف کے معروف ومختار موقف ومنہج سے انحراف بھی ہوگا-

حضور اکرم ﷺ کا اصلاح فرمانا:

اس قصیدے کے سلسلے میں یہ بات بہت مشہور ہے کہ جب حضرت کعب نے یہ شعر پڑھا:

ان الرسول لسیف یستضاء به

مهند من سیوف الهند مسلول

تو حضور اکرم ﷺ نے اس میں اصلاح فرماتے ہوئے بجائے **"سیوف الهند"** کے **"سیوف الله"** کر دیا-یہ بات ابن ہشام اور شیخ باجوری سمیت بعض شارحین قصیدہ نے لکھی ہے، لیکن اولاً تو ان دونوں حضرات نے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا، دوسرے یہ کہ انہوں نے اس کو "رُوِيَ" اور "یُروی" جیسے صیغوں کے ساتھ بیان کیا ہے، اہل علم جانتے ہیں کہ اس قسم کے

www.Qadri.info

مجہول صیغے عموماً مرجوح روایتوں کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جن متقدمین محدثین ومؤرخین نے اپنی سند کے ساتھ اس پورے واقعے کی روایت کی ہے انہوں نے اتنی تفصیل سے کام لیا ہے کہ پورا کا پورا قصیدہ نقل کر دیا، مگر اس کے باوجود حضور اکرم کے اصلاح فرمانے کا تذکرہ نہیں کیا، جب کہ یہ بات قابل ذکر تھی۔ اس سلسلے میں اب تک جو روایات ہمارے ناقص اور محدود مطالعے میں آئیں ہیں، ان میں اس بات کا تذکرہ نہیں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضور اکرم ﷺ کا چادر عطا فرمانا:

امام قسطلانی نے ابوبکر بن الانباری (وفات: ۳۲۸ھ) کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت کعب قصیدہ پیش کرنے کے دوران اس شعر پر پہنچے:

ان الرسول لنور یستضاء به

مھند من سیوف الله مسلول

ترجمہ: بے شک رسول خدا ایسا نور ہیں جن سے (ہدایت کی) روشنی حاصل کی جاتی ہے، آپ اللہ کی کھنچی ہوئی تلواروں میں ایک عمدہ تلوار ہیں۔

تو حضور اکرم ﷺ نے اپنی وہ ردائے مبارک جو اس وقت آپ کے جسم اقدس پر تھی حضرت کعب کو عطا فرمادی۔ بعد میں حضرت امیر معاویہ نے اس ردائے مبارک کو خریدنے کے لیے حضرت کعب کو دس ہزار درہم کی پیش کش کی، لیکن حضرت کعب نے بیچنے سے انکار کر دیا۔ جب حضرت کعب کی وفات ہوگئی تو حضرت معاویہ نے ان کے ورثا سے بیس ہزار درہم میں وہ مبارک چادر خرید لی۔ ابن انباری کہتے ہیں کہ یہ وہی چادر ہے جو آج تک (یعنی چوتھی صدی ہجری تک) سلاطین کے پاس موجود ہے۔[۲۶]

اس کی شرح میں علامہ زرقانی (وفات: ۱۱۲۲ھ) نے لکھا ہے:

قال الشامی ولا وجود لها الآن والظاهر انها فقدت فی وقعة التتار[۲۷]

ترجمہ: شامی نے کہا کہ اس چادر کا اب کوئی وجود نہیں ہے، غالباً یہ تاتاری فتنے کے وقت مفقود ہوگئی۔

www.Qadri.info

علامہ ابن خلدون حضرت کعب کے قبول اسلام اور قصیدے کی پیش کش کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

واعطاه بردة فی ثواب مدحه فاشتراها معاویه من ورثته بعد موته وصار الخلفا یتوارثونها شعاراً [۲۸]

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ نے کعب بن زہیر کو ان کی مدح کے صلے میں چادر عطا فرمائی، پھر حضرت امیر معاویہ نے حضرت کعب کی موت کے بعد اس چادر کو ان کے وارثین سے خرید لیا، پھر خلفا اس چادر کو علامت کے طور پر نسلاً بعد نسل منتقل کرنے لگے۔

ابن اثیر نے بھی اسد الغابہ میں ردائے مبارک عطا کرنے کا ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں:

وکان رسول اللہ ﷺ قد اعطاہ بردۃ لہ وھی التی عند الخلفا الی الآن۔ [۲۹]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنی چادر عطا فرمائی تھی، یہ وہی چادر ہے جو اب تک خلفا کے پاس موجود ہے۔

حافظ ابن کثیر نے 'البدایہ والنہایہ' میں ابن اثیر کی مذکورہ روایت نقل کی ہے مگر ساتھ ہی اس روایت کے سلسلے میں اپنے عدم اطمینان کا اظہار بھی کر دیا ہے، لکھتے ہیں:

قلت وھذا من الامور المشهورة جداً، ولکن لم اری ذلک فی شئ من ھذه الکتب المشهورة باسناد ارتضیه [۳۰]

ترجمہ: یہ بات (یعنی ردائے مبارک عطا فرمانا) بہت زیادہ مشہور ہے، لیکن اس سلسلے میں مَیں نے مشہور کتابوں میں کوئی ایسی سند نہیں دیکھی جو قابل اطمینان ہو۔

ابوالحسین عبدالباقی ابن قانع (وفات: ۳۵۱ھ) نے 'معجم الصحابہ' میں حضرت کعب کے ایمان لانے، مدینہ منورہ حاضر ہونے اور بارگاہ رسالت میں قصیدہ پیش کرنے کا واقعہ اپنی سند سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ ہم سے ابوواثلہ عبدالرحمن بن الحسین المزنی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے زبیر بن بکار نے بعض اہل مدینہ سے روایت کی، انہوں نے حضرت یحییٰ بن

سعید انصاری سے، انہوں نے اپنے والد حضرت سعید بن مسیب سے۔ پھر حضرت کعب کا واقعہ مذکور ہے، روایت کے آخر میں ہے:

فکساہ النبی ﷺ بردۃ لہ فاشتراھا معاویۃ من ولدہ بمال فھی البردۃ التی تلبسھا الخلفاء فی الاعیاد[۳۱]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے ان کو اپنی چادر اڑھا دی، پھر حضرت معاویہ نے ان کے بیٹے سے وہ چادر خرید لی، یہ وہی چادر ہے جو خلفا عید کے موقع پر اوڑھتے ہیں۔

حافظ ابن حجر نے بھی اس روایت کو ابن قانع کے حوالے سے ذکر فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

واخرج ابن قانع من طریق الزبیر بن بکار عن بعض اھل المدینۃ ، عن یحییٰ بن سعید عن سعید بن مسیب قال الخ[۳۲]

عربی میں چادر کو ''بردہ'' کہتے ہیں، اسی بنیاد پر بعض حضرات نے اس قصیدے کو ''قصیدۂ بردہ'' کے نام سے بھی موسوم کیا ہے۔ اگرچہ اس نام سے امام بوصیری کے قصیدۂ میمیہ کو زیادہ شہرت ملی۔ شیخ ابراہیم باجوری چادر عطا فرمانے والی مذکورہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ولذا قال اھل العلم ھذہ القصیدۃ ھی التی حقھا ان تسمی بالبردۃ لان المصطفی ﷺ اعطا کعباً بردتھالشریفۃ واما قصیدۃ البوصیری فحقھا ان تسمی بالبرأۃ[۳۳]

ترجمہ: اسی لیے اہل علم نے کہا ہے کہ اسی قصیدے کا حق ہے کہ اس کا نام ''قصیدۂ بردہ'' رکھا جائے، کیوں کہ محمد مصطفی ﷺ نے حضرت کعب کو بردہ (چادر) عطا فرمائی تھی، حضرت بوصیری کے قصیدے کو ''قصیدۂ براءت'' کہا جانا چاہیے۔

کیوں کہ اس قصیدے کی برکت سے حضرت بوصیری فالج جیسے مرض سے بری ہو گئے تھے۔

جرجی زیدان نے 'تاریخ التمدن الاسلامی' میں اس ردائے مبارک کے سلسلے میں جو معلومات فراہم کی ہیں، ان پر بھی ایک نظر ڈالنا ضروری ہے، لکھتے ہیں:

فظلت البردۃ عند اھل کعب حتی اشتراھا منھم معاویۃ ابن ابی سفیان فی اثناء خلافتہ باربعین الف درھم وتوارثھا الخلفاءالأمویون والعباسیون ،

وذكر ابو الفدا انها انتقلت من العباسيين الى التتر لكنها الآن فى جملة المخلفات النبوية فى السراى القديمة فى الآستانة - ولعل ابى الفدا وهم بما علمه من غزو التتر بغداد وفرار العباسيين الى مصر، فظن البردة كانت من جملة ما انتهبوه من قصر الخليفة، والظاهر ان العباسيين حملوا البردة معهم الى مصر فأخذها السلطان سليم مع الخلافة[۳۴]

ترجمہ: یہ چادر حضرت کعب کے گھر والوں کے پاس رہی، یہاں تک کہ حضرت معاویہ بن سفیان نے اپنے عہد خلافت میں اس کو چالیس ہزار درہم میں خرید لیا- پھر اموی اور عباسی خلفا میں وہ چادر وراثتاً منتقل ہوتی رہی- ابو الفدا نے ذکر کیا ہے کہ وہ عباسیوں سے تاتاریوں کے پاس چلی گئی- لیکن آج (یعنی جرجی زیدان کے دور میں) وہ چادر آستانہ (ترکی) کے مقام سرائے قدیم میں موجود حضور کے تبرکات وآثار میں شامل ہے، غالباً ابو الفدا کو بغداد پر تاتاری حملے اور عباسیوں کے مصر بھاگ نکلنے کی وجہ سے وہم ہوا، انہوں نے گمان کیا کہ یہ چادر من جملہ اس سامان میں شامل تھی جس کو تاتاریوں نے خلیفہ کے محل سے لوٹا تھا، حالاں کہ غالب گمان یہ ہے کہ عباسی اس چادر کو اپنے ساتھ مصر لے گئے تھے، پھر ان سے خلافت کے ساتھ وہ چادر بھی سلطان سلیم نے لے لی-

جرجی زیدان کی اس اطلاع پر کہاں تک اعتماد کیا جا سکتا ہے، یہ ایک الگ بحث ہے، سر دست ہمیں اس روایت کا جائزہ لینا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت کعب کا قصیدہ سماعت فرما کر ان کو چادر عطا فرمائی تھی- یہ آپ ملاحظہ فرما چکے کہ حافظ ابن کثیر نے اس روایت پر اپنے عدم اطمینان کا اظہار کیا ہے- یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت کعب کے قصیدہ پیش کرنے کی جو روایات امام بیہقی، امام حاکم، امام طبرانی اور ابن اسحاق کے حوالے سے ابن ہشام نے ذکر کی ہیں، ان میں چادر عطا فرمانے کا تذکرہ نہیں ہے- امام قسطلانی نے ابن انباری کے حوالے سے اس کا ذکر کیا ہے مگر سند یا حوالہ ذکر نہیں فرمایا، ابن اثیر نے بھی بغیر حوالہ اور سند اس کا ذکر کیا ہے، البتہ ابن قانع نے اپنی سند سے عطائے بردہ کا ذکر کیا ہے، اسی کو حافظ ابن حجر نے

’الاصابہ‘ میں بغیر کسی نقد و جرح کے نقل کیا ہے۔

یہاں اس روایت پر جرح کرتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ اس میں ’’بعض اہل مدینہ‘‘ سے روایت کی گئی ہے، ان کا نام مذکور نہیں، دوسرے یہ کہ حضرت سعید بن مسیب تابعی ہیں، وہ خود تو اس موقع پر موجود نہیں تھے، لہٰذا انہوں نے کسی دوسرے ہی سے یہ واقعہ سنا ہوگا، مگر انہوں نے ان کا نام ذکر نہیں کیا، جس کی وجہ سے روایت میں ’’ارسال‘‘ کا عیب پیدا ہو گیا، یہ دونوں حدیث کے ضعف کی علامتیں ہیں۔

ہمارے خیال میں اس روایت کو بھی انہی دو بنیادی نکتوں کی روشنی میں دیکھا جانا چاہیے جن کا ذکر ہم نے گزشتہ صفحات میں کیا ہے۔ یہ درست ہے کہ حضرت سعید بن مسیب تابعی ہیں، اس لیے روایت مرسل ہے، لیکن اولاً تو اس قسم کے معاملات میں مراسیل بھی قابل قبول ہوتی ہیں، دوسرے یہ کہ حضرت سعید بن مسیب کی مراسیل کو علما و محدثین جس خاص اہمیت کی نظر سے دیکھتے ہیں وہ ماہرین پر پوشیدہ نہیں۔ اب صرف ’’بعض اہل مدینہ‘‘ کے ابہام کا مسئلہ رہ گیا، ورنہ یحییٰ بن سعید، زبیر بن بکار اور ابو واثلہ مزنی سب کے سب ثقہ ہیں۔

انصار کی مدح:

گزشتہ سطور میں ذکر کیا گیا کہ جب حضرت کعب نے اپنی شناخت ظاہر کی تو انصار میں سے ایک صحابی نے ان کے قتل کا ارادہ کیا، لیکن حضور اکرم ﷺ نے ان کو امان عطا فرمائی۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق اس سے حضرت کعب کے دل میں حضرات انصار کی جانب سے ملال پیدا ہوا، لہٰذا آپ نے قصیدۂ بانت سعاد میں نہ صرف یہ کہ صحابہ میں سے صرف مہاجرین کی مدح فرمائی، بلکہ ایک جگہ مہاجرین کی مدح کے ضمن میں ایک ایسا لفظ استعمال کیا جس سے انصار کی ہجو کا پہلو نکلتا تھا۔ بعد میں جب آپ سے یہ بات کہی گئی تو آپ نے انصار کی مدح میں ایک عمدہ قصیدہ نظم کیا۔ ابن ہشام لکھتے ہیں:

قال ابن اسحاق قال عاصم بن عمر بن قتادة: فلما قال کعب ’’اذا عرد السود التنابیل‘‘ وانما یریدنا معشر الانصار، لما کان صاحبنا صنع به ما صنع، وخص المهاجرین من قریش من اصحاب رسول الله ﷺ

بمدحته ، غضبت علیه الانصار ،فقال بعد ان اسلم یمدح الانصار ویذکر بلائھم مع رسول اللہ ﷺ وموضعھم من الیمن[۳۵]

ترجمہ: ابن اسحاق نے کہا کہ عاصم بن عمر بن قتادہ نے کہا کہ جب (حضرت) کعب نے (قصیدے میں یہ) کہا'' **اذا عرد السود التنابیل** ''(یعنی جب کالے رنگ کے پستہ قد لوگ بھاگتے ہیں)اوراس سے ہماری جماعت انصار مراد لی ،کیوں کہ ہمارے ایک آدمی نے ان کے ساتھ بدسلوکی کی تھی اور حضور اکرم ﷺ کے قریشی صحابہ میں سے صرف مہاجرین کی مدحت کی ،تو اس بات سے انصار ناراض ہوئے - پھر اسلام لانے کے بعد(حضرت) کعب نے حضرات انصار کی مدح کہی اور حضور اکرم ﷺ کے ساتھ انصار کے ابتلا وآزمائش کا ذکر کیا اور خیر وبرکت کے اعتبار سے ان کے مقام ومرتبے کا ذکر کیا-

اس کے بعد ابن ہشام نے انصار کی شان میں مذکورہ قصیدے کے ۱۳/اشعار نقل کیے ہیں-

ابن اسحاق کی اس روایت کو امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں ذکر کیا ہے اور قصیدے کے ۶/ اشعار نقل کیے ہیں-[۳۶] امام حاکم نے بھی مستدرک میں اس روایت کو نقل کر کے قصیدے کے ۲۲/اشعار نقل کیے ہیں-[۳۷]

ابن ہشام نے انصار کی مدح کے سلسلے میں ایک روایت اور لکھی ہے، کہتے ہیں:

ویقال ان رسول اللہ ﷺ قال له حین انشدہ 'بانت سعاد فقلبی الیوم متبول' لو لا ذکرت الانصار بخیر ، فانھم لذلک اھل ، فقال کعب ھذہ الابیات[۳۸]

ترجمہ: یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب (حضرت کعب نے) حضور کو قصیدہ بانت سعاد سنایا تو آپ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ'' کاش تم انصار کی بھی تعریف کرتے ، کیوں کہ وہ اس کے اہل ہیں''،تو کعب نے یہ اشعار کہے-

یہاں ہم اس قصیدے کے چند اشعار نقل کر رہے ہیں:

www.Qadri.info

من سرّه كرم الحياة فلا يزل

في مقنب من صالحي الأنصار

ترجمہ: جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ زندگی کی بزرگی اور شرافت سے محظوظ ہو تو اس کو چاہیے کہ انصار کے صالح مجاہد سواروں کے ساتھ رہے۔

ورثوا المكارم كابراً عن كابرٍ

ان الخيار هُم بنو الأخيار

ترجمہ: یہ وہ حضرات ہیں کہ جن کی شرافت و بزرگی باپ دادا کے ورثے میں چلی آتی ہے۔یعنی انصار نسلاً بعد نسل شرافت و بزرگی کے وارث ہوتے چلے آئے ہیں، بے شک یہ حضرات لوگوں میں بہترین لوگ ہیں۔

والبائعين نفوسهم لنبيهم

للموت يوم تعانق وكرار

ترجمہ: اور اپنے نبی کی خاطر سخت لڑائی کے دن اپنی جانوں کو موت کے عوض بیچ دینے والے ہیں۔

والقائدين الناس على أديانهم

با لمشرفي وبالقنا الخطار

ترجمہ: یہ حضرات لوگوں کو ان کے (باطل) دین سے ہٹانے والے ہیں، اپنی تلواروں اور متحرک نیزوں کے ذریعے۔

يتطهرون يرونه نسكالهم

بدماء من علقوا من الكفار

ترجمہ: یہ حضرات (ایسے بہادر ہیں کہ) ان کفار کے خون سے یہ طہارت حاصل کرتے ہیں جو لٹکے ہوئے ہیں اور اسے وہ اپنے لیے عبادت سمجھتے ہیں۔

دربوا كما دربت ببطن خفية

غلب الرقاب من الأسود ضواري

ترجمہ: یہ (دشمنوں پر) حملہ کرنے کے ایسے ہی عادی ہو گئے ہیں جیسے موٹی اور بھری ہوئی گردن والے چیر پھاڑ کرنے والے شیر عادی ہوتے ہیں۔

واذا حللت لیمنعوک الیھم

أ صبحت عند معاقل الأ عفار

ترجمہ: اگر تم ان کے پاس جاؤ کہ وہ تمہیں پناہ دیں تو گویا تم اس جگہ پہنچ گئے جہاں پہاڑی بکروں کے بچوں کی حفاظت کی جاتی ہے۔ (یعنی جس طرح پہاڑی بکرا اپنے بچوں کے لیے مضبوط اور مستحکم پناہ گاہ کا انتظام کرتا ہے) اسی طرح انصار کی پناہ بھی نہایت مضبوط اور مستحکم ہے۔

قصیدے کا موضوعاتی جائزہ:

حضرت کعب کا قصیدۂ بانت سعاد زبان کی صفائی، ندرت خیال اور رفعت فکر کا ایسا نمونہ ہے کہ اس کو قدیم عرب شاعری کا مایہ ناز شاہکار قرار دیا گیا ہے۔

یہ بنیادی طور پر نعتیہ قصیدہ ہے، کیوں کہ اس کو نظم کرنے کا اصل مقصد ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کرنا اور آپ سے عفو و درگزر کی درخواست تھی۔ لیکن قدیم عربی شعرا کے طرز پر اس کا آغاز تشبیب یا نسیب سے کیا گیا ہے، اس کے بعد گریز کر کے مدح کی طرف آتے ہیں، حضور سے عفو و درگزر کی درخواست کرتے ہیں اور پھر کچھ اشعار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثار مہاجرین صحابہ کی شان میں نظم کرتے ہیں۔

موضوعاتی اعتبار سے اس قصیدے کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

الف: تشبیب

ب: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح اور طلب عفو

ج: مہاجرین کی مدح و ثنا

قصیدے کا آغاز محبوبہ کی جدائی کے ذکر سے ہوتا ہے، پھر شعر نمبر ۶ تک محبوبہ سعاد کے حسن و جمال کا تذکرہ ہے۔ شعر نمبر ۷ سے ۱۲ تک محبوبہ کی بے وفائی، وعدہ خلافی اور عہد شکنی وغیرہ کا شکوہ کیا گیا ہے۔ قدیم عرب میں عرقوب نام کا شخص بہت زیادہ وعدہ خلاف تھا، اس کا نام

وعدہ خلافی اور عہد شکنی کے لیے بطور استعارہ استعمال ہونے لگا۔ شاعر کو اپنی محبوبہ کی وعدہ خلافی دیکھ کر عرقوب کی یاد آتی ہے، کہتے ہیں:

''عرقوب کے وعدے اس (محبوبہ) کے لیے مثال اور نمونہ ہو گئے، اس کے تمام وعدے جھوٹ اور فریب کے سوا کچھ نہیں ہیں۔'' (مفہوم شعر: ۱۲)

۱۴؍ویں شعر سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ''میری محبوبہ سعاد مجھے چھوڑ کر بہت دور دراز مقام پر چلی گئی، ایسا مقام جہاں سوائے تیز رفتار اونٹنی کے اور کوئی نہیں پہنچا سکتا۔ اب وہ اونٹنی کتنی تیز رفتار ہو یہ بات ۱۴؍ سے ۳۴؍ تک ۲۱؍ اشعار میں مختلف تشبیہات و استعارات کے ذریعے بیان کی گئی ہے۔

اونٹنی کے وصف کے لیے شاعر نے جو طرز اختیار کی ہے ناقدین کے بقول اس میں انہوں نے مشہور جاہلی شاعر طرفہ بن العبد البکری کے قصیدۂ دالیہ کی پیروی کی ہے، طرفہ نے اپنے اس قصیدے میں ۳۵؍ اشعار میں اونٹنی کی تعریف کی تھی، طرفہ کا یہ قصیدہ اس کی قادر الکلامی اور فکری بلند پروازی کی بہترین مثال ہے۔

حضرت کعب نے ان ۲۱؍ اشعار میں اونٹنی کی تعریف کے لیے جو تشبیہات و استعارات استعمال کی ہیں، انہوں نے اس قصیدے کو عربی زبان کا ایک شاہکار بنا دیا ہے۔ اونٹنی کا وصف بیان کر کے ۳۵؍ ویں شعر سے گریز کرتے ہوئے اپنے مقصود کی طرف آتے ہیں، فرماتے ہیں:

''اس کے باوجود بھی (کہ وہ اتنی دور چلی گئی کہ تیز رفتار اونٹنیوں کے علاوہ اس تک مجھے کوئی نہیں پہنچا سکتا) چغل خور لوگ سعاد کے ارد گرد یا اس اونٹنی کے ارد گرد یہ کہتے ہوئے دوڑے کہ اے ابن ابی سلمیٰ تو ضرور قتل کیا جانے والا ہے۔''

(مفہوم شعر: ۳۵)

جب شاعر کو معلوم ہوا کہ اس کے قتل کا اعلان کر دیا گیا ہے تو اس نے اپنی مدد اور اعانت کے لیے اپنے تمام دوستوں کو یکے بعد دیگرے بلایا، مگر تمام دوستوں نے ایسے نازک موقع پر شاعر کا ساتھ چھوڑ دیا یا اپنی مصروفیت کا بہانہ کر دیا، فرماتے ہیں:

''جس جس دوست سے مَیں (حمایت و نصرت کی) امید رکھتا تھا، اس نے صاف

صاف کہہ دیا کہ مَیں تجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا، مَیں اپنے ہی معاملات میں گھرا ہوا ہوں۔" (مفہوم شعر:۳٦)

آخر مایوس ہوکر شاعر نے کہا کہ:

"مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، اب جو بھی مقدر میں لکھا ہے وہ ہونا ہے اور جو بھی انسان دنیا میں آیا ہے اسے ایک نہ ایک دن اس دنیا سے جانا ہے۔"

(مفہوم شعر:۳۷،۳۸)

اگرچہ رسول اللہ نے میرے قتل کا اعلان فرما دیا ہے، مگر مجھے اس بارگاہ سے عفوو درگزر کی امید ہے:

أُنْبِئْتُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ أَوْعَدَنِي

وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ مَأْمُوْلُ

ترجمہ: مجھے بتایا گیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے میری موت کا فرمان جاری فرما دیا ہے، لیکن اللہ کے رسول کی بارگاہ میں عفوو درگزر کی امید کی جاتی ہے۔

اب ۴۰ ویں شعر میں حضور اکرم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ:

"یا رسول اللہ ﷺ مجھے اپنی صفائی کی مہلت عطا فرمائیں، محض چغل خوروں کے کہنے پر میرا مواخذہ نہ کریں، اگرچہ میرے بارے میں بہت افواہیں پھیلی ہوئی ہیں، مگر مَیں نے ایسا جرم نہیں کیا جو گردن زدنی ہو۔" (مفہوم شعر:۴۰/۴۱)

پھر حضور اکرم ﷺ کی مبارک محفل میں ظاہر ہونے والے وقار و ہیبت اور رعب وجلال کا تذکرہ کرتے ہیں۔

شعر نمبر ۴۵/۴٦/۴۷ میں فرماتے ہیں کہ ایک طرف تو معاملہ یہ ہے کہ میرے بارے میں لوگ کہہ رہے ہیں کہ تمہاری جانب بہت سی باتیں منسوب ہیں اور تمہیں ان کا جواب دینا ہے، مگر دوسری طرف میرا یہ حال ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوا ہوں تو آپ کا رعب وجلال اور ہیبت و دبدبہ اس طاقت ور اور ذی ہیبت شیر سے کہیں زیادہ معلوم ہو رہا ہے جو جھاڑیوں میں چھپا بیٹھا ہو۔ اس کے بعد شعر نمبر ۵۰ تک اس شیر کی بہادری، جرأت، دلیری اور

طاقت کومختلف انداز میں بیان کیا ہے-شعرنمبر ۵۱؍میں براہ راست حضوراکرم ﷺ کی مدح کی طرف آتے ہوئے فرماتے ہیں:

إِنَّ الرَّسُوْلَ لَسَيْفٌ يُسْتَضَاءُ بِهٖ

مُهَنَّدٌ مِنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ مَسْلُوْلُ

ترجمہ: بے شک اللہ کے رسول ایک ایسی تلوار ہیں کہ جن سے راہ حق کی روشنی حاصل کی جاتی ہے اور آپ ﷺ اللہ کی تلواروں میں ایک عمدہ نیام سے نکلی ہوئی ہندی تلوار ہیں-

پھرشعرنمبر ۵۲؍سے حضوراکرم ﷺ کے جاں نثار صحابہ مہاجرین کی مدح فرماتے ہیں، مدح صحابہ ۶؍شعروں پر مشتمل ہے ،جس میں ان کی بہادری، پامردی، شجاعت اور دلیری کو بڑے بلیغ اسلوب میں بیان کیا ہے-۵۸؍ویں شعر میں مدح صحابہ کے اس شعر پر قصیدہ اپنے اختتام کو پہنچتا ہے:

لَا يَقَعُ الطَّعْنُ إِلَّا فِيْ نُحُوْرِهِمْ

وَمَا لَهُمْ عَنْ حِيَاضِ الْمَوْتِ تَهْلِيْلُ

ترجمہ: وہ صحابہ ایسے ہیں کہ دشمنوں کی برچھیوں کے زخم ان کے سینوں پر ہی لگتے ہیں اور موت کے کنوؤں میں چھلانگ لگانے سے پیچھے نہیں ہٹتے-

قصیدۂ بانت سعاد کی اہمیت اور خصوصیت:

قصیدۂ بانت سعاد کئی جہتوں سے بعض ایسے امتیازات کا حامل ہے جن کی وجہ سے اس کو قبول عام حاصل ہوا-مثال کے طور پر چند امور کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

الف :اس قصیدے میں حضوراکرم ﷺ سے عفو ودرگزر کی التجا کی گئی تھی، اس التجا کو شرف قبول حاصل ہوا اور حضرت کعب کی تمام تقصیرات سے درگزر کر دیا گیا-

ب: یہ قصیدہ مسجد نبوی میں حضوراکرم ﷺ کے روبرو اور مہاجرین وانصار کے مجمع میں پیش کیا گیا-

ج: حضوراکرم ﷺ نے اس کو پسند فرمایا-

www.Qadri.info

د:بعض روایات کے مطابق حضور اکرم ﷺ نے اس کو سماعت فرما کر اپنی چادر مبارک حضرت کعب کو عطا فرمائی۔

ھ:عربی زبان وادب کے لحاظ سے یہ ایک اعلیٰ پایے کا قصیدہ ہے، بالخصوص اس میں اونٹنی کے وصف کے لیے جو تشبیہات استعمال کی گئی ہیں وہ فنی اور بلاغی نقطۂ نظر سے اس قصیدے کو ایک شاہکار بنا دیتی ہیں۔

یہی وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے یہ قصیدہ قدیم زمانے سے اہل علم وادب اور صاحبان دل کے لیے مرکز توجہ بنا ہوا ہے۔

قصیدۂ بانت سعاد کی مقبولیت کی ایک مختلف جہت:

احمد بن محمد المقری التلمسانی نے 'نفح الطیب عن غصن الاندلس الرطیب' میں ابو جعفر الالبیری کا ایک قول نقل کیا ہے جس سے اس قصیدے کی اہمیت و وقعت کا ایک مختلف رخ سامنے آتا ہے۔ابو جعفر الالبیری کہتے ہیں:

حدثني بعض شيوخنا بالأسكندرية باسناده أن بعض العلماء كان لا يستفتح مجلسه الا بقصيدة كعب فقيل له في ذلك فقال رأيت رسول الله ﷺ فقلت يا رسول الله ﷺ قصيدة كعب أنشدها بين يديك فقال نعم وأنا أحبها وأحب من يحبها قال فعاهدت الله أني لا أخلو من قراء تها كل يوم[۳۹]

ترجمہ: اسکندریہ میں ہمارے بعض شیوخ نے ہم سے بیان کیا کہ بعض علما اپنی ہر مجلس کا آغاز حضرت کعب کے قصیدے سے کرتے تھے، جب ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو (خواب میں) دیکھا تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کعب نے اپنا قصیدہ آپ کے روبرو پیش کیا تھا؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں، اور میں اس قصیدے کو پسند کرتا ہوں اور جو اسے پسند کرے اس کو بھی پسند کرتا ہوں۔فرماتے ہیں کہ اسی دن سے میں نے عہد کر لیا کہ روزانہ اس کو پڑھا کروں گا۔

www.Qadri.info

حلقہ علم وادب میں قصیدۂ بانت سعاد کی مقبولیت:

یہ قصیدہ اپنی مذکورہ خصوصیات کی وجہ سے ابتدا ہی سے علما، ادبا اور ناقدین کا مرکز توجہ رہا ہے، جس کے نتیجے میں علما نے اس کے ساتھ خاص اعتنا کیا ہے، مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے کیے گئے، اس کی شرحیں کی گئی، اس پر حواشی لکھے گئے- پھر ترجمے بھی نظم اور نثر دونوں میں کیے گئے، شعرا نے اس کے مصرعوں پر مصرعے لگائے، اس کی تخمیس کی اور اسی زمین وقافیے میں الگ قصیدے کہے- یہ سارے امور علمی اور ادبی حلقوں میں اس قصیدے کی مقبولیت، شہرت اور وقعت کی طرف اشارہ کرتے ہیں-

اہل علم وادب نے اس سلسلے میں جو کاوشیں کی ہیں، ذیل میں ہم ان کا مختصر تعارف پیش کریں گے-

شروح قصیدۂ بانت سعاد:

حاجی خلیفہ نے 'کشف الظنون' میں اس کی ۱۱/شروح کا ذکر کیا ہے، [۴۰] کارل بروکلمین نے 'تاریخ الادب العربی' میں یہ تعداد ۳۵/تک پہنچادی ہے-[۴۱]

ان شارحین میں ابن درید (وفات: ۳۲۱ھ/ ۹۳۳ء) خطیب تبریزی (وفات: ۵۰۲ھ/ ۹-۱۱۰۸ء) ابن ہشام انصاری (وفات: ۷۶۱ھ/ ۱۳۶۰ء) مجد الدین فیروز آبادی (وفات: ۸۱۷ھ/ ۱۴۱۴ء) جلال الدین محلی (وفات: ۸۶۴ھ/ ۱۴۵۹ء) امام جلال الدین سیوطی (وفات: ۹۱۱ھ/ ۱۵۰۵ء) حافظ ابن حجر مکی (وفات: ۹۷۳ھ/ ۱۵۶۵ء) ملا علی قاری (وفات: ۱۰۱۴ھ/ ۱۶۰۶ء) اور شیخ الازہر علامہ ابراہیم باجوری (وفات: ۱۲۷۷ھ/ ۱۸۶۱ء) جیسے ادبا، ارباب لغت، محدثین، فقہا اور صوفیہ شامل ہیں-

ان میں خصوصیت کے ساتھ مندرجہ ذیل تین شرحیں زیادہ مقبول ومتداول ہیں:

(ا) شرح بانت سعاد خطیب تبریزی: ابوبکر زکریا یحییٰ بن علی بن الخطیب تبریزی (ولادت: ۴۲۱ھ/ ۱۰۳۰ء- وفات: ۵۰۲ھ/ ۹-۱۱۰۸ء) ادیب، لغوی، شاعر اور عربی زبان وادب کے رمز شناس کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں، انہوں نے عربی زبان وادب کی تحصیل ابو العلا معری جیسے اساطین ادب سے کی، ایک زمانے تک مدرسہ نظامیہ بغداد میں ادب عربی کی

www.Qadri.info

تدریس پر مامور رہے،قصیدۂ بانت سعاد کے علاوہ انہوں نے معلقات، حماسہ اور دیوان ابی تمام کی بھی شرح کی ہے جو معروف و مطبوع ہیں۔

شرح بانت سعاد میں تبریزی نے اختصار سے کام لیا ہے، عام طور پر مفردات کا معنی بیان کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں، بعض جگہ مفردات کی تشریح و توضیح کے بعد شعر کا مجموعی معنی بھی بیان کرتے ہیں، مفردات کے معنی کی تعیین کے لیے دوسرے شعرا کے اشعار بطور استشہاد پیش کرتے ہیں۔ شرح کے آغاز میں حضرت کعب بن زہیر کے اسلام لانے اور حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر قصیدہ سنانے کا پورا واقعہ اپنی سند سے بیان کرتے ہیں۔ ان کی سند درج ذیل ہے:

اخبرنا ابو محمد بن الحسن بن علی بن محمد بن الحسن الجوھری ،قال حدثنا ابو عمر محمد بن العباس بن زکریا بن حیویه الخزاز ،قال حدثنا ابو بکر محمد بن القاسم الانباری ،قال حدثنی ابی (القاسم الانباری)،قال حدثنا عبداللہ بن عمرو ،قال حدثنا ابراھیم بن المنذر الحزامی،قال حدثنا الحجاج بن ذی الرقیبة بن عبدالرحمن بن کعب بن زھیر بن ابی سلمی المزنی عن ابیه عن جده قال خرج کعب و بجیراً الخ[۴۲]

ہمارے پیش نظر جو نسخہ ہے وہ ڈاکٹر عبدالرحیم یوسف الجمل کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ مکتبۃ الآداب قاہرہ سے ۲۰۰۳ء میں شائع ہوا ہے۔

(۲) شرح بانت سعاد ابن ہشام انصاری: جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف معروف بہ ابن ہشام انصاری (ولادت : ۷۰۸ھ/ ۱۳۰۹ء - وفات : ۷۶۱ھ/ ۱۳۶۰ء) علم نحو، معانی و بیان، عروض و قوافی اور علم فقہ میں مہارت اور رسوخ کی وجہ سے علمی حلقوں میں معروف ہیں۔ کم و بیش ۴۰ رعلمی و تحقیقی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں مختصر رسائل سے لے کر التذکرۃ (۱۵ جلد) اور رفع الخصاصہ (۴ جلد) جیسی ضخیم کتابیں بھی شامل ہیں۔ آپ کی تصانیف میں قطر الندی، مغنی اللبیب اور اوضح المسالک محتاج تعارف نہیں ہیں۔

ابن ہشام نے قصیدۂ بانت سعاد کی عمدہ شرح کی ہے جو شروح بانت سعاد میں مقبولیت اور

شہرت کے سلسلے میں ایک خاص مقام رکھتی ہے-

شرح کے آغاز میں بطور تمہید دو فصلیں ذکر کی ہیں، پہلی فصل میں قصیدے کا پس منظر اور اس کے متعلقات کا بیان ہے، دوسری فصل میں فن عروض وقوافی کی جہت سے قصیدے کا جائزہ لیا ہے- اس کے بعد شرح کا آغاز کرتے ہیں- لغت، بلاغت اور نحو وصرف شارح کا اصل میدان ہے لہٰذا شرح میں بھی انہوں نے اس زاویے سے تحقیقی مباحث پیش کیے ہیں-

ابن ہشام کی شرح بانت سعاد آج بھی شائع ہوتی ہے اور عام طور سے دستیاب ہے، کتب خانہ قادریہ میں جونسخہ ہے وہ احمد البابی الحلبی کے زیر اہتمام مصر سے ۱۳۰۷ھ میں شائع ہوا ہے، اس کے حاشیے پر شیخ ابراہیم باجوری کی شرح بانت سعاد ہے جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے-

(۳) شرح بانت سعاد شیخ ابراہیم باجوری: شیخ ابراہیم بن محمد بن احمد الباجوری (ولادت: ۱۱۹۸ھ/ ۱۷۸۴ء- وفات: ۱۲۷۷ھ/ ۶۱-۱۸۶۰ء) اپنے زمانے کے علما میں ممتاز تھے، ساتھ ہی سلوک وتصوف کے شناور اور صاحب حال صوفی تھے، شیخ الجامع الازہر کے منصب پر فائز ہوئے، تصانیف میں **تحفة البشر علی مولد ابن حجر ، التحفة الخیریة علی الفوائد الشنشوریة ، تحفة المرید علی جوهرة التوحید** ، حاشیہ شمائل ترمذی وغیرہ قابل ذکر ہیں-

آپ کی شرح بانت سعاد علمی حلقوں میں معروف ومتداول ہے، شرح کا نام ''الاسعاد علی بانت سعاد'' ہے، آپ نے سابق الذکر شرح ابن ہشام سے بھر پور استفادہ کیا ہے، اس پر آپ کی اپنی تحقیقات مستزاد، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ آپ راہ تصوف وسلوک کے بھی رمز شناس تھے، اس لیے آپ کی شرح میں تصوف وعرفان کے رموز واسرار بھی جابجا نظر آتے ہیں-

ہندوستانی شارحین:

قصیدۂ بانت سعاد کی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے علمائے ہند نے بھی اس کی جانب خاص اعتنا کیا ہے، عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں اس کی شرح اور فارسی و اردو میں منثور ومنظوم ترجمہ کر کے اپنے حب رسول اور ذوق عربیت کا ثبوت دیا ہے-

علمائے ہند کی جو شروح اب تک ہمارے علم واطلاع میں آئی ہیں، ان کا مختصر تعارف پیش

www.Qadri.info

خدمت ہے:

(۱) سرور العباد شرح قصیدہ بانت سعاد: یہ مولانا عبدالحافظ محمد نذیر رامپوری کی تالیف ہے، اس پر مولانا محمد یعقوب محب اللہی الہ آبادی، مولانا محمد معین، مولانا محمد لطف الرحمن اور مولانا محمد سعد الدین کی تقریظات ہیں، اول الذکر دو حضرات نے فارسی میں اور آخر الذکر حضرات نے عربی میں تقریظ قلم بند کی ہے- آخر میں مولوی باسط علی کا قطعہ تاریخ تصنیف ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۱۲۹۰ھ میں تصنیف کی گئی ہے-

یہ شرح فارسی میں ہے، اس میں شارح نے حل لغات اور نحوی وصرفی تشریح پر زیادہ توجہ مرکوز کی ہے، آخر میں ''حاصل'' کے عنوان سے شعر کے عمومی مفہوم کی طرف اشارہ کرتے ہیں-

کاملی تخلص کے کسی فارسی شاعر نے قصیدۂ بانت سعاد کا منظوم فارسی ترجمہ کیا ہے، ترجمے سے پہلے ۶۷/اشعار میں بطور تمہید قصیدہ نظم کرنے کا پس منظر بھی بیان کیا ہے- مولانا نذیر رامپوری نے اپنی شرح میں اس منظوم ترجمے کو بھی شامل کرلیا ہے- شرح کی ترتیب کچھ یوں ہے کہ پہلے شارح نے بطور تمہید قصیدے کے پس منظر اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے، پھر کاملی کی منظوم تمہید نقل کی ہے جو ۶۷/اشعار پر مشتمل ہے- اس کے بعد قصیدے کی شرح کی طرف آتے ہیں، قصیدے کا شعر نقل کر کے اس کے نیچے کاملی کا منظوم ترجمہ نقل کیا ہے، یہ ترجمہ کہیں ایک شعر ہی میں مکمل ہو گیا ہے اور کہیں ایک سے زیادہ اشعار کا سہارا لینا پڑا ہے- اس کے بعد مولانا رامپوری اس شعر کی شرح فرماتے ہیں-

کتب خانہ قادریہ بدایوں میں اس کا جو نسخہ موجود ہے وہ مطبع نول کشور لکھنؤ سے ربیع الاول ۱۲۹۲ھ/ اپریل ۱۸۷۵ء میں طبع ہوا ہے-

بروکلمین کی 'تاریخ الادب العربی' (مترجم) میں شارح کا نام ''عبدالحفیظ محمد ناصر'' درج ہے [۴۳]- غالباً بروکلمین نے انگلش میں 'عبدالحافظ محمد نذیر' ہی لکھا ہوگا مگر انگلش سے عربی میں ترجمے کے وقت مترجم نے حافظ کو حفیظ اور نذیر کو ناصر سمجھ لیا-

(۲) سلوۃ الفواد فی شرح بانت سعاد: مولانا سلطان حسن عثمانی صدر الصدور (م: ۱۲۹۸ھ) ابن مولانا محمد حسن بریلوی، بدایوں کے مشہور خاندان شیوخ عثمانیہ کے چشم و چراغ تھے، آپ

کے دادا مفتی ابوالحسن عثمانی بدایونی مفتی عدالت محکمہ افتا بریلی ہو کر صدر الصدور کے عہدے تک پہنچے اور بدایوں سے ترک سکونت اختیار کر کے مستقل بریلی میں قیام پذیر ہو گئے تھے- استاذ مطلق علامہ فضل حق خیر آبادی کے ارشد تلامذہ میں تھے، مولانا ضیاء القادری لکھتے ہیں:

''جملہ علوم وفنون میں دستگاہ کامل رکھتے تھے، استاذ مطلق حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی کے مشہور تلامذہ میں تھے، جلیل القدر عہدوں پر مامور رہے، صدر الصدوری سے پنشن پائی-''[۴۴]

جب مفتی سعد اللہ مراد آبادی نے علامہ فضل حق خیر آبادی کی بعض تصانیف پر تنقید کی تو مولانا سلطان حسن بریلوی نے ان کا تعاقب کیا-[۴۵]

مولانا سلطان حسن بریلوی نے 'سلوۃ الفواد فی شرح بانت سعاد' کے نام سے فارسی زبان میں شرح کی ہے، اس میں مولانا نے غیر ضروری تطویل سے گریز کرتے ہوئے صرف ضروری باتوں کے بیان پر اکتفا کیا ہے، اس اختصار کے باوجود اشعار کے معانی ومفاہیم تک رسائی کے لیے یہ ایک عمدہ شرح ہے- مصنف کا طریقہ یہ ہے کہ وہ پہلے ''اللغۃ'' کے عنوان سے مفردات کی لغوی تشریح کرتے ہیں، پھر ''الاعراب'' کے عنوان سے شعر کی نحوی ترکیب کی وضاحت کرتے ہیں، اس باب میں انہوں نے قدرے تفصیل سے کام لیا ہے، ایک ایک شعر کی کئی کئی تراکیب ذکر کی ہیں، پھر ''تقطیع'' کا عنوان دے کر شعر کی عروضی حیثیت پر روشنی ڈالتے ہیں، آخر میں ''المعنیٰ'' کے عنوان سے شعر کا معنی ومفہوم بیان کرتے ہیں-

کتب خانہ قادریہ بدایوں میں اس کا ایک نایاب نسخہ موجود ہے، یہ مطبع الٰہی آگرہ سے متوسط تقطیع کے ۵۶ رصفحات پر شائع ہوا ہے، یہ غالباً کتاب کی پہلی اور آخری اشاعت ہے، سنہ طبع درج نہیں ہے، قیاس ہے کہ یہ ۱۲۹۰ھ اور ۱۳۰۰ھ کے درمیان کی طباعت ہے-

(۳) الجوہر الوقاد فی شرح بانت سعاد: علامہ احمد بن محمد شیروانی یمنی، مصنف نفحات الیمن (ولادت ۱۲۰۰ھ/ : وفات: ۱۲۵۶ھ) اصلاً یمنی ہیں، مگر ہندوستان تشریف لائے تو یہیں کے ہو رہے، صاحب نزہۃ الخواطر مولانا عبد الحی لکھنوی نے ان کی تصانیف کے ذیل میں شرح مذکور بالا کا ذکر کیا ہے-[۴۶]

(۴) شرح بانت سعاد از مولانا اوحدالدین بلگرامی: مولانا اوحدالدین بلگرامی علامہ احمد شیروانی یمنی کے شاگرد ہیں، سنہ ولادت ووفات معلوم نہ ہوسکا، تذکرۂ علمائے ہند کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ رجب ۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ء تک باحیات تھے- عربی ادب وانشا کا خاص ذوق رکھتے تھے، نفائس اللغات، روضۃ الازھار، مفتاح اللسان، تذکرۂ شعرائے عرب، شرح دیوان متنبی اور شرح مقامات حریری قابل ذکر تصانیف ہیں- ڈاکٹر ایوب قادری نے آپ کی تصانیف کے ذیل میں شرح قصیدۂ بانت سعاد کا ذکر کیا ہے-[۴۷]

(۵) مصدق الفضل قاضی شہاب الدین دولت آبادی: قاضی شہاب الدین بن شمس الدین عمر الزاولی دولت آبادی ثم جون پوری (وفات ۸۴۹ھ/ ۱۴۴۵ء) کا نام علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں ہے، تفسیر میں بحر مواج (فارسی) نحو میں حاشیہ کافیہ اور ارشاد، بلاغت میں بدائع البیان، اصول فقہ میں شرح اصول بزدوی اور فتاویٰ ابراہیم شاہی معروف ہیں-[۴۸]

آپ نے مُصَدِّقُ الفَضْل کے نام سے عربی میں قصیدہ بانت سعاد کی شرح کی ہے، یہ ایک جامع اور مبسوط شرح ہے- آغاز میں آپ نے بطور مقدمہ قصیدے کا پس منظر بیان کیا ہے- شرح کا طریقہ یہ ہے کہ آپ شعر نقل کرنے کے بعد مختلف ذیلی عناوین مثلاً لغت، صرف، نحو، معانی، بیان، بدیع، عروض وغیرہ کے تحت شعر کی تشریح کرتے ہیں، آخر میں 'الحاصل' کا عنوان دے کر شعر کا عمومی مفہوم بیان کرتے ہیں-

بروکلمین کے مطابق یہ شرح ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں حیدرآباد سے شائع ہوئی تھی[۴۹] اب ایک صدی بعد مجلس البرکات (الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور) کے زیر اہتمام ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۳ء میں اس کی اشاعت جدید عمل میں آئی ہے- علامہ محمد احمد مصباحی (صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور) نے نہایت عرق ریزی اور باریک بینی سے اس کی تصحیح وترتیب کی ہے، ابتدا میں مقدمے کے طور پر مولانا نفیس احمد مصباحی (استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور) نے عربی زبان میں تعارف مصنف تحریر کیا ہے، جو اختصار کے باوجود جامع ہے-

(۶) شرح قصیدۂ بانت سعاد از مولانا محمد عابد لاہوری: مولانا محمد عابد لاہوری (وفات: ۱۱۶۰ھ/ ۱۷۴۷ء) فقیہ، مفسر اور نہایت عابد وزاہد تھے، لاہور سے پیدل حرمین شریفین کا سفر

کیا اور حج بیت اللہ کی سعادت سے مشرف ہوئے ،آپ کی تصانیف میں حاشیہ تفسیر بیضاوی ، شرح خلاصہ کیدانی ، رسالہ وجوہ اعجاز القرآن ،رسالة فی الاربعة الاحتیاطیة بعد صلوٰۃ الجمعۃ، العشرۃ المبشرۃ فی فضائل الامۃ المرحومۃ قابل ذکر ہیں-آپ کی تصانیف کے ذیل میں شرح قصیدۂ بانت سعاد کا ذکر بھی کیا گیا ہے،تفصیلات معلوم نہ ہوسکیں[۵۰]

(۷) کافل الاسعاد: مولوی نجف علی خاں جھجری: مولوی نجف علی خاں بن قاضی محمد عظیم الدین (۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء) اپنے زمانے کے نامی گرامی فاضل تھے،یمین الدولہ وزیر الملک محمد علی خاں بہادر فرمانروائے محمد آباد ٹونک کے یہاں ملازم تھے،صاحب تصانیف کثیرہ تھے،جن میں تکملہ صولت فاروقی (بحر متقارب میں پچاس ہزار سے زیادہ اشعار) بحر الکلام (عربی میں غیر منقوطہ عبارت میں مقامات حریری کی شرح) شرح دیوان متنبی،شرح دیوان حماسہ اور حاشیہ مطول وغیرہ قابل ذکر ہیں-[۵۱]صاحب نزہۃ الخواطر کے بقول ''لغت،انشا،شعر اور تمام علوم ادبیہ پر یدطولیٰ رکھتے تھے-''[۵۲]

والی ٹونک محمد علی خاں کے حکم سے ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں آپ نے 'کافل الاسعاد' کے نام سے قصیدۂ بانت سعاد کی شرح لکھی تھی-[۵۳]

(۸) شرح بانت سعاد مفتی الٰہی بخش کاندھلوی: مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (ولادت: ۱۱۶۲ھ/ ۴۹-۱۷۴۸ء-وفات:۱۲۴۵ھ/ ۱۸۲۹ء) تیرہویں صدی ہجری کے بلند پایہ عالم، محدث ،ادیب ،شاعر،صوفی اور مصنف و مدرس تھے،شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے ارشد تلامذہ میں ہیں،عربی، فارسی، اردو میں ۱۰۰/ سے زیادہ کتابوں کے مصنف،شارح اور مترجم ہیں-آپ نے عربی میں بانت سعاد کی شرح کی ہے، یہ شرح بعض پہلوؤں سے ایک ممتاز اور منفرد شرح ہے،نورالحسن راشد کاندھلوی لکھتے ہیں:

> ''مفتی صاحب نے اس (قصیدۂ بانت سعاد) کی عربی میں نہایت عمدہ شرح لکھی ہے،جس میں اپنی جامعیت کا کمال دکھایا ہے-شرح کے علاوہ اس کا امتیاز اور انفرادیت یہ ہے کہ مفتی صاحب نے بانت سعاد کے ہر شعر کے مفہوم کو نئے انداز سے اسی ردیف وقافیہ میں نظم کیا ہے اور ہر ایک شعر کا فارسی و اردو میں منظوم ترجمہ

بھی کیا ہے-''[۵۴]

یہ شرح ۱۳۵۳ھ میں شائع ہوئی ہے، راقم کی نظر سے نہیں گزری-

(۹) الارشاد الی بانت سعاد: مولوی ذوالفقار علی دیو بندی: مولوی ذوالفقار علی دیو بندی (ولادت: تقریباً ۱۲۳۷ھ/ ۲۲-۱۸۲۱ء- وفات: ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء) مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی اور مولانا مملوک علی نانوتوی کے شاگرد تھے، عربی زبان وادب کا خاص ذوق تھا، تصانیف میں دیوان متنبی کی شرح بنام **تسھیل البیان فی شرح الدیوان، تسھیل الدراسة فی شرح دیوان الحماسة** اور **التعلیقات علی السبع المعلقات** قابل ذکر ہیں-

بانت سعاد کی شرح 'الارشاد الی بانت سعاد' کے نام سے کی ہے، ابتدا میں آٹھ صفحات کا مقدمہ ہے، جس میں قصیدے کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی ہے- یہ بہ یک وقت عربی اور اردو دونوں زبانوں کی شرح ہے، پہلے عربی میں حل لغات اور شعر کا معنی بیان کرتے ہیں، اس کے بعد 'ترجمہ' کے عنوان سے شعر کا ترجمہ اور معنی ومفہوم بیان کرتے ہیں- کتب خانہ قادریہ میں اس کا ایک قدیم نسخہ موجود ہے جو مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۳۱۷ھ/ ۱۹۰۰ء میں شائع ہوا ہے، متوسط سائز کے ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے-

تخمیس:

کوئی شاعر کسی قصیدے کے شعر پر تین مصرعے لگاتا ہے تو اس کو ''تخمیس'' کہتے ہیں، اردو میں اس صنف کو ''خمسہ'' کہتے ہیں- بانت سعاد پر خمسہ کہنے والوں کی بھی کمی نہیں ہے- بروکلمین نے ایسے ۱۲ شعرا کا ذکر کیا ہے جنہوں نے بانت سعاد کی تضمین بطور خمسہ کی ہے- ان میں مندرجہ ذیل حضرات شامل ہیں:

(۱) محمود نجار (وفات تقریباً ۱۰۸۸ھ)

(۲) صدقت اللہ قاہری (وفات: ۱۱۱۵ھ)

(۳) شعبان بن محمد بن داؤد القرشی (وفات: ۸۲۸ھ)

(۴) عیسیٰ بن عبد الرحمن السکتانی (وفات: ۱۰۶۲ھ)

(۵) شمس الدین البدماصی

(۶) شہاب الدین یحییٰ بن حبش سہروردی (وفات: ۵۸۷ھ)

(۷) فخر الدین عثمان بن علی الماردینی

(۸) خلیل الاشرفی الاسکندرانی

(۹) محمد بن عبد القادر بن عمر السنجاری الواسطی۔

ان کے خمسے کا نام ''**تنفیس الشدة وبلوغ المراد فی تخمیس بانت سعاد**'' ہے۔

(۱۰) احمد بن محمد الشرقاوی الجرجاوی (وفات: ۱۲۲۰ھ) [۵۵]

بانت سعاد کے ان مذکورہ خمسوں میں سے صرف دو ہی ہماری دسترس میں آسکے۔

(۱) احمد بن محمد الشرقاوی الجرجاوی کا مخمس جس کا پہلا بند یہ ہے:

قلبي علی حب من اهواه مجبول

ونقل شوقی علی العشاق مقبول

يا لائمي خلني فالعقل مخبول

بانت سعاد فقلبی اليوم متبول

متيم اثرها لم يفد مكبول

ترجمہ: میرا دل تو میرے محبوب کی محبت پر پیدا ہوا ہے اور عاشقوں کے درمیان میری محبت کی حکایت مقبول ہے۔ اے مجھے ملامت کرنے والے، مجھے میرے حال پر رہنے دے، (اس لیے کہ میری) عقل تباہ ہو چکی ہے، (کیوں کہ) سعاد جدا ہو گئی، میرا دل آج پریشان ہے، اس کے عشق میں مبتلا ہوں جس سے اب رہائی ممکن نہیں۔

(۲) شعبان بن محمد بن داؤد مصری کا مخمس جس کا پہلا بند یہ ہے:

قل للعواذل مهما شئتموا قولوا

فليس لي بعد من اهواه معقول

ناديت يوم النوی والدمع مسبول

بانت سعاد فقلبی اليوم متبول

متیم اثرها لم یفد مکبول

ترجمہ: ملامت کرنے والوں سے کہہ دو کہ وہ جو چاہیں کہتے پھریں، کیوں کہ مجھے تو اپنی محبوبہ کے بعداب کوئی ہوش ہی نہیں رہا- جدائی کے روز میں نے پکارا (اس حال میں کہ میرے) آنسو جاری تھے، ہائے سعاد جدا ہوگئی، میرا دل آج پریشان ہے،اس کے عشق میں مبتلا ہوں جس سے اب رہائی ممکن نہیں-

عمر رضا کحالہ نے معجم المؤلفین میں اور اسماعیل پاشا بغدادی نے ہدیۃ العارفین میں عثمان بن عبداللہ **العریانی الحنفی الکلیسی** (وفات: ۱۱۶۸ھ) کی تصانیف کے ذیل میں ''مرصاد المراد فی شرح تخمیس بانت سعاد'' کا ذکر کیا ہے-[۵۶] نام سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بانت سعاد کے کسی خمسے کی شرح ہے،اس سے زیادہ اس کتاب کے بارے میں اور کچھ معلوم نہیں ہوسکا-

تشطیر:

کسی شعر کے پہلے مصرع پر مصرعِ ثانی اور دوسرے مصرع پر مصرعِ اول لگا کر بند کی شکل دینے کو تشطیر کہتے ہیں،تضمین کا یہ طریقہ غالباًاردو میں اختیار نہیں کیا گیا-

بانت سعاد کی شہرت ومقبولیت اس حد کو پہنچی کہ بعض شعرا نے اس کی تشطیر بھی کر ڈالی- کارل بروکلمین نے آغا جلیل (وفات: تقریباً ۱۱۸۰ھ) عبدالرزاق الجندی (وفات: ۱۱۸۹ھ) اور عبدالقادر سعید رافعی فاروقی کی تشطیرات کا ذکر کیا ہے-[۵۷]

آخرالذکر شاعر کی تشطیر کا ایک نایاب نسخہ کتب خانہ قادریہ بدایوں میں محفوظ ہے- یہ شیخ عبدالقادر سعید رافعی حنفی طرابلسی چودہویں صدی ہجری کے عالم ہیں- آپ نے مکمل قصیدے کی تشطیر کی ہے- انہوں نے اس کے علاوہ امام بوصیری کے دو قصیدوں (بردہ اور ہمزیہ) کی بھی تشطیر کی ہے ، ان کی یہ تینوں تشطیر '' **نیل المراد فی تشطیر الھمزیۃ والبردۃ وبانت سعاد**'' کے نام سے شائع ہوئی ہے- کتب خانہ قادریہ میں جو نسخہ موجود ہے وہ مطبع التوفیق قاہرہ سے ۱۳۲۳ھ میں شائع ہوا ہے- بانت سعاد کی تشطیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول

والنوم والسھد مقطوع وموصول

والجسم بعد سعاد مدنف وصب

متیم اثرھا لم یفد مکبول

ترجمہ: سعاد جدا ہوگئی اس لیے میرا دل آج پریشان ہے، نیند اڑی ہوئی ہے اور بیداری جاری ہے۔(عاشق کا) جسم سعاد کے بعد بیمار وناتواں ہے، ایسا عشق میں مبتلا ہے کہ اس سے رہائی ممکن نہیں۔

السید عبدالرزاق الجندی العباسی (وفات:۱۱۸۹ھ) نے بانت سعاد کی تشطیر کی ہے، فرماتے ہیں:

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول

وکیف لا وفؤادالصب مشغول

واننی من غرام قد ولعت به

متیم اثرھا لم یفد مکبول

ترجمہ: سعاد جدا ہوگئی اس لیے میرا دل آج پریشان ہے اور کیوں نہ ہو کہ عاشق کا دل تو مبتلا رہتا ہی ہے۔اور مَیں تو اس عشق کی وجہ سے (جس میں مَیں پڑ گیا ہو) ایک اسیر ہوں جس کی رہائی ممکن نہیں۔

معارضہ:

کسی قصیدے یا غزل کے بالمقابل اسی بحر اور ردیف وقافیہ میں غزل یا قصیدہ نظم کرنے کو ''معارضہ'' کہتے ہیں۔ اردو میں بھی معارضے کا رواج ہے مگر اس کو یہ نام نہیں دیا جاتا، عموماً اس مفہوم کی ادائیگی کے لیے ''ہم زمین'' لفظ استعمال ہوتا ہے۔

بانت سعاد کا معارضہ کرنے والوں کی بھی کمی نہیں۔ بروکلمین نے صرف امام بوصیری اور عبدالہادی بن علی بن طاہر الحسنی کے معارضات کا ذکر کیا ہے۔[۵۸]

ڈاکٹر عمر محمد الطالب نے بانت سعاد کے ۷ رمعارض قصیدوں کا تذکرہ کیا ہے۔[۵۹]

ڈاکٹر عمر محمد الطالب نے جن معارضات کا ذکر کیا ہے ہم یہاں ان کا مختصراً تذکرہ کر رہے ہیں:

www.Qadri.info

(۱) ڈاکٹر عمر محمد الطالب کے بقول بانت سعاد کا سب سے پہلا معارضہ علی بن محمد بن علی بن احمد بن مروان العمرانی الخوارزمی (وفات: ۵۶۰ھ) نے کیا، قصیدے کا مطلع ہے:

اضاء برق وسجف الليل مسدول

كما يهز اليماني وهو مصقول

ترجمہ: رات کا پردہ پڑا تھا (یعنی تاریک رات تھی) کہ ایسی بجلی چمکی جیسے صیقل کی ہوئی یمنی تلوار لہراتی ہو۔

(۲) معارضہ شہاب العزازی: احمد بن عبدالملک شہاب العزازی (وفات: ۷۱۰ھ) نے بھی بانت سعاد کی طرز پر نعت رسول میں لامیہ قصیدہ کہا، قصیدے کا مطلع ہے:

دمي بأطلال ذات الخال مطلول

وجيش صبري مهزوم ومغلول

ترجمہ: میرا خون تل والی (محبوبہ) کے ٹیلوں پر بلا انتقام بہہ چکا ہے، اور میرے صبر کا لشکر شکست خوردہ اور پابہ زنجیر ہے۔

(۳) معارضہ ابو حیان اندلسی: ابو حیان اندلسی (وفات: ۷۴۵ھ) مفسر، ماہر لغت اور ماہر نحو وصرف کی حیثیت سے معروف ہیں، انہوں نے بانت سعاد کا معارضہ کیا ہے، ان کا معارض قصیدہ ۸۳/اشعار پر مشتمل ہے، قصیدے کا مطلع درج ذیل ہے:

لا تعذلاه فما ذو الحب معذول

العقل مختبل والقلب متبول

ترجمہ: آپ دونوں اس (عاشق) کی ملامت مت کیجیے، عاشق بھی کہیں معتوب ہوتا ہے؟ (کیوں کہ اس کی) عقل تباہ اور دل حیران ہے۔

ڈاکٹر عمر محمد الطالب نے ابن حیان کے اس قصیدے کا نام ذکر نہیں کیا ہے۔

ڈاکٹر احسان عباس نے قصیدے کا نام "**المورد العذب فی معارضة قصيدة كعب**" لکھا ہے۔[۶۰]

(۴) معارضہ تقی الدین: یہ شبیب بن حمدان تقی الدین الطبیب (وفات: ۶۹۵ھ) ہیں،

www.Qadri.info

مصر کے ادبا اور اطبا میں نمایاں ہیں، انہوں نے بھی بانت سعاد کی زمین میں نعتیہ قصیدہ کہا۔

(۵) معارضہ ابن نباتہ: علامہ جمال الدین محمد بن محمد ابن نباتہ مصری (وفات: ۷۶۸ھ) معروف ادیب وشاعر ہیں، انہوں نے قصیدۂ بانت سعاد کے معارض قصیدہ کہا، ان کے قصیدے میں ۷۹/اشعار ہیں، مطلع میں کہتے ہیں:

ماالطرف بعدکم بالنوم مکحول

هذا وکم بيننا من ربعکم ميل

ترجمہ: تمہارے بعد آنکھ میں نیند کا سرمہ نہ لگا، اس کے علاوہ ہمارے اور تمہاری جائے قیام کے درمیان کتنی میلوں کا فاصلہ ہے۔

(۶) معارضہ ابن الساعاتی: ابن ساعاتی نے بھی بانت سعاد کی زمین میں نعتیہ قصیدہ کہا ہے، جو ۴۷/اشعار پر مشتمل ہے، مطلع ہے:

جد الغرام وزاد القال والقيل

وذو الصبابةمعذور ومعذول

ترجمہ: عشق میں تیزی آئی اور چہ می گوئیاں بہت ہوگئیں، حالانکہ (بے چارہ) عاشق معذور بھی ہے اور معتوب بھی۔

(۷) معارضہ بوصیری: امام شرف الدین بوصیری (وفات: ۶۹۶ھ) ایک عظیم شاعر اور عاشق رسول کی حیثیت سے معروف ہیں، آپ کا قصیدہ میمیہ جو"قصیدۂ بردہ" کے نام سے مشہور ہے آج بھی دلوں میں عشق رسول کی شمع فروزاں کرتا ہے۔ آپ نے بانت سعاد کی زمین میں ایک طویل نعتیہ قصیدہ نظم کیا ہے، قصیدے کا نام"**ذخر المعاد فی موازنة بانت سعاد**" ہے، یہ قصیدہ ۲۰۴/اشعار پر مشتمل ہے۔ مطلع میں فرماتے ہیں:

الی متی انت بالذات مشغول

وانت عن کل ما قدمت مسئول

ترجمہ: کب تک تم اپنی ذات میں مشغول رہوگے؟ حالاں کہ تم نے جو کچھ بھی کیا ہے تمہیں اس کا جواب دینا ہوگا۔

www.Qadri.info

آخر الذکر دو قصائد کے لیے ڈاکٹر عمر محمد الطالب نے ''معارضہ'' کی بجائے ''موازنہ'' کا لفظ استعمال کیا ہے- ہمارے خیال میں ان دونوں اصطلاحوں میں فنی اعتبار سے کوئی بہت زیادہ فرق نہیں ہے-

ان حضرات کے علاوہ اور بھی کئی حضرات نے بانت سعاد کی زمین میں نعتیہ قصائد کہے ہیں- علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی (وفات: ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۲ء) کا نام محتاج تعارف نہیں ہے- آپ نے بانت سعاد کی زمین میں ۱۵۰/اشعار کا نعتیہ قصیدہ نظم کیا، قصیدے کا نام ''**سعادة المعاد فی موازنة بانت سعاد**'' ہے، قصیدے کا مطلع درج ذیل ہے:

هواي طيبة لا بيضاء عطبول

ومنيتى عينها الزرقاء لا النيل

ترجمہ: میری چاہت طیبہ (مدینہ منورہ) ہے، نہ کہ خوبصورت نوجوان دوشیزہ اور میری آرزوؤں کا مرکز اس (مدینہ منورہ) کی نہر 'زرقا' ہے نہ کہ (مصر کا) دریائے نیل-

ابن سید الناس الیعمری نے ''**عدة المعاد فی معارضة بانت سعاد**'' کے نام سے قصیدہ کہا ہے-

بانت سعاد کی شروحات، تضمینات، تشطیرات اور معارضات کی یہ ایک ناقص اور نامکمل فہرست ہے، اگر مزید تحقیق و تلاش کی جائے تو اس فہرست میں اضافہ کیا جا سکتا ہے-

(ماہ نامہ جامِ نور، دہلی، فروری/مارچ ۲۰۱۳ء)

حواشی

[۱] الاستیعاب فی معرفة الاصحاب: ابن عبد البر، ج ۱/ص ۲۱۹، ۲۲۰/ دائرة المعارف النظامیہ حیدر آباد/ ۱۳۳۶ھ

[۲] مرجع سابق

[۳] تاریخ الادب العربی: احمد حسن زیات، ص ۱۳۱/ اردو ترجمہ سید طفیل احمد مدنی/ الہ آباد/ ۱۹۸۵ء

[۴] تاریخ ادبیات عربی: سید ابوالفضل، ص ۹۴// انجمن فیضان ادب حیدر آباد/ طبع یازدہم ۲۰۰۹ء

[۵] تاریخ الادب العربی: عمر فروخ، ج ۱/ص ۲۸۳-

[۶] السیرة النبویة: ابن ہشام، ج ۴/ از ص ۲۷۸، تا ص ۲۹۰/ دار الکتب العلمیة بیروت/ طبع اول/ تحقیق مجدی بن منصور

www.Qadri.info

[۷]المستدرک علی الصحیحین: حاکم نیشاپوری، ج ۴ / ازص ۳، تا ۱۰ / دارالحرمین للطباعۃ والنشر قاہرہ/ ۱۹۹۷ء

[۸] دلائل النبوۃ: بیہقی، ج ۵ / ازص ۲۰۷ / دارالکتب العلمیۃ بیروت/ ۱۹۸۸ء/تحقیق ڈاکٹرعبدالمعطی قلعجی

[۹]المعجم الکبیر : سلیمان بن احمد الطبرانی، ج ۱۹ / ازص ۱۷۶، تاص ۱۷۹ / مکتبہ ابن تیمیہ قاہرہ/تحقیق حمدی عبدالمجید السّلفی

[۱۰] معرفۃ الصحابہ: ابونعیم اصفہانی، ازص ۲۳۷۷، تا ۲۳۷۹ / دار الوطن للنشر ریاض/ ۱۹۹۸ء/تحقیق عادل بن یوسف العزازی

[۱۱]الاصابۃ: ابن حجر عسقلانی، ج۹ / ازص ۲۷۱، تاص ۲۷۴ / قاہرہ/ ۲۰۰۸ء/تحقیق ڈاکٹرعبداللہ بن عبدالمحسن الترکی

[۱۲] اسدالغابۃ: عزالدین ابن اثیر، ج ۴ / ازص ۴۴۹، تاص ۴۵۱ / دارالکتب العلمیۃ بیروت/تحقیق علی محمد معوض و شیخ عادل احمد عبدالموجود

[۱۳] البدایۃ والنہایۃ: ابن کثیر، ج۷ / ازص ۱۲۳، تاص ۱۴۰ / قاہرہ/ ۱۹۹۷

[۱۴]الاستیعاب في معرفۃ الاصحاب: ابن عبدالبر، ج۱ / ازص ۲۰۹، تاص ۲۲۱ / دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد/ ۱۳۳۶ھ

[۱۵] المواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ: احمد بن محمد قسطلانی، ج۱ / ازص ۳۴۳، تا ۳۴۶ / دارالکتب العلمیہ بیروت/ ۱۹۹۶ء/تحقیق مامون بن محی الدین الجنان

[۱۶] الشعروالشعرا: ابن قتیبۃ دینوری، ج۱ / ص ۱۵۴، ۱۵۵ / دارالمعارف قاہرہ/ ۱۹۸۲ء/تحقیق احمد محمد شاکر

[۱۷] (الف) المستدرک علی الصحیحین: حاکم نیشاپوری، ج ۴ / ص ۴ / دارالحرمین للطباعۃ والنشر قاہرہ / ۱۹۹۷ء

(ب) دلائل النبوۃ: بیہقی، ج ۵ / ص ۲۰۸ / دارالکتب العلمیۃ بیروت/ ۱۹۸۸ء/تحقیق ڈاکٹرعبدالمعطی قلعجی

[۱۸]الف: المستدرک علی الصحیحین: حاکم نیشاپوری، ج ۴ / ص ۴-ب: دلائل النبوۃ: بیہقی، ج ۵ / ص ۲۰۸

[۱۹] ترجمہ ملخصاً از دلائل النبوۃ: بیہقی، ج ۵ / ص ۲۰۸، ۲۰۹

[۲۰]المستدرک علی الصحیحین: حاکم نیشاپوری، ج ۴ / ص ۴، ۵

[۲۱] تواریخ حبیب الہ: مفتی عنایت احمد کاکوروی، ص ۱۲۶ / مطبوعہ لاہور/ ۱۹۳۲ء

[۲۲]مرجع سابق نفس صفحہ

[۲۳]السیرۃ النبویۃ: ابن ہشام ج ۴ / ۲۷۸

[۲۴]مرجع سابق/ ج ۴ / ص ۲۷۹

[۲۵]مرجع سابق/ترجمہ ملخصاً/ ج ۴ / ص ۲۸۰، ۲۸۱

[۲۶] ترجمہ ملخصاً المواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ: احمد بن محمد القسطلانی، ج ۱ / ص ۳۴۵

www.Qadri.info

[۲۷]شرح الزرقانی علی المواہب: محمد بن عبدالباقی زرقانی/ ج ۴/ص ۶۲ / دارالکتب العلمیۃ بیروت/ ۱۹۹۶ء

[۲۸] تاریخ ابن خلدون: عبدالرحمن بن خلدون، ج ۲ / ۴۶۷ / دارالفکر للطباعۃ والنشر بیروت/ ۲۰۰۰ء/تحقیق خلیل شحادہ

[۲۹] اسد الغابہ: ابن اثیر، ج ۴ /ص ۴۵۱ / دارالکتب العلمیۃ بیروت/تحقیق علی محمد معوض وشیخ عادل احمد عبدالموجود

[۳۰] البدایۃ والنہایۃ: ابن کثیر، ج ۷ /ص ۱۳۷ / دار ہجر قاہرہ/ ۱۹۹۷ء

[۳۱] معجم الصحابۃ لابن قانع: ج ۲ /ص ۳۸۱ / مکتبہ غرباء الاثریہ/تحقیق ابو عبدالرحمن صلاح بن سالم المصراتی

[۳۲] الاصابة فی تمییز الصحابة: ابن حجر عسقلانی، ج ۹ /ص ۲۷۳ / قاہرہ/ ۲۰۰۸ء/تحقیق ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی

[۳۳] الاسعاد فی بانت سعاد: ص ۵ /مطبع حلبی قاہرہ/ ۱۳۰۷ھ

[۳۴] تاریخ التمدن الاسلامی: جرجی زیدان، ج ۱ / ۱۲۹ / دار مکتبۃ الحیاۃ، بیروت/غیر مؤرخ

[۳۵] السیرۃ النبویۃ: ابن ہشام، ج ۴ / ۲۸۸ / دارالکتب العلمیۃ بیروت/طبع اول/تحقیق مجدی بن منصور

[۳۶] المعجم الکبیر: الطبرانی، ج ۱۹ /ص ۱۷۹-۱۷۸ / مکتبہ ابن تیمیہ قاہرہ/تحقیق حمدی عبدالمجید السلفی

[۳۷] المستدرک علی الصحیحین: حاکم نیشاپوری، ج ۴ /ص ۹،۱۰ / دارالحرمین للطباعۃ والنشر قاہرہ/ ۱۹۹۷ء

[۳۸] السیرۃ النبویۃ: ابن ہشام، ج ۴ / ۲۸۹ / دارالکتب العلمیۃ بیروت/طبع اول/تحقیق مجدی بن منصور

[۳۹] نفح الطیب: احمد بن محمد المقری، ص ۲۵۴ / (آن لائن ایڈیشن)

[۴۰] کشف الظنون: حاجی خلیفہ، ج ۲ /ص ۱۳۳۰ / داراحیاء التراث العربی بیروت-

[۴۱] تاریخ الادب العربی: کارل بروکلمین، ج ۱ /ص ۱۵۸ تا ص ۱۶۰ /عربی ترجمہ عبدالحلیم النجار/ دارالمعارف قاہرہ/ ۱۹۸۳ء

[۴۲] شرح خطیب تبریزی علی بانت سعاد: ص ۲۰ /مکتبۃ الآداب قاہرہ/ ۲۰۰۳ء

[۴۳] تاریخ الادب العربی: کارل بروکلمین، ج ۱ /ص ۱۵۸ تا ص ۱۶۰ /عربی ترجمہ عبدالحلیم النجار/ دارالمعارف قاہرہ/ ۱۹۸۳ء

[۴۴] اکمل التاریخ: ضیاء القادری، ج ۱ ص ۴۲ /مطبع قادری بدایوں/ ۱۹۱۵ء

[۴۵] اس علمی معرکہ آرائی کی تفصیل کے لیے دیکھیے راقم کی کتاب 'خیر آبادیات' از: ص ۱۷۸ تا ۱۸۲

[۴۶] نزہۃ الخواطر: سید عبدالحی لکھنوی، ج ۷ /ص ۴۱ /لکھنؤ/ ۱۹۹۲ء

[۴۷] تذکرہ علمائے ہند: رحمن علی، ص ۱۲۷ / ترجمہ وتحشیہ ڈاکٹر ایوب قادری/کراچی/ ۱۹۶۱ء

[۴۸] مرجع سابق، ص ۲۳۹

[۴۹] تاریخ الادب العربی: کارل بروکلمین، ص ۱۵۸

[۵۰] دیکھیے: تذکرہ علمائے ہند: رحمن علی، ص ۴۴۹

[۵۱] دیکھیے: تذکرہ علمائے ہند: رحمن علی، ص ۴۴۹

www.Qadri.info

[۵۲]نزہۃ الخواطر: ج ۷ / ۵۴۳ /لکھنؤ/ ۱۹۹۲ء

[۵۳]دیکھیے: تذکرہ علمائے ہند: رحمن علی،ص ۴۴۹ / ترجمہ وتحشیہ ڈاکٹر ایوب قادری/کراچی/۱۹۶۱ء

[۵۴]مختصر تذکرہ مفتی الٰہی بخش نشاط کاندھلوی: نورالحسن راشد کاندھلوی،ص ۶۰/۶۱ /مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ/۲۰۰۱ء

[۵۵]ملخصاً از تاریخ الادب العربی: کارل بروکلمین ، ج ۱ /ص ۱۶۱

[۵۶]معجم المؤلفین: عمر رضا کحالہ، ج ۲ /ص ۳۶۳-ہدیۃ العارفین: اسماعیل پاشا بغدادی، ج ۱ /ص ۶۵۸

[۵۷]تاریخ الادب العربی: کارل بروکلمین ، ج ۱ /ص ۱۶۲

[۵۸]مرجع سابق، ج/ص ۱۵۸/تاص ۱۶۰

[۵۹]دیکھیے: دراسة فی تحلیل النصوص الادبیة والشعریة: عمر محمد طالب/منشورات اتحاد الکتاب العربی دمشق/ ۲۰۰۰ء

[۶۰]دیکھیے: تاریخ الادب العربی فی الاندلس: احسان عباس-(آن لائن ایڈیشن)

❑❑❑

www.Qadri.info

قصیدتان رائعتان: ایک تحقیقی مطالعہ

تمہید وتعارف:

سیف اللہ المسلول معین الحق جدنا ومولانا شاہ فضل رسول قادری عثمانی بدایونی (ولادت: ۱۲۱۳ھ/ ۱۷۹۸ء- وفات: ۱۲۸۹ھ/ ۱۸۷۲ء) برصغیر ہندو پاک کے جید عالم دین، متکلم، اصولی، مناظر، مصنف، خدا رسیدہ بزرگ اور اپنے زمانے میں اہل سنت وجماعت کے مقتدا وپیشوا کی حیثیت سے مشہور ومعروف ہیں-

تیرہویں صدی کے ارباب فضل وکمال کے درمیان حضرت سیف اللہ المسلول کی ذات جامعیت کے اعتبار سے ایک نمایاں مقام رکھتی ہے- بیک وقت معقول ومنقول میں مہارت، علوم ظاہر وباطن کی جامعیت، تصنیف وتالیف، درس وتدریس اور تربیت وتزکیہ ہر مسند پر آپ کی شخصیت ایک امتیازی اور نمایاں شان میں نظر آتی ہے-

آپ کی دینی اور علمی خدمات کی متعدد جہتیں ہیں جن میں ایک اہم گوشہ بدعقیدگی، فکری انحراف، اور اہانتِ انبیا واولیا کی تحریک کے خلاف آپ کے جہاد بالقلم سے عبارت ہے- تیرہویں صدی کے وسط میں جب شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے مخصوص عقائد ونظریات کو ہندوستان میں درآمد کیا گیا تو اس کے خلاف جہاد بالقلم کرنے والوں میں ایک اہم کردار حضرت سیف اللہ المسلول نے ادا کیا اور اسلامیان ہند کے عقائد ومسلک کے تحفظ کے لیے تصنیف وتالیف کا ایک ایسا سلسلہ قائم فرمایا جس کے ذریعے حق وباطل کے درمیان خط امتیاز نمایاں ہوگیا-

آپ کی شخصیت کی یہی جامعیت، علمی خدمات اور بالخصوص احقاق حق وابطال باطل کے یہی کارنامے ہیں جنھوں نے اہل علم ومعرفت کو متاثر کیا، جس کے نتیجے میں معاصرین نے کھلے

www.Qadri.info

دل سے آپ کی خدمات کا اعتراف کیا اور متاخرین نے آپ کی ذات اور خدمات کو اپنا موضوع تحقیق بنایا، آپ کی شان میں قصائد نظم کیے، آپ کی کتابوں پر حاشیے لکھے، آپ کی تحقیقات کو بطور حوالہ پیش کیا اور آپ کو اپنا مقتدا و پیشوا تسلیم کیا-

زیر نظر قصائد بھی اسی اعتراف خدمات اور خراج عقیدت و محبت کی ایک نہایت عمدہ اور مضبوط کڑی ہیں-قصائد کے شاعر و ناظم فقیہ اسلام حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا نام کسی تعارف یا تعریف کا محتاج نہیں-آپ کی شخصیت، علمی مقام اور دینی خدمات کا ایک زمانہ معترف تھا اور آج بھی ہے- چوں کہ ابتدا ہی سے آپ نے بدمذہبیت اور فکری انحراف کے ردو ابطال کو اپنا خصوصی موضوع قرار دیا تھا، لہٰذا آپ سے پہلے جو حضرات اس میدان کے شہسوار رہ چکے تھے، ان سے متأثر ہونا ایک فطری امر تھا-آپ نے حضرت سیف اللہ المسلول کی تصانیف کا مطالعہ کیا، ان کے تلامذہ و خلفا کی شکل میں ان کی تدریسی اور تربیتی خدمات کا مشاہدہ کیا، ان کی دعوتی اور اصلاحی مساعی کے اثرات کو دیکھا، ان کے روحانی مقام و مرتبے کے بارے میں سنا، ان کے عشق رسول اور نسبت قادریت و برکاتیت کے جلوے دیکھے- ان تمام باتوں نے حضرت فاضل بریلوی کو حضرت سیف اللہ المسلول کی شخصیت نے متأثر کیا، دل میں عقیدت و محبت، قدر شناسی و قدردانی کی شمع روشن ہوئی - جب ان جذبات و احساسات کی خوشبو قلب کی عمیق گہرائیوں سے نکل کر باہر کی دنیا میں پھیلی تو اس نے اِن دو فصیح و بلیغ قصیدوں کی شکل اختیار کر لی-

سنہ تالیف و سبب تالیف:

حضرت سیف اللہ المسلول کے وصال (۱۲۸۹ھ) کے بعد سے ۱۳۱۹ھ تک آپ کا عرس ہر سال یکم جمادی الاخریٰ سے ۷/ جمادی الاخریٰ تک منعقد ہوا کرتا تھا، (اب یہ عرس ۲/ ۳/ جمادی الاخریٰ کو دو روزہ ہوتا ہے)، جس میں ہندوستان کے مشاہیر علما و مشائخ تشریف فرما ہوا کرتے تھے- اُس وقت حضرت تاج الفحول خانقاہ کے صاحب سجادہ تھے اور حضرت مولانا انوار الحق عثمانی بدایونی (وفات: ۱۳۰۴ھ) عرس قادری کے مہتمم و ناظم ہوا کرتے تھے-ان کی وفات کے بعد اہتمام و نظامت کا یہ منصب حکیم عبد القیوم شہید قادری بدایونی (وفات: ۱۳۱۸ھ)

www.Qadri.info

کوتفویض ہوا

ان اعراس میں حضرت فاضل بریلوی کی بھی شرکت ہوا کرتی تھی، عرس منعقدہ ۱۳۰۰ھ میں حضرت فاضل بریلوی شریک تھے، آپ نے عرس کی محفل میں دو عربی قصیدے حضرت سیف اللہ المسلول کی منقبت میں پیش کیے۔ ان میں پہلا قصیدۂ نونیہ ہے اور دوسرا قصیدۂ دالیہ۔

پہلے طریقہ یہ تھا کہ عرس میں جو تازہ نعت ومناقب پیش کی جاتی تھیں، وہ ایک مجموعے میں عرس کی مختصر روداد کے ساتھ شائع کردی جاتی تھیں۔ سنہ ۱۳۰۰ھ کے عرس کی روداد 'ماہ تابان اوج معرفت' کے تاریخی نام سے شائع ہوئی تھی، اس میں قصیدۂ دالیہ کو مندرجہ ذیل عنوان کے تحت شائع کیا گیا:

قصیدہ فریدہ عربیہ بہیہ

نتیجہ طبع وقاد وذہن نقاد، جناب مستطاب، جامع الکمال، قامع بنیان اہل ضلال، حامی مراسم دین متین، مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب قادری برکاتی بریلوی دامت برکاتہم (☆۱)

قصیدۂ نونیہ غالباً طوالت کے باعث اس مجموعے میں شائع نہیں کیا گیا۔

قصائد کے تاریخی نام:

قصیدۂ نونیہ کا نام 'مدائح فضل الرسول' اور دالیہ کا نام 'حماید فضل الرسول' ہے۔ یہ دونوں تاریخی نام ہیں، جن سے ان کا سنہ نظم ۱۳۰۰ھ برآمد ہورہا ہے۔

ایک صاحب قلم نے قصیدۂ نونیہ کا نام 'حمائد فضل رسول' اور دالیہ کا 'مدائح فضل رسول' لکھا ہے، جو درست نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری نے '**المجمل المعدد**' میں ان دونوں قصائد کا ذکر کیا ہے، 'حماید فضل الرسول' کے آگے 'مطبوعہ' لکھا ہے اور 'مدائح فضل الرسول' کو 'مبیضہ' لکھا ہے۔ یہ بات معلوم ہے کہ اُس وقت (**المجمل المعدد** کی تالیف) تک ان دونوں میں صرف دالیہ ہی 'ماہ تابان اوج معرفت' میں شائع ہوا تھا، نونیہ

☆ ماہِ تابان اوجِ معرفت: مرتبہ محمد اعظم علی قادری بدایونی، ص ۶، مطبوعہ میرٹھ، ۱۳۰۰ھ

اُس وقت تک غیر مطبوعہ تھا، لہٰذا یہ متعین ہو گیا کہ نونیہ 'مدائح فضل الرسول' ہے اور دالیہ 'حمایدِ فضل الرسول' ہے۔

فاضل بریلوی کے عربی دیوان 'بساتین الغفران' کے جامع و مرتب ڈاکٹر حازم محفوظ سمیت بہت سے اہل علم و تحقیق نے قصیدوں کا نام 'حمائد فضل رسول' اور مدائح فضل رسول' لکھا ہے، یہ بھی درست نہیں ہے، کیوں کہ موجودہ حالت میں ان سے ۱۲۵۹ عدد برآمد ہو رہے ہیں، حالاں کہ ۱۳۰۰ برآمد ہونا چاہیے۔ دراصل حمائد اور مدائح کو یا سے حمایداور مدایح اور رسول کو الف لام کے ساتھ الرسول لکھا جائے تو بلا تکلف ۱۳۰۰ برآمد ہوگا اور یہی مطلوب ہے۔

اشعار کی تعداد:

ان قصائد میں پہلا قصیدہ نون کی روی پر بحر کامل میں ہے، اس کے اشعار کی تعداد ۲۴۳ ہے۔ دوسرا قصیدہ دالیہ بحر کامل مجزو میں ہے، جس میں ۷۰/اشعار ہیں۔ دونوں کے اشعار کی مجموعی تعداد ۳۱۳/ہوتی ہے۔ حضرت فاضل بریلوی نے مقدمے میں لکھا ہے کہ اشعار کی یہ تعداد اصحاب بدر کی تعداد کی مناسبت سے رکھی گئی ہے۔

مخطوطے کا تعارف:

یہ قصائد حضرت فاضل بریلوی اپنے ہاتھ سے نہایت عمدہ خوش خط نقل کر کے لائے تھے، عرس کی محفل میں پڑھنے کے بعد آپ نے یہ قصائد حضرت تاج الفحول کی خدمت میں پیش کر دیے۔ حضرت تاج الفحول نے قصیدوں کا یہ اصل نسخہ کتب خانہ قادریہ بدایوں میں محفوظ کر دیا، جس نے ایک صدی سے زیادہ عرصے تک اس در نایاب کی حفاظت کی۔ ۱۹۸۹ء میں المجمع الاسلامی، مبارک پور کی اشاعت سے قبل تک ۲۴۳/اشعار پر مشتمل قصیدۂ نونیہ کا روئے زمین پر یہ واحد نسخہ تھا، اگر یہ تلف ہو جاتا یا دست برد زمانہ کا شکار ہو جاتا تو علمی دنیا ایک اعلیٰ فن پارے سے محروم ہو جاتی۔

یہ اصل نسخہ آج بھی صحیح حالت میں کتب خانہ قادریہ بدایوں کے ذخیرۂ مخطوطات کی زینت ہے۔ یہ نسخہ ہمارے پیش نظر ہے جو متوسط سائز کے ۱۴/اوراق پر مشتمل ہے، بین السطور میں خود مصنف کی جانب سے مشکل الفاظ کے معانی اور جگہ جگہ حاشیے میں اہم اشارات موجود ہیں۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ یہ مخطوطہ خود جنابِ مصنف کے ہاتھ کا نقل کردہ ہے لیکن دیکھنے سے ایسا لگتا ہے کہ فنِ کتابت کے رمز شناس کسی ماہر و مشاق کاتب نے بہت فرصت واطمینان سے ان کو نقل کیا ہے، اس سے حضرت فاضل بریلوی کی شخصی جامعیت کی ایک نئی جہت سامنے آتی ہے۔

قصیدتان کی بازیافت اور اشاعت:

پیچھے عرض کیا گیا کہ ان دونوں قصائد میں سے پہلا قصیدہ (نونیہ) اپنی تصنیف کے ایک صدی بعد تک تشنہ طباعت رہا۔ دوسرا قصیدہ (دالیہ) اُس زمانے میں عرس کی روداد 'ماہ تابانِ اوج معرفت' میں شائع ضرور ہوگیا، مگر اول تو اس کی اشاعت بہت مخصوص اور محدود تھی اور پھر اس پر بھی ایک صدی گزر چکی تھی۔ اس قصیدۂ دالیہ کے کچھ شعر فاضل بریلوی نے اپنے رسالے 'رحب الساحۃ' (☆۱) میں نقل کیے ہیں، وہیں سے مولانا محبوب علی خاں لکھنوی نے اپنی مرتبہ 'حدائق بخشش حصہ سوم' میں شامل کر لیے۔ یہ ۱۷/اشعار ہیں، ان میں ۲/شعر ایسے ہیں، جو مخطوطے میں شامل نہیں ہیں:

وأدم صلاتک والسلا م علی الحبیب الأجود

واجعل بہا احمد رضا عبداً بِحرز السید

اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ باوجودے کہ مولانا محبوب علی خاں نے فاضل بریلوی کا منتشر عربی، فارسی، اردو کلام جمع کرنے میں انتہائی محنت اور تتبع وتلاش سے کام لیا لیکن 'ماہ تابان اوج معرفت' یا قصیدوں کے مخطوطے کا ان کو بھی علم نہیں ہوسکا، ورنہ وہ بجائے ۱۷/اشعار کے پورا قصیدہ ہی نقل کر دیتے۔ ۱۳۳/اشعار میں سے صرف یہی ۱۷/اشعار تھے جو 'رحب الساحۃ' یا حصہ سوم کے ذریعے لوگوں کے علم میں آئے۔

۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۸ء تک گنتی کے چند افراد کے علاوہ عام اہل علم تو کجا رضویات کے ماہرین بھی ان قصیدوں کے موجود و محفوظ ہونے سے مکمل طور پر لاعلم تھے۔ صفر ۱۴۰۹ھ/ستمبر ۱۹۸۸ء میں گرامی قدر حضرت مولانا محمد احمد مصباحی (صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور) مدرسہ

☆ مشمولہ فتاویٰ رضویہ (جدید): جلد دوم/ص ۴۲۲، پوربندر، ۲۰۰۳ء

www.Qadri.info

قادریہ، بدایوں تشریف لائے، دوران گفتگو حضرت الشیخ عبدالحمید محمد سالم قادری مدظلہ (زیب سجادہ خانقاہ قادریہ، بدایوں) نے ان قصائد کا تذکرہ کیا اور ان کے نایاب مخطوطے کی زیارت کروائی۔ مصباحی صاحب نے اس نایاب مخطوطے کے عکس کی خواہش ظاہر کی، حضرت صاحب سجادہ مدظلہ نے علم دوستی، معارف پروری، مثبت فکر اور اپنی اعلیٰ ظرفی وکشادہ قلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بغیر کسی پس وپیش کے اس مخطوطے کا عکس مصباحی صاحب کو عنایت فرما دیا۔

حضرت مصباحی صاحب نے چند ماہ بعد جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ/ جنوری ۱۹۸۹ء میں اس نایاب مخطوطے کا عکس 'قصیدتان رائعتان' کے نام سے المجمع الاسلامی مبارک پور سے شائع کر دیا۔ اس اشاعت کے پیش لفظ میں مصباحی صاحب نے اس حقیقت کا ان الفاظ میں اعتراف کیا ہے:

> وكانتا بخط العلامة البريلوي عندالشيخ عبدالحميد سالم القادري حفيد تاج الفحول الشيخ عبدالقادر بن العلامة فضل رسول البدايوني قدست أسرارهم فشرفني بزيارتهما حين اجتمعت به في ۵/ من صفر ۱۴۰۹ھ بدارالعلوم القادرية ببدايون الشريفة مع الأستاذ الأكبر الخواجة مظفر حسين الرضوي وسألته أن يمنحني صورتهما العكسية فأجابني على طلبي بدون ضن ومطل، وقد رأيت كثيرا من أهل الفضل والمثالة يضنون بما عندهم من تراث الأعلام الماضين وتشتاق اليه نفوس الجيل الحاضر فلا ينشرونه بأنفسهم ولا يمكنون أحدا من المحبين أن ينشره هكذا تضيع النفائس۔(☆[1])

ترجمہ: یہ دونوں قصیدے علامہ بریلوی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے شیخ عبدالحمید سالم القادری (نبیرۂ تاج الفحول شیخ عبدالقادر بن علامہ فضل رسول قدست اسرارہم) کے پاس تھے، ۵/صفر ۱۴۰۹ھ کو دارالعلوم قادریہ بدایوں شریف میں حضرت

☆ پیش لفظ: قصیدتان رائعتان: ص ۲، المجمع الاسلامی مبارک پور، ۱۹۸۹ء

www.Qadri.info

خواجہ مظفر حسین رضوی صاحب کے ساتھ جب مَیں نے ان سے ملاقات کی تو آپ نے دونوں قصیدوں کی زیارت کا شرف بخشا- مَیں نے حضرت سے گزارش کی کہ مجھے ان کا عکس عنایت فرمائیں-آپ نے بغیر کسی بخل اور پس و پیش کے میری درخواست منظور کی-اہل فضل میں سے مَیں نے بہت لوگوں کو دیکھا ہے کہ ان کے پاس گذشتہ اکابر کا علمی خزانہ موجود ہوتا ہے،جس کے لیے موجودہ نسل بڑی مشتاق ہوتی ہے،مگر وہ (اصحاب فضل)اس سلسلے میں بڑے بخل سے کام لیتے ہیں، نہ خود ان کی اشاعت کرتے ہیں اور نہ ہی محبین (علم) میں سے کسی دوسرے کو موقع دیتے ہیں کہ وہ ان کو شائع کرے اس طرح عمدہ (نایاب) چیزیں ضائع ہوجاتی ہیں-

المجمع الاسلامی مبارک پور کی یہ اشاعت ۴۰ رصفحات پر مشتمل ہے،ایک صفحے میں حضرت مولانا محمد احمد مصباحی کا پیش لفظ ہے جس کا ایک اقتباس ہم نے پیچھے نقل کیا ہے، پھر ۸ رصفحات میں بزبان عربی مصباحی صاحب نے قصیدتان رائعتان کے شاعر حضرت فاضل بریلوی کی حیات اور علمی و دینی خدمات پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے-اس کے بعد صفحہ ۱۲ر سے صفحہ ۳۹ رتک قصیدتان رائعتان کے قلمی نسخے کا عکس ہے، صفحہ ۴۰ر پر کتابوں کا اشتہار ہے-

مختلف اشاعتیں اور تحقیقی کام:

اس طرح پہلی مرتبہ المجمع الاسلامی مبارک پور کے توسط سے یہ سرمایہ منظر عام پر آیا اور ہند و پاک و عرب کے اہل علم و تحقیق اس کی جانب متوجہ ہوئے-اس اشاعت کے چند ماہ بعد اپریل ۱۹۸۹ء میں ماہنامہ قاری دہلی کا ''امام احمد رضا نمبر'' شائع ہوا تو مدیر قاری نے المجمع الاسلامی والے نسخے سے قصیدتان کا عکس ایک مختصر نوٹ کے ساتھ شامل شمارہ کرلیا-

ڈاکٹر حازم محمد محفوظ (استاذ شعبہ اردو، جامعہ ازہر، مصر) نے فاضل بریلوی کا عربی کلام 'بساتین الغفران' (☆۱) کے نام سے جمع کیا تو اس میں سب سے مقدم انہی دونوں قصیدوں کو رکھا-انہوں نے فاضل بریلوی کے بین السطور اور حواشی کو بھی نمبر ڈال کر قصیدوں کے آخر میں

☆مطبوعہ لاہور، پاکستان، ۱۹۹۷ء

www.Qadri.info

درج کر دیا ہے، جس سے قصیدوں کی تفہیم میں آسانی ہوگئی ہے-

ان قصائد پر اب تک کا سب سے جامع تحقیقی اور وقیع کام محب گرامی مولانا ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی ازہری (ابن علامہ عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ) نے کیا ہے- انہوں نے جامعہ ازہر (قاہرہ، مصر) میں 'الشیخ أحمد رضا خان البریلوي الهندي : شاعراً عربیاً' کے عنوان سے ایم-فل کا مقالہ لکھا، جس پر ۱۹۹۹ء میں انہیں ڈگری ایوارڈ ہوئی (☆۱)- ڈاکٹر سدیدی نے اپنے اِس مقالے میں مختلف جہتوں سے اِن قصائد کا تحقیقی مطالعہ اور فنی تجزیہ کیا ہے، ساتھ ہی ان کے خصائص لغویہ واسلوبیہ پر بڑی فنی مہارت سے روشنی ڈالی ہے- اس پر ان کی عربی نثر کی شائستگی وشستگی مستزاد-

۲۰۰۱ء/ ۲۰۰۲ء میں عراق کے ایک نامور ادیب وشاعر اور محقق وناقد ڈاکٹر رشید عبدالرحمن عبیدی نے قصیدتان رائعتان پر تحقیقی کام کیا-

ڈاکٹر محمد مجید السعید (سابق وائس چانسلر جامعہ صدام، بغداد، عراق) نے عربی دیوان 'بساتین الغفران ' کا تحقیقی مطالعہ کیا، جس کے نتیجے میں ان کی کتاب 'شاعر من الهند' (☆☆۲) معرض وجود میں آئی، اس میں انہوں نے قصیدتان رائعتان کی زبان واسلوب کا تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے-

گذشتہ سطور میں جتنے تحقیقی کاموں کا ذکر ہوا وہ سب کے سب عربی زبان میں ہیں، میری معلومات کی حد تک اردو میں اب تک ان پر کوئی قابل ذکر کام نہیں ہوا، نہ ہی ان کا اردو ترجمہ و تشریح منظر عام پر آسکی۔ گرامی قدر مکرمی مولانا نفیس احمد مصباحی (استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور) نے کئی سال پہلے ان قصائد کا اردو ترجمہ اور ان کی تشریح وتحقیق کا کام کیا تھا، لیکن کسی وجہ سے یہ ابھی تک زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہوسکا۔ تاہم ان کی شرح دیوان متنبی (عربی) اور شرح قصیدۂ بردہ (اردو) کو دیکھتے ہوئے خیال کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اِن قصائد کے ترجمہ وتشریح کا کام شایانِ شان طریقے سے کیا ہوگا-

---

☆مطبوعہ لاہور، پاکستان، ۱۹۹۷ء

☆☆۲۰۷ رصفحات کی یہ تھیسس مؤسسۃ الشرف، لاہور نے ۲۰۰۲ء میں شائع کر دیا ہے-

www.Qadri.info

قصیدۂ نونیہ کا موضوعاتی جائزہ:

ان دونوں قصائد کی غرض اساسی حضرت سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کی مدح وتعریف ہے، کیوں کہ یہ خصوصیت سے آپ کے عرس کے موقع پر پیش کرنے کے لیے نظم کیے گئے تھے، لیکن اس غرض اساسی کے پہلو بہ پہلو (بالخصوص قصیدۂ نونیہ میں) بعض دیگر موضوعات سے بھی تعرض کیا گیا ہے-سطور ذیل میں ہم ان دونوں قصائد کا موضوعاتی تجزیہ پیش کرر ہے ہیں-

۲۴۳ر اشعار پر مشتمل قصیدۂ نونیہ اپنی ساخت، ہیئت اور عناصر واجزائے ترکیبی کے لحاظ سے ایک مکمل قصیدہ ہے، اس کے عناصر یا اجزائے ترکیبی مندرجہ ذیل ہیں:

تشبیب: ۲۴ر اشعار

گریز :۱۵ر اشعار

مدح سیف اللہ المسلول: ۴۲ر اشعار

معاندین سیف اللہ المسلول کی مذمت وہجو: ۱۰ر اشعار

سیف اللہ المسلول سے توسل واستعانت: ۱۵ر اشعار

حضرت شاہ عین الحق عبد المجید قادری قدس سرہٗ سے توسل واستعانت: ۱۰ر اشعار

خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی قدس سرہٗ کی مدح: ۵ر اشعار

حضرت شاہ عین الحق اور سیف اللہ المسلول کی مشترکہ مدح: ۱۰ر اشعار

حضرت تاج الفحول کی مدح: ۱۵ر اشعار

تاج الفحول کے معاندین ومخالفین کی مذمت وہجو: ۱۳ر اشعار

منقبت غوث اعظم اور آپ سے توسل واستعانت: ۳۵ر اشعار

بارگاہ رب العزت میں دعا ومناجات: ۳۴ر اشعار

اپنے والد اور اپنے جد مکرم کے لیے دعائے مغفرت: ۵ر اشعار

اہل دین کے لیے عمومی دعا: ۳ر اشعار

حمد وثنا، درود وسلام اور اختتام: ۷ر اشعار

ان میں کچھ مضامین بظاہر ایک دوسرے سے جدا نظر آتے ہیں، مگر عقیدہ وعقیدت کی ایک غیر مرئی 'سلکِ مروارید' اور سلسلہ طریقت کا ایک روحانی تسلسل ہے جس نے ان کی کثرت کو وحدت اور اختلاف کو اتحاد کی صورت عطا کر دی ہے، لہٰذا اس رائے سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا کہ ''یہ قصیدہ وحدت موضوع کے فقدان کی بنیاد پر اپنی ساخت اور ہیئت کے لحاظ سے غیر مربوط اور قیمتی موتیوں کا ایک بے ترتیب مجموعہ ہے۔''

عربی کی قدیم شاعری تشبیب وتمہید کی پُر پیچ راہوں سے گزر کر گریز کرتی ہوئی اپنی منزل کی طرف بڑھتی ہے- یہ قصیدہ اسی قدیم عربی اسلوب کا ترجمان ہے، قدیم عربی قصیدے کی روایت کے مطابق تشبیب و گریز سے گزرتا ہوا اصل مضمون یعنی مدح کی طرف آتا ہے، پھر بعض دیگر موضوعات ومضامین سے گزرتا ہوا دعا اور حمد وصلاۃ پر اختتام پذیر ہوتا ہے-

قصیدے کا آغاز اِس طرح ہوتا ہے کہ فاختہ اپنے بچھڑے ہوئے ساتھی کی یاد میں رو رہی ہے، اس کو روتا دیکھ کر عاشق کو بھی اپنے محبوب کا خیال آجاتا ہے جس سے اس کے بھی آنسو جاری ہو جاتے ہیں- عاشق اپنے محبوب کی یاد میں رو رہا ہے، ہلال عید سے اس کا پتہ پوچھ رہا ہے، وہ کہاں ہے کب آئے گا، کب اس سے ملاقات ہوگی؟ پھر فراق یار میں اپنی بے چینی واضطراب، محبوب کے جور وستم، اس کی وعدہ خلافی وبے وفائی، اس کے حسن وجمال، اس کی رفتار اور اس کی جادو نگاہی کا مسلسل مضمون ۲۴ رویں شعر پر اس طرح مکمل ہوتا ہے:

فَوَ مِحْنَتِيْ أَحَدُ الثَّلَاثَةِ كَائِنٌ　　　أَمْضِيْ كَذَا أَوْ مِتُّ أَوْ تَلْقَانِيْ

ترجمہ: میری آزمائش وابتلا کی قسم! تین میں سے ایک بات ہو کر رہے گی یا تو مَیں اسی حال میں رہوں گا یا (پھر) مر جاؤں گا یا (بالآخر) محبوب مجھ سے ملاقات کرے گا-

جو اردو داں حضرات عربی شعر وسخن کی نزاکتوں اور تقاضوں سے واقف نہیں ہیں، ممکن ہے ان کو تشبیب کے یہ اشعار تشویش میں ڈال دیں، ہم ایسے حضرات کی تشویش دور کرنے کے لیے ان کو شاعر دربار رسالت صحابی جلیل حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نعتیہ قصیدے 'بانت سعاد' کے مطالعے کی دعوت دیں گے-

اب یہاں سے گریز شروع ہوتی ہے، ایک شخص عاشق کو نصیحت کرتا ہے کہ تم یہ عشق و عاشقی کا قصہ کیوں لے بیٹھے؟ تم تو اہل کرم و تقویٰ کے فرزند ہو، علم و عرفان کے نوخیز پودے ہو، تم ان باتوں کو چھوڑ و اور اپنی علمی کاوشوں میں لگے رہو-(شعر ۲۵/۲۶)

عاشق اپنے ناصح کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ تو نے مجھے غفلت سے بیدار کیا بہت اچھا کیا- پھر عاشق اپنی صفائی دے رہا ہے کہ میں قیس نجد ضرور ہوں مگر اس نجد کا قیس نہیں جو عشق و عاشقی والا نجد ہے بلکہ میرا نجد تو تعلیم و تعلم کا نجد ہے، اسی طرح میری ایک لیلیٰ بھی ہے مگر میری لیلیٰ کوئی اور نہیں بلکہ غور و فکر کی رات ہے- مجھے عشق کی بازی سے کیا لینا دینا؟ اب ان اشعار کا مقصد بیان کرتے ہیں:

مَاكَانَ هٰذا دَيْدَنِيْ لٰكِنَّهُ تَشْبِيْبُ شِعْرٍ لا دَدُ الشُّبَّان
إذْ مَا دَدٌ مِنِّي وَلا أَنَا مِنْ دَدٍ إِذْ جِئْتُ أَمْدَحُ رُحْلَةَ الأَوَانِيْ

ترجمہ: یہ (حسن و عشق کی باتیں) میری عادت و فطرت نہیں ہے لیکن (جو میں نے کہا وہ تو) قصیدے کی تشبیب ہے، جوانوں کا کھیل کود نہیں، کیوں کہ نہ مجھ سے لہو و لعب ہے اور نہ میں لہو و لعب سے ہوں- میں تو فقط اُس ذاتِ گرامی کی مدح سرائی کے لیے آیا ہوں جو زمانے کے لیے مرجع ہے-(شعر ۳۸/۳۹)

وہ مرجع خلائق ذات گرامی کون ہے جس کی مدح و تعریف کا ارادہ کیا گیا ہے؟ ۵/اشعار (نمبر ۴۰/تا ۴۴) میں اس ذات گرامی کے مختلف اوصاف بیان کرنے کے بعد ۴۵/ویں شعر میں ان کے نام کا اظہار فرماتے ہیں:

عَلَمًا عَلِيْمًا عَالِمًا عَلَّامَةً فَضْلَ الرَّسُوْلِ الْفَاضِلَ الرَّبَّانِيْ

وہ نشان منزل ہیں، جاننے والے ہیں، عالم و علامہ ہیں، (یقینا میرے ممدوح) فضل رسول فاضل ربانی ہیں-

پھر مسلسل ۱۸/اشعار میں ممدوح کے اسم گرامی کی فضیلت، آپ کی نشو و نما، معاصرین و اقران میں آپ کی نمایاں حیثیت، آپ کی مہمان نوازی، لطف و کرم، جود و سخا اور فضیلت و برکات کا ذکر کرنے کے بعد شعر نمبر ۶۴/ سے آپ کے علمی مقام و مرتبے کا اظہار فرما رہے ہیں-

www.Qadri.info

فرماتے ہیں کہ:

۱-حضرت سیف اللہ المسلول علم تصوف میں ایک روشن مینار ہیں۔(شعر ۶۴)

۲-علم تفسیر میں شرح وتفہیم کی دسترس ومہارت کاملہ رکھتے ہیں۔(شعر ۶۵)

۳-علم حدیث اور علم اسناد حدیث میں دریائے ناپیدا کنار ہیں۔(شعر ۶۶)

۴-علم اسمائے رجال میں آپ امام یحییٰ بن سعید القطان کی مانند ہیں۔(شعر ۶۷)

۵-علم اصول وعقائد میں آپ اپنے وقت کے امام باقلانی ہیں۔(شعر ۶۸)

۶-علم فروع میں بھلا کوئی کیا آپ کا مقابلہ کرسکتا ہے۔(شعر ۶۹/۷۰)

۷-فقاہت میں آپ اپنے زمانے کے امام محمد بن حسن شیبانی ہیں۔(شعر ۷۱)

۸-ادیبوں کا علم ادب اپنے تمام فنون کے ساتھ آپ کے علم وفضل کا ایک شعبہ ہے۔
(شعر ۷۲)

۹-فن طب میں آپ کی مہارت کا یہ عالم ہے کہ اگر شیخ الرئیس بوعلی سینا علم طب میں آپ کی مہارت کو جان لے تو مریض بن کر آپ کی خدمت میں برائے معالجہ حاضر ہوجائے۔
(شعر ۷۳)

۱۰-فلسفہ، منطق اور بیان میں آپ کا کوئی عدیل ونظیر نہیں۔(شعر ۷۹)

شعر ۸۰؍ میں ممدوح کے لیے دعا کرتے ہیں کہ جس طرح آپ نے اپنی تصانیف اور تلامذہ کے ذریعے دین کا ایک مضبوط قلعہ تعمیر کیا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں آپ کو جنت عطا فرمائے۔شعر ۸۱؍ میں فرماتے ہیں:

اَلْوَصْفُ یَقْصُرُ عَنْ جَلَالَةِ قَصْرِهٖ وَالْقَصْرُ قُصْوَی حِیْلَةِ الْحَیْرَانِ

یعنی ممدوح کا پایۂ قصر کمال اتنا بلند ہے کہ اس کی کما حقہ تعریف وتوصیف کرنے سے زبان وقلم قاصر ہیں۔آپ کی جلالت شان دیکھ کر ایک شخص حیران ومتعجب ہے، وہ آپ کے مرتبے کی بلندی کا ادراک کرنا چاہتا ہے، عرفان مقام ومرتبے کے لیے وہ جو بڑی سے بڑی ترکیب وتدبیر اختیار کرے گا بالآخر وہ تدبیر اسے مزید حیران وششدر اور ادراک مقام میں عاجز ودرماندہ کرکے چھوڑے گی۔

شعر ۸۲ / سے حضرت سیف اللہ المسلول کے مخالفین اہل بدعت وضلالت کا رد اور ان کی ہجو شروع ہوتی ہے- کہتے ہیں کہ مَیں چند ننگے بھوکے لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ حضرت سیف اللہ المسلول کے قصر کمال سے بلند عمارت بنانا چاہتے ہیں-

شعر ۹۰ / تک انہی لوگوں کی مذمت اور ہجو ہے، شعر ۹۱ / میں کہتے ہیں کہ:

اے رضا! اٹھ ان گمراہوں کے ساتھ مت بیٹھ جن (کے کان اور آنکھوں) پر پردے پڑے ہوئے ہیں، ان کو ان کی ذلت ورسوائی میں چھوڑ دے- (شعر:۹۱)

تو اپنی ذات کی طرف متوجہ ہو تو خود بڑا مجرم ہے- کتنا بدکاروں کے عیب بیان کرے گا اور کتنا دوسروں کو نصیحت کرے گا- (شعر: ۹۲)

اے گناہگار! توبہ کر لے (کیوں کہ) وہ وقت قریب آ گیا ہے جس میں کثیر گناہوں کو مٹا دیا جاتا ہے- (شعر: ۹۳)

تو رسول مستعان اور ان کے فضل پر اعتماد و بھروسہ رکھ اور اُس مزار مقدس کے پاس حاضر ہو جو غالب حجت والا ہے- (شعر: ۹۴)

پھر حضرت سیف اللہ المسلول کے مزار مبارک پر حاضر ہیں اور آپ سے استعانت کر رہے ہیں:

اے معین الحق!

اے زمانے کی زینت!

اے شہروں کی خوبصورتی!

اے اپنے باطن میں حق تعالیٰ کے عین راز!

اے ظاہر میں عین الحق کے راز!

اے (میرا) سکون وآسائش!

اے پھول!

اے صفا وپاکیزگی کی روح!

اے وہ ذات جو گمراہ اور خسارہ پانے والوں کے لیے غیظ وغضب ہے!

www.Qadri.info

اے اُس ذات کے فضل جس کی نسبت سے بلندیوں نے فضیلت پائی!

اے اُس ذات اطہر کے خادم وغلام جو عالم امکان کا سردار ہے!

ہم آپ کے پاس آپ کے فضل وکرم کی امید میں آئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فضل نے آپ کو بلندیِ قرب بخشی ہے۔(شعر ۹۶/سے ۱۰۰)

فرماتے ہیں:

اگر آپ کی بارگاہ میں مہمانوں کی ضیافت کا اہتمام ہوتا ہے تو میری مہمانی وضیافت میرے دشمنوں سے انتقام لے کر کیجیے۔(شعر ۱۰۴)

پھر حضرت سیف اللہ المسلول کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ:

آپ اپنے والد محترم حضرت شاہ عین الحق کی بارگاہ میں میری سفارش فرمادیں۔

(شعر:۱۰۵)

سیف اللہ المسلول کی سفارش کے ساتھ حضرت شاہ عین الحق کی بارگاہ میں حاضر ہو رہے ہیں:

سختی ومشقت کے وقت آپ موجود ہوں اور میری خاطر داری فرمائیں۔اے اس ذات کے فرزند ارجمند جن کو ان کے گھر میں شہید کر دیا گیا، یعنی حضرت عثمان۔(شعر:۱۱۱)

مَیں اُمرا سے طلب نہیں کرتا ہوں بلکہ آپ ہی سے التجا کرتا ہوں، کیوں کہ فضل وکرم کا باب (اُمرا کے) ایوانوں میں تعمیر ہی نہیں کیا گیا۔(شعر:۱۱۲)

شاہانِ وقت کے عطیات کو ٹھکراتے ہوئے مَیں آپ کی عطا کی امید کرتا ہوں، اس لیے کہ (شاہانِ وقت کے) رجسٹروں میں 'باب المجد' ہوتا ہی نہیں۔(شعر:۱۱۳)

حضرت شاہ عین الحق قدس سرہٗ سے عرض کرتے ہیں کہ آپ اپنے فضل وکمال میں فرد ویکتا ہیں، آپ کا کوئی مد مقابل نہیں، ہاں البتہ میرے شیخ حضرت خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول احمدی قدس سرہٗ جو آپ کے مرشد زادے بھی ہیں ان سے کوئی مقابلہ نہیں۔(شعر:۱۱۵/۱۱۶)

یہاں سے قصیدے نے ایک نیا موڑ لیا اور اب حضور خاتم الاکابر کی مدح ومنقبت کی طرف آتے ہیں۔۵/اشعار (۱۱۷/سے ۱۲۱/تک) میں اپنے شیخ حضرت خاتم الاکابر کی مدح کی ہے، عرض کرتے ہیں:

حضرت خاتم الاکابر مخلوق کی پناہ گاہ، (شاہراہِ) ہدایت کے محافظ، بلاؤں کو دور کرنے والے اور پیاسوں کی فریادرسی کے لیے عطا وبخشش کی بارش ہیں- آپ ان مشکل مسائل کو حل کرنے والے ہیں جنھوں نے عقل مندوں کو عاجز کر دیا ہے- کمزوروں سے دشواری وسختی کو دور کرنے والے ہیں- (شعر:۱۱۷/۱۱۸)

حضرت خاتم الاکابر کی مدح کے بعد (شعر ۱۲۲/میں) پھر حضرت شاہ عین الحق اور حضرت سیف اللہ المسلول سے مخاطب ہوتے ہوئے ان کی مدح ومنقبت نظم کرتے ہیں-

فرماتے ہیں کہ آپ دونوں ایسے شہسوار ہیں کہ مقابلے کے میدان میں ایک جست میں آپ آخری منزل تک پہنچ گئے، جب کہ مدمقابل ابھی مقابلے کی ابتدائی منزل میں ہیں- (شعر:۱۲۳)

۱۰/اشعار میں ان دونوں حضرات کی مدح اور ان کی بلندی درجات کے لیے اللہ سے دعا کرکے اس مضمون کو ۱۳۱/ویں شعر میں یوں ختم کرتے ہیں:

تَمَ الدُّعَا فَارْجِعْ غَنِيًّا غَانِمًا　　وَاقْصِدْ سَمِيَ السَّيِّدِ الْبُغْدَانِيْ

دعا مکمل ہوگئی، اب انعام واکرام پا کر واپس لوٹ اور تاجدار بغداد کے ہم نام کا قصد کر-

تاجدار بغداد کے ہمنام سے سیف اللہ المسلول کے فرزند وجانشین تاج الفحول محب رسول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی قدس سرہٗ کی ذات گرامی مراد ہے، آگے کے ۱۵/اشعار حضرت تاج الفحول کی مدح ومنقبت میں نظم کیے ہیں، فرماتے ہیں:

(حضرت تاج الفحول) عالم ربانی، علامہ اور ایسا نشانِ راہ ہیں جن کی توصیف وثنا کی خوشبو ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے- (شعر:۱۳۲)

(حضرت تاج الفحول) کیا ہی عظیم سمندر ہیں! جس میں نہریں ہیں اور اِن (نہروں) کا پانی دو مختلف وصف رکھتا ہے- (شعر:۱۳۳)

وہ اہل عشق ومحبت کے لیے صاف وشفاف سیراب کرنے والا پانی ہے اور کینہ پرور لوگوں کے لیے زہر قاتل ہے- (شعر:۱۳۴)

آگے فرماتے ہیں:

www.Qadri.info

اے اپنی نجات کے طالب! حضرت تاج الفحول کی رکاب تھام لے، وہ حوادث زمانہ کے نزول کے وقت تیری حمایت کریں گے۔ (شعر: ۱۴۴)

حضرت تاج الفحول کی مدح مکمل کر کے ان کے معاندین ومخالفین اہل بدعت وضلالت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ خود دھوکے میں ہیں اور دوسروں کو بھی اپنی باتوں سے فریب میں مبتلا کر رہے ہیں، ان کے اعمال واقوال سب قرآن کریم کی شاہراہ سے بہت دور ہیں۔

شعر ۱۶۱؍ سے حضرت محبوب سبحانی سیدنا الشیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی مدح اور آپ سے توسل واستعانت کا آغاز کرتے ہیں۔

جب کوئی شدید غم ہجوم کا ارادہ کرتا ہے اور مجھے رنجیدہ کرتا ہے تو مَیں سرگشتہ ہوتا ہوں اور مَیں (اسی) سرگشتگی میں پکار اٹھتا ہوں کہ اے شیخ عبدالقادر جیلانی! فقیر غم کے قیدی کو اللہ کے واسطے کچھ عطا کیجیے۔ اے دائمی کرم وبخشش کرنے والے (یعنی حضور اکرم ﷺ) کے لخت جگر! اللہ کے واسطے گناہ گار مجرم کو کچھ عطا کیجیے۔ (۱۶۱ / ۱۶۲ / ۱۶۳)

حضرت محبوب سبحانی کی منقبت میں مسلسل ۳۵؍ اشعار نظم کیے، جن میں یہ ۴؍ شعر عقیدت، حقیقت اور شعریت کا بہترین نمونہ ہیں:

یَامَنْ مَکَانَتُهٗ بِجَمْعِ الْأَوْلِیَا کَمَکَانَةِ الْأَرْوَاحِ فِي الْأَبْدَانِ
وَالْبَحْرِ فِي الْأَنْهَارِ وَالْقُرْآنِ فِي الْـ أَسْفَارِ وَالْآبَاءِ فِي الْوِلْدَانِ
وَالنُّوْرِ فِیالإِنْسَانِ وَالإِنْسَانِ فِي الْـ أَعْیَانِ وَالْأَعْیَانِ فِي الْجُثْمَانِ
وَالطِّیْبِ فِي الرَّیْحَانِ وَالرَّیْحَانِ فِي الْـ قُضْبَانِ وَالْقُضْبَانِ فِي الْعِیْدَانِ

اے وہ ذات پاک! جس کا مرتبہ ومقام تمام اولیا کے درمیان ایسا ہی ہے جیسا کہ روحوں کا مرتبہ جسموں میں ہے، سمندر کا مرتبہ نہروں کے درمیان، قرآن کا کتابوں اور آبا کا اولاد کے درمیان ہے اور جیسا روشنی کا مرتبہ پتلی میں اور پتلی کا آنکھوں میں اور آنکھوں کا جسموں میں ہے اور جیسا کہ خوشبو کا مقام پھول میں اور پھول کا شاخوں میں اور شاخوں کا تنوں میں ہے۔

۳۵؍ اشعار میں منقبت اور توسل واستعانت کے بعد حضرت محبوب سبحانی کے وسیلے سے

بارگاہ رب العزت میں دعا ومناجات کے لیے حاضر ہوتے ہیں-شعر ۱۹۵/ سے شعر ۲۲۸/ تک ۳۴/اشعار میں عجز وتذلل، عاجزی وفروتنی، خشیت وتضرع، اقرار گناہ، اعتراف نعمت، خوف عذاب اور امید بخشش کی جن ملی جلی کیفیات کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں مناجات کی ہے وہ نہ صرف یہ کہ شاعری کا اعلیٰ نمونہ ہے بلکہ ایمان کی تازگی، روح کی بالیدگی اور رحمت و مغفرت کے حصول کا ذریعہ بھی ہے- دل چاہتا ہے کہ اس سلسلے کے تمام ۳۴/اشعار یہاں نقل کر دیے جائیں، لیکن بخوف طوالت ہم صرف نظر کر رہے ہیں-

شعر ۲۲۹/ سے شعر ۲۳۳/ تک ۵/اشعار میں اپنے والد گرامی حضرت مولانا نقی علی خاں بریلوی اور جد محترم حضرت مولانا رضا علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہما کی مغفرت اور بلندی درجات کی دعا کرتے ہیں-

۳/اشعار میں تمام اہل ایمان کے لیے دعائے رحمت اور اہل باطل کے مقابلے میں اہل حق کی نصرت وحمایت کی التجا ہے-(شعر ۲۳۴/تا ۲۳۶)

آخری ۷/اشعار میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور حضور اکرم ﷺ اور آپ کی آل واصحاب پر درود وسلام کے ساتھ قصیدہ اپنے اختتام کو پہنچتا ہے-جس طرح مشہور زمانہ لاکھوں سلام جس مصرع سے شروع ہوتا ہے اسی پر ختم ہوتا ہے، اسی طرح یہ قصیدۂ نونیہ بھی

رن الحمام علی شجون البان

سے شروع ہوتا ہے اور اسی مصرع پر ختم ہوتا ہے-

قصیدۂ دالیہ کا موضوعاتی جائزہ:

قصیدۂ نونیہ کے مقابلے میں دالیہ قدرے مختصر ہے، موضوع کے اعتبار سے بھی یہ صرف مدح اور دعا تک محدود ہے-اس کا آغاز حمد الٰہی اور درود وسلام سے ہوتا ہے-حمد وصلاۃ کے بعد چوتھے شعر میں دشمنوں کے حملے کا ذکر کرتے ہیں کہ ہر چہار جانب سے دشمنوں کی یلغار ہے، جو پیادہ اور سوار ہر طرح ہجوم کو آمادہ ہیں، لیکن میں ان کے شر سے محفوظ ہوں، میں ان کی قوت و شوکت سے خائف بھی نہیں ہوں کیوں کہ میرا حامی وناصر زبردست طاقت والا ہے-

شعر ۹/ میں بارگاہ الٰہی کی جانب متوجہ ہوتے ہیں اور طاقت وقوت اور حمایت ونصرت کی

التجا کرتے ہیں-شعر ۱۲/ سے ۱۵/ تک رب کریم کی بارگاہ میں قرآن، صاحبِ قرآن، حضرت روح الامین، مدینہ منورہ، مسجد نبوی، منبر رسول اور اہل اللہ کا وسیلہ پیش کر کے پھر دشمنوں کے شر کو دور کرنے کی دعا کرتے ہیں-

شعر ۲۱/ سے ۲۴/ تک فتنوں، فتنہ پروروں اور فتنوں کی جگہ 'نجد' کا ذکر کر کے شعر ۲۵/ سے قصیدے کے اصل مقصود یعنی مدح سیف اللہ المسلول پر آتے ہیں- فرماتے ہیں:

خبردار جو چاہے میرے ساتھ مکر و فریب کرے، تکبر و سرکشی اور دلیری دکھائے-
(شعر:۲۵)

اور اپنے شریکوں کو (حمایتی بنا کر) جمع کر لے میں فقط ایک ذات کی حمایت و حفاظت میں ہوں- (شعر:۲۶)

وہ اپنے نجد کی مجلس (ہم نشینوں) کو پکاریں، ہم (حق کے) بہادر سپاہی کو بلاتے ہیں-
(شعر:۲۷)

جو بھوکے، سخت حملہ آور، بہادر، خاکستر رنگ والے شیر کی طرح ہے- (شعر:۲۸)

فضل رسول کی ہی وہ ذات (بابرکات) ہے جس سے ہر راہِ راست پر چلنے والے کو عقیدت ہے- (شعر:۲۹)

پھر حضرت سیف اللہ المسلول کی مدح کرتے ہوئے آپ کی ان خدمات کو یاد کرتے ہیں جو آپ نے حق کی نصرت و حمایت میں اہل باطل کے بالمقابل پیش فرمائی ہیں- اِس مسلسل مضمون کا اختتام شعر ۵۱/ پر ہوتا ہے، فرماتے ہیں:

اَلْیَوْمَ کُلُّ مُقَوَّمٍ بِکَ یَهْتَدِیْ بِکَ یَقْتَدِیْ

آج ہر راہ راست پایا ہوا آپ ہی سے ہدایت پا رہا ہے آپ ہی کی اقتدا کر رہا ہے-

شعر ۵۲/ ۵۳/ میں حضرت سیف اللہ المسلول کو مخاطب کر کے عرض پرداز ہیں کہ جب اللہ آپ سے راضی ہو کر آپ کو ایک معزز مہمان کی طرح جنت میں داخل کرے اور وہاں حضور نبی کریم ﷺ آپ کو اپنا قرب عطا فرمائیں تو:

فَإِذَنْ تَشَفَّعْ لِلرِّضَا عِنْدَ النَّبِيِّ الْأَمْجَدِ

www.Qadri.info

بِاللّٰہِ لا تَنْسَاہُ إِذْ هُوَ قَادِرِيٌّ أَحْمَدِيٌّ

اُس وقت بزرگی والے نبی کی بارگاہ میں رضؔا کے واسطے شفاعت فرمائیں- خدا کی قسم رضا کو (قیامت کے دن) فراموش نہ کیجیے گا، کیوں کہ وہ بھی قادری واحمدی ہے-

چوں کہ یہ قصیدہ حضرت سیف اللہ المسلول کے عرس کی محفل میں پیش کیا جارہا ہے، اس لیے اس کی خوبصورت منظرکشی فرماتے ہیں:

آرزوئیں برآئیں بشارت کا وقت قریب ہوگیا اب تو اپنے رب کی رضا کے لیے سجدہ ریز ہوجا- (شعر:۵۷)

پانی کے چشمے پھوٹے اب کسی کی تشنگی باقی نہیں رہے گی، بادلوں نے جود وسخا کی پھر تو کوئی پیاسا نہیں رہے گا- (شعر:۵۸)

حسن و جمال کے ظہور نے رنج ومشقت کو دور کردیا اور جلال سرمدی ظاہر ہوگیا- (شعر:۵۹)

جنتی میوے اس کے ہیں جس نے ان کو چن لیا (تو اے جان) تو کھا اور خوش رہ اور حمد وثنا بیان کر- (شعر:۶۰)

مگر سوال یہ ہے کہ یہ سب کیوں ہورہا ہے؟ شعر ۶۲ رمیں اس کا جواب دے رہے ہیں:

إِذْ أَنَّ هٰذا عُرْسُ مَنْ بِنَدَاهُ مَزْرَعُنَا نَدِيٌّ

اس لیے کہ یہ اُس ذات گرامی کا عرس ہے جس کی جود وعطا کی بارش سے ہماری کھیتیاں سرسبز وشاداب ہیں-

پھر بطور تواضع وانکسار خود کو مخاطب کرتے ہیں کہ تم عرسِ سیف اللہ المسلول کی مدح وثنا کا حق ادا نہیں کرسکتے لہٰذا ایسا کرو کہ دو مصرعوں میں اِس عرس کا سنہ اور حضرت سیف اللہ المسلول کا سنہ وصال نظم کردو- (شعر: ۶۲، ۶۳، ۶۴) پھر اِن دو مصرعوں میں یہ دونوں سنہ نہایت برجستگی اور خوبی سے برآمد کیے ہیں:

فَضْلُ الرَّسُوْلِ مُؤَبَّدٌ يَا فَضْلَ عُرْسِ أَمَاجِدِ

رسول کا فضل و کرم ہمیشہ رہے- وائے تعجب! بزرگوں کے عرس کی فضیلت

(وبرکت) پر۔

پہلے مصرع کے اعداد ۱۲۸۹ھ ہیں جو حضرت سیف اللہ المسلول کا سنہ وصال ہے اور دوسرے مصرع کے اعداد ۱۳۰۰ھ ہیں جو اُس عرس کا سنہ ہے جس میں یہ قصیدہ پیش کیا گیا تھا۔

پھر آخر کے ۴/اشعار میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کی آل واصحاب پر درودوسلام کے ساتھ قصیدہ اپنے اختتام کو پہنچتا ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

قصیدوں کا موضوعاتی جائزہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔قصیدۂ نونیہ کے مضامین کے سلسلے میں یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ کرنا ضروری ہے۔ میرے ایک کرم فرما محترم دوست نے اپنے ایک مقالے میں قصیدۂ نونیہ میں شعر نمبر ۹۴/سے شعر نمبر ۱۰۵/تک کے ۱۲/اشعار کو خواجہ خواجگاں سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری قدس سرہٗ کی شان میں قرار دیا ہے، جو درست نہیں ہے۔راقم نے ایک ملاقات میں اس تسامح کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائی تھی، وہ نہایت کشادہ قلب، منصف مزاج اور حق پسند طبیعت کے مالک ہیں انہوں نے میری معروضات پر غور کیا اور قبول کرتے ہوئے فرمایا کہ آئندہ کسی مقالے یا مضمون میں اس کا ازالہ کر دیا جائے گا۔ ایسے حق پسند اور وسیع الظرف لوگ اب کم ہی ملتے ہیں۔جزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

ان کے تسلیم واعتراف کے بعد راقم اس سلسلے میں کچھ لکھنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا مگر ابھی مطالعے کے دوران یہ انکشاف ہوا کہ موصوف کے حوالے سے ڈاکٹر مجید السعید نے بھی اسی بات کو دہرایا ہے، اس لیے اس کی وضاحت ضروری معلوم ہوئی، ورنہ اس غلط فہمی نے اگر جڑ پکڑ لی تو آئندہ اس کا ازالہ مشکل ہو جائے گا

دراصل شعر ۹۴/میں فرمایا تھا کہ اب 'المزار الباھر السلطان' پر حاضر ہو کر دعا کرو اور شعر ۹۶ میں کہا کہ 'یا معین الحق' کی ندا لگاؤ۔ چوں کہ حضرت غریب نواز کے القاب 'معین الدین' اور 'سلطان الہند' ہیں، اس لیے دھوکا ہوا کہ سلطان الہند کے مزار پر آ کر 'یا معین الحق' کی ندا لگانے کی بات کی جارہی ہے، حالاں کہ غریب نواز کا لقب 'معین الدین' ہے اور شعر میں 'معین الحق' کا لفظ ہے۔اِس نکتے پر ڈاکٹر مجید السعید کے قدم بھی ایک لمحے کو رکے مگر پھر آگے بڑھ گئے،

لکھتے ہیں:

وكانبإمكان الشاعرأن يأتي باسمه صراحة مع الاحتفاظ بالوزن الشعري فيحل كلمة معين الدين محل كلمة معين الحق ولا يقع اختلاف في تفعيلة البيت وعلى كل حال فإن شخصية الأجميري من الشخصيات المسلمة المعروفة-(☆[1])

ترجمہ: شاعر کے لیے ممکن تھا کہ وہ وزن شعری کو محفوظ رکھتے ہوئے صراحتاً ان کا (غریب نواز کا) نام لے آتے، تو لفظ 'معین الدین' لفظ معین الحق کی جگہ لے لیتا اور شعر کے وزن میں بھی کوئی اختلاف واقع نہ ہوتا، بہر حال حضرت اجمیری کی شخصیت مسلمہ اور مشہور تھی۔

بات معقول ہے کہ اگر حضرت غریب نواز کی ذات گرامی ہی مراد لینا تھی تو مصرع یوں زیادہ بہتر ہوتا:

وارفع نداک بیا معین الدین یا

اس میں وزن بھی متأثر نہیں ہوا اور صحیح لقب بھی آ گیا۔

حالاں کہ بالکل سامنے کی بات ہے کہ 'معین الحق' حضرت سیف اللہ المسلول کا لقب ہے اور ایسا معروف وقدیم لقب ہے کہ آپ کی جو تصانیف آپ کی حیات میں شائع ہوئی ہیں ان پر بھی 'معین الحق فضل رسول' درج ہے۔ دوسرا یہ کہ یہاں '**مزار السلطان**' (مضاف مضاف الیہ) نہیں ہے جس کا ترجمہ 'سلطان الہند کا مزار' ہو، بلکہ یہ ترکیب توصیفی ہے، یعنی '**المزار الباهر السلطان**' (غالب حجت والا مزار)۔

یہ اشعار حضور غریب نواز کی شان میں مان کر ایک الجھن شعر نمبر ۱۰۵ر میں پیدا ہوگئی، اِس شعر میں 'معین الحق' سے کہا جارہا کہ آپ اپنے والد (ابیک) کی بارگاہ میں میری سفارش فرمائیں:

☆شاعر من الھند: محمد مجید السعید، ص ۷۳، بغداد، ۲۰۰۳ء

www.Qadri.info

أَرْجُو الشَّفَاعَةَ مِنْکَ عِنْدَ أَبِیْکَ إِذْ　　بَابُ الْعِنَایَةِ لا یُسَدُّ لِعَانٖ

ترجمہ: مَیں آپ کے والد بزرگوار کی بارگاہ میں آپ کی شفاعت کی امید رکھتا ہوں، کیوں کہ عنایت و بخشش کا دروازہ کسی رنج و تکلیف کے اسیر کے واسطے بند نہیں کیا جاتا۔

یعنی اب شاعر حضرت سیف اللہ المسلول کے والد گرامی حضرت شاہ عین الحق عبد المجید قادری قدس سرہٗ کی بارگاہ میں حاضر ہو رہے ہیں، اس لیے کہ اگلے شعر میں فرماتے ہیں:

فَإِذَا رَأَیْتَ إِجَابَةً فَانْهَضْ إِلَی　　قَبْرِ الْمَجِیْدِ الْأَمْجَدِ الرُّوْحَانِيْ

ترجمہ: اگر تم دعا کی قبولیت دیکھنا چاہتے ہو تو عظمت و بزرگی والے (مجید) کی روحانی قبر کے پاس آؤ۔

مطلب بالکل واضح ہے، لیکن چوں کہ شعر ۹۴ر سے یہاں تک آپ حضرت غریب نواز کی ذات مراد لے چکے ہیں اس لیے لفظ 'ابیک' (آپ کے والد) نے الجھن میں ڈال دیا۔ اس الجھن سے بچنے کے لیے یہ تکلف کرنا پڑا کہ کیوں کہ آیت کریمہ النبي أولی بالمؤمنین من أنفسهم کے ساتھ بعض قرأتوں میں وهو اب لهم بھی آیا ہے، مزید یہ کہ امام سیوطی نے درمنثور میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کل تقي ونقي فهو آلي لہٰذا یہاں ابیک سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے اور حضرت غریب نواز سے درخواست کی جارہی ہے کہ وہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں شاعر کی سفارش کریں۔ لیکن اِس الجھن سے نکلے تو دوسری الجھن سامنے آگئی کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مومنین کے أَبْ (والد) ہیں اور ان میں شاعر اور ممدوح دونوں شامل ہیں پھر تو ابیک (آپ کے والد) نہیں بلکہ ابینا (ہمارے والد) ہونا چاہیے تھا۔

اس سوال سے بچنے کے لیے پھر دو شقیں نکالنا پڑیں، ایک یہ کہ چوں کہ شاعر یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ممدوح صلاح و تقویٰ میں ان سے ارفع و اعلیٰ ہیں، اس لیے ان کو اپنے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان وسیلہ بنایا، دوسرے یہ کہ لفظ ابیک سے ممدوح کے نسب کی طرف بھی اشارہ کرنا مقصود تھا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل پاک سے ہیں:

فکأنہ قصد کلمة الجد ولکنہ نظراً للوزن الشعري استخدم کلمة الأب

ترجمہ: گویا کہ شاعر نے لفظ الجد (دادا) کا ارادہ کیا ہے، لیکن وزن شعری کی وجہ سے لفظ الأب استعمال کیا ہے۔

لیکن ڈاکٹر مجید السعید نہ صرف یہ کہ اس توجیہ وتعلیل سے مطمئن نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے یہ لکھ کر گتھی کو اور الجھا دیا کہ یہ بات ثابت ہی نہیں ہے کہ غریب نواز کا نسب حضور ﷺ سے ملتا ہے۔ لکھتے ہیں:

ونحن لا نؤید ما ذھب إلیہ الأستاذ ... من تعلیل أبوة النبي ﷺ للمدوح ولا سیما ما ذکرہ من الممدوح الأجمیري یرجع في نسبہ إلی الرسول ﷺ فھذا أمر لم یرد ولم تذکرہ المصادر فھو غیر دقیق ولا مؤثق۔(☆[1])

ترجمہ: ممدوح (غریب نواز) کے لیے حضور اکرم ﷺ کی ابوۃ (والد ہونے) کی جو توجیہ استاذ...... نے کی ہے ہم اس کی تائید نہیں کرتے، خاص طور پر اس بات کی کہ جو انہوں نے ذکر کی کہ حضرت اجمیری کا نسب حضور اکرم ﷺ تک پہنچتا ہے، چوں کہ یہ ایک ایسی بات ہے جو وارد نہیں ہوئی، نہ ہی ماخذوں نے اس کا تذکرہ کیا ہے، لہٰذا یہ توجیہ دقیق (باریک، گہری) اور قابل اعتماد نہیں ہے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ یہاں نہ حضرت غریب نواز کی ذات مراد ہے، نہ ان تکلفاتِ تعلیل وتوجیہ اور جواب در جواب کی ضرورت ہے۔

قصیدتانِ رائعتان کی مقبولیت:

یہ قصیدے بارگاہ ممدوحین میں کچھ ایسے مقبول ہوئے کہ ان کی خیر وبرکت اور مقبولیت و اجابت امید سے کہیں زیادہ ظاہر ہوئی، حضرت فاضل بریلوی نے 'فتاویٰ رضویہ' میں اس جانب اشارہ کیا ہے، آپ نے قصیدۂ دالیہ کے چند شعر نقل فرمائے ہیں، ان سے پہلے فرماتے ہیں:

☆شاعر من الهند: محمد مجید السعید، ص ۷۳، بغداد، ۲۰۰۳ء

ومما قلت قديماً في ربيع الآخر سنة ألف و ثلث مائة فرأيت الإجابة فوق العادة وفوق المطلب و الإرادة سريعاً في الساعة ولله الحمد أبدا و أرجو مثله سرمدا-(☆۱)

ترجمہ: اور ان میں سے (وہ قصیدہ ہے) جو مَیں نے ایک زمانہ قبل سنہ ۱۳۰۰ھ میں نظم کیا تھا، تو مَیں نے حیرت انگیز طور پر مطلب و ارادے سے فزوں تر نہایت سرعت کے ساتھ اس کی قبولیت و اجابت کا مشاہدہ کیا- تمام تعریفیں ہمیشہ اللہ ہی کے لیے ہیں، مَیں امید کرتا ہوں کہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہے-

قصیدتان رائعتان کے چند اہم پہلو:

قصیدتان رائعتان پر خصوصاً اور فاضل بریلوی کی عربی شاعری پر عموماً اردو اور عربی دونوں زبانوں میں خاصا لکھا گیا ہے- اہل علم و تحقیق نے مختلف پہلوؤں اور گوشوں سے ان قصائد کا یا عمومی طور سے فاضل بریلوی کی عربی شاعری کا مطالعہ کیا ہے اور اس کے فنی، شعری اور لغوی خصائص و محاسن اجاگر کیے ہیں، لیکن قصیدتان رائعتان کے مطالعہ و تحقیق کے دوران چند ایسے گوشے راقم کے سامنے آئے جن پر غالباً آج تک محققین کی توجہ نہیں ہوئی-

قصائد کا لسانی، عروضی، فکری، شعری اور موضوعاتی مطالعہ کرنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ کسی بہت کہنہ مشق شاعر کی فکر عالی کا نتیجہ ہے، مگر آپ کو شاید یہ سن کر حیرت ہو کہ جس وقت یہ قصیدے نظم کیے گئے اُس وقت حضرت فاضل بریلوی کی عمر محض ۲۷ رسال پانچ ماہ تھی، نیز یہ کہ ان کی عربی شاعری کے جتنے نمونے اب تک دستیاب ہوئے ہیں (جن کو **بساتین الغفران** میں جمع کر دیا گیا ہے)، ان میں چند ایک قطعات تاریخ کے علاوہ پورا کا پورا کلام سنہ ۱۳۰۰ھ کے بعد کا ہے- اس کا مطلب یہ ہے کہ قصیدتان رائعتان فاضل بریلوی کی زندگی کے سب سے اولین عربی قصیدے ہیں-

قصیدتان رائعتان کا ایک تیسرا پہلو بھی بہت اہم ہے، غالباً اس کی طرف بھی ابھی تک کسی

☆ رحب الساحۃ مشمولہ فتاویٰ رضویہ (جدید): جلد دوم/ص ۴۲۲، پور بندر، ۲۰۰۳ء

کی نظر نہیں گئی- گذشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا تھا کہ قصیدتان رائعتان کا پہلا قصیدہ ۲۴۳ر اور دوسرا ۱۰۷ر اشعار پر مشتمل ہے، ان کے مطالعے کے دوران یہ اہم انکشاف ہوا کہ ۳۱۳ر اشعار کے ان دونوں قصیدوں میں کہیں پر قافیہ کی تکرار نہیں ہوئی ہے-

پہلا قصیدہ جو ۲۴۳ر اشعار پر مشتمل طویل قصیدہ ہے، اُس میں بعض جگہ آپ کو تکرار قافیہ کا گمان ہوگا، مگر غور سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ قافیہ مکرر نہیں بلکہ صرف صورتاً لفظ میں یکسانیت ہے، معنی الگ الگ ہے- ہم یہاں چند مثالیں ہدیہ ناظرین کررہے ہیں:

۱- 'مَعَانٍ' شعر ۴۳ر اور شعر ۱۳۲ر دو جگہ آیا ہے، مگر پہلی جگہ معنی کی جمع ہے، دوسری جگہ مکان کے وزن پر مکان ہی کے معنی میں ہے-

۲- لفظ أَعْيَانٍ شعر ۴۹ر ۱۹۹ر اور ۲۲۷ر تین جگہ آیا ہے، مگر پہلی جگہ 'العین' بمعنی سردار قوم کی جمع ہے، دوسری جگہ أَعْيَا فعل اور ضمیر منصوب متصل اس کا مفعول ہے، تیسری جگہ أَعْيَانِي العین بمعنی آنکھ کی جمع ہے جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہے-

۳- آنٍ شعر ۱۶ر ۵۹ر اور ۱۵۶ر تین مقامات پر آیا ہے، مگر پہلے مقام پر قریب کے معنی میں، دوسری جگہ الآن اسی وقت کے معنی میں ہے، تیسری جگہ الآن گرم پانی کے معنی میں آیا ہے-

۴- الرضوانٍ ۱۲۹ر اور ۲۳۰ر دو جگہ آیا ہے، مگر پہلی جگہ رضا وخوشنودی کے معنی میں ہے اور دوسری جگہ داروغہ جنت کا نام ہے-

۵- أزمان شعر ۱۹ر اور ۱۵۳ر دو جگہ آیا ہے، مگر پہلی جگہ ایک عربی عورت کا نام ہے، دوسری جگہ الزمن کی جمع أزمان بروزن افعال ہے-

۶- جَنَانٍ شعر ۲۹ر اور ۳۰ر دو جگہ آیا ہے مگر پہلی جگہ لوگوں کی جماعت اور دوسری جگہ دل کے معنی میں ہے-

۷- شَانٍ شعر ۱۱ر ۴۳ر اور ۶۱ر تین جگہ آیا ہے، پہلے مقام پر شان بمعنی کام یا ضمیر متکلم کی طرف مضاف شاني ہے، دوسری جگہ 'مجید الشانٍ' بمعنی بزرگ مرتبے والا، تیسری جگہ شاني دشمن کے معنی میں ہے-

یہ چند مثالیں ہم نے بطور نمونہ پیش کی ہیں، ان مقامات کے علاوہ صرف ۵ر مقامات اور

www.Qadri.info

ہیں جہاں تکرار قافیہ کا وہم ہوتا ہے، مگر غور سے دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ تکرار نہیں ہے، بلکہ دونوں کا معنی الگ الگ ہے، ہاں! البتہ صرف ایک قافیے کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ قصیدے میں دو بار آیا ہے 'البان' (بمعنی درخت) قصیدے کے سب سے پہلے اور سب سے آخری مصرع میں مکرر ہوا ہے، مگر یہاں تو ایک خاص مقصد کے تحت پورا مصرع ہی مکرر ہے لہٰذا اس کو بھی تکرار قافیہ نہیں کہا جا سکتا-

یہی صورت حال قصیدہ دالیہ میں بھی ہے، یہ بھی تکرار قافیہ سے خالی ہے- اس میں صرف ایک مقام پر تکرار کا شبہ ہوتا جس کا ازالہ مصنف نے خود حاشیہ میں کر دیا ہے- شعر ۱۲ر کا مصرع بکتابه وبأحمد ہے، اس میں لفظ 'احمد' سے حضور اکرم ﷺ کا نام نامی مراد ہے- پھر شعر ۶۸ر میں فرمایا کہ:

دوماً على من يوصف بمحمد وبأحمد

یہاں پھر لفظ 'احمد' آ گیا، اس سے وہم ہوا کہ قافیہ مکرر ہے، مصنف نے حاشیہ میں وضاحت کر کے وہم دور کر دیا، لکھتے ہیں:

أراد المعاني اللغوية فصح قوله يوصف ولم يلزم تكرار القافية

ترجمہ: یہاں (لفظ محمد اور احمد کے) معانی لغویہ مراد لیے گئے ہیں، لہٰذا شاعر کا 'یوصف' کہنا درست ہو گیا اور اس سے قافیہ کی تکرار بھی لازم نہیں آئی-

مطلب یہ کہ وہاں لفظ 'احمد' حضور اکرم ﷺ کے علم کے طور پر آیا ہے اور یہاں اپنے لغوی معنی (بہت زیادہ حمد کرنے والا) میں ہے- اس ایک مقام کے علاوہ پورے قصیدے میں ایک لفظ دو بار بطور قافیہ نہیں آیا ہے-

قصیدتان رائعتان کا عروضی جائزہ:

زیر نظر دونوں قصیدے بحر کامل میں ہیں، پہلا قصیدہ (نونیہ) بحر کامل تام میں ہے اور دوسرا (دالیہ) بحر کامل مجزو میں-

بحر کامل میں چھ تفعیلات ہوتے ہیں، تین پہلے شطر میں اور تین دوسرے شطر میں، اس کا پورا وزن یوں ہے:

www.Qadri.info

مُتَفَاْعِلُنْ /مُتَفَاْعِلُنْ /مُتَفَاْعِلُنْ ★مُتَفَاْعِلُنْ /مُتَفَاْعِلُنْ /مُتَفَاْعِلُنْ

پہلے شطر کا آخری تفعیلہ عروض کہلاتا ہے اور دوسرے شطر کا آخری تفعیلہ ضرب کہلاتا ہے، باقی تفعیلات کو حشو کہا جاتا ہے- بحر کامل کی تین عروض اور نو ضروب ہوتی ہیں-

بحر کامل مجزو کا مطلب یہ ہے کہ ہر شطر میں تین کی بجائے صرف دو دو تفعیلات ہی ہوں، یعنی عروض اور ضرب دونوں حذف کر دیے جائیں، جیسا کہ آئندہ سطور میں تقطیع کے ذریعے واضح ہوگا

بحر رجز اور بحر کامل میں نہایت باریک فرق ہے، کیوں کہ بحر رجز میں مندرجہ ذیل چھ تفعیلات ہوتے ہیں:

مُسْتَفْعِلُنْ /مُسْتَفْعِلُنْ /مُسْتَفْعِلُنْ ★ مُسْتَفْعِلُنْ /مُسْتَفْعِلُنْ /مُسْتَفْعِلُنْ

اور بحر کامل میں بھی چھ تفعیلات ہیں:

مُتَفَاْعِلُنْ /مُتَفَاْعِلُنْ /مُتَفَاْعِلُنْ ★مُتَفَاْعِلُنْ /مُتَفَاْعِلُنْ /مُتَفَاْعِلُنْ

لیکن کبھی کبھی مُتَفَاْعِلُنْ میں زحاف اضمار ہوتا ہے اور مُتَفَاْعِلُنْ سے مُتْفَاْعِلُنْ (بسکون تا) ہوجاتا ہے جو عروضی لحاظ سے بعینہٖ مُسْتَفْعِلُنْ ہے- بحر کامل میں یہ زحاف ہر ہر تفعیلے میں بھی ہوسکتا ہے، اگر ایسا ہوتو پھر یہ امتیاز کرنا ممکن نہیں ہوگا کہ شعر کا تعلق بحر کامل سے ہے اور اس میں زحاف اضمار ہوا ہے یا شعر کا تعلق بحر رجز سے ہے اور بلا زحاف صحیح ہے، لہٰذا اگر پورا کا پورا قصیدہ مُسْتَفْعِلُنْ پر مبنی ہو اور کہیں بھی مُتَفَاْعِلُنْ نہ ہوتو وہ بحر رجز میں ہے، لیکن اگر کسی ایک تفعیلے میں بھی مُتَفَاْعِلُنْ آ گیا ہوتو وہ بحر رجز نہیں بلکہ بحر کامل میں ہوگا-

اس مختصر تمہید کے بعد اب ہم نونیہ کے مطلع کی تقطیع پیش کرتے ہیں تا کہ اس کا وزن متعین ہوسکے-

رَنَّ الْحَمَا۔م علی شجو۔ن البانی★یَا مَا أُمَیْ۔لحَ ذِکْرَبِیْ۔ضِ الْبَانی

/ ۰/ ۰//۰ ـ /// ۰//۰ ـ / ۰/ ۰/۰ ☆ / ۰/ ۰//۰ ـ /// ۰//۰ـ / ۰/ ۰/۰

مُتْفَاْعِلُنْ /مُتَفَاْعِلُن /مُتْفَاْعِلْ ★ مُتْفَاْعِلُنْ /مُتَفَاْعِلُنْ /مُتْفَاْعِل

اس تقطیع سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مطلع بحر رجز میں نہیں بلکہ بحر کامل میں ہے، جس میں اصل

تفعیلہ تو مُتَفَاْعِلُنْ ہی ہے لیکن کبھی 'اضمار' نام کا زحاف ہوتا ہے اور مُتَفَاْعِلُنْ جاکر مُتْفَاْعِلُنْ ہوجاتا ہے۔عروضی لحاظ سے یہ زحاف کوئی عیب نہیں ہے بلکہ عام اور جائز ہے، آپ کسی بھی عربی شاعر کا کلام جو بحر کامل میں ہولیں تو اس میں جابجا یہ زحاف پائیں گے۔کبھی کبھی تو پورے مصرعے میں مُتْفَاْعِلُنْ آئے گا اس سے شعر کی فنی حیثیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، زیر نظر قصیدے میں بھی جابجا آپ کو اس زحاف کا سامنا ہوگا۔

دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ مُتَفَاْعِلُنْ میں دوسرا متحرک حرف کبھی حذف کردیا جاتا ہے اور مُفَاْعِلُنْ ہوجاتا ہے، اسے وقص کہتے ہیں۔

زحاف ایسی تبدیلی کو کہتے ہیں جو سبب کے دوسرے حرف سے متعلق ہوتی ہے۔سبب کی دو قسمیں ہیں سبب خفیف اور سبب ثقیل۔سبب خفیف دوحرفوں سے مرکب ہوتا ہے، ایک متحرک اور دوسرا ساکن، جیسی هَلْ، مَنْ وغیرہ۔سبب ثقیل بھی دوحرفوں سے مرکب ہوتا ہے لیکن دونوں متحرک ہوتے ہیں جیسے لَکَ، بِکَ وغیرہ۔واضح رہے کہ زحاف عروض، ضرب اور حشو سب میں ہوسکتا ہے، لیکن یہ لازم نہیں ہوتا ہے، یعنی اگر قصیدے کے کسی شعر میں واقع ہو تو پورے قصیدے میں اس کی پابندی ضروری نہیں ہوتی ہے۔اس زحاف کی صورت یہ ہوتی ہے کہ یا تو متحرک حرف کو ساکن کردیا جاتا ہے یا اسے سرے سے حذف کردیا جاتا ہے یا ساکن کو حذف کردیا جاتا ہے جیسے مُتَفَاْعِلُنْ سے مُتْفَاْعِلُنْ، یا مُتَفَاْعِلُنْ سے مُفَاْعِلُنْ۔پہلی صورت کو اضمار کہتے ہیں اور دوسری کو وقص کہتے ہیں۔ماہرین عروض نے بحر کامل میں زحاف اضمار کو حسن اور وقص کو صالح قرار دیا ہے، لیکن ہمارے ناقص مطالعے کی حد تک آپ ان دونوں قصیدوں میں زحاف وقص کہیں نہیں پائیں گے۔

مزید وضاحت کے لیے ایک اور شعر کی تقطیع کرتے ہیں، اس قصیدے کا دوسرا شعر یوں ہے:

تَبْکِيْ دَمَنْ /وَتَقُوْلُ فِي /أَسْجَاعِهَا★اَللّٰهُ یُضْ /حِکُ سِنَّ مَنْ /أَبْکَانِي

/ ٥/ ٥//٥ ـ /// ٥//٥ ـ / ٥/ ٥//☆/ ٥/ ٥//٥ ـ /// ٥//ـ / ٥/ ٥/٥

مُتْفَاْعِلُن /مُتَفَاْعِلُنْ /مُتْفَاْعِلُنْ★مُتْفَاْعِلُنْ /مُتَفَاْعِلُنْ /مُتْفَاعِلُ

آپ نے غور کیا ہوگا کہ اس قصیدے کے مطلع کے عروض میں زحاف اضمار وقطع واقع ہوا تھا یعنی مُتَفَاعِلُنْ سے مُتْفَاعِلْ ہو گیا تھا، یہی حال اس کے ضرب کا بھی تھا، لیکن اس شعر میں عروض سالم وصحیح ہے جب کہ ضرب مضمر اور مقطوع ہے- اس کی وجہ یہ ہے کہ زحاف اضمار لازم نہیں ہوتا ہے، اگر ایک تفعیلے میں واقع ہو تو سب میں اس کی رعایت ضروری نہیں ہوتی ہے، لیکن ضرب کے متعلق یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ اگر قصیدے کی تشکیل کسی خاص ضرب پر ہو تو سارا قصیدہ اسی پر جاری ہوگا، اس لیے اس قصیدے میں ضرب کی بنیاد قطع پر ہے تو سارا قصیدہ مقطوع الضرب ہی ہوگا، البتہ اس میں اضمار لازم نہیں ہے بلکہ کبھی اضمار ہوگا اور کبھی بغیر اضمار کے بھی ہوگا -

ہم نے اوپر عرض کیا تھا کہ دوسرا قصیدہ (یعنی دالیہ) بحر کامل مجزو میں ہے- اس کے مطلع کی تقطیع اس طرح ہوگی:

اَلْحَمْدُ لِلْمُتَوَحِّدِ بِجَلَالِهِ الْمُتَفَرِّدِ

اَلْحَمْدُ لِل /مُتَوَحِّدِيْ ★ بِجَلَالِهِ ال /مُتَفَرِّدِيْ

٥//٥ /// ٥//٥ ـ /// ٥//٥ ☆/// ٥//٥ ـ ٥//٥ /٥ /

مُتْفَاعِلُنْ /مُتَفَاعِلُنْ ★ مُتَفَاعِلُنْ /مُتَفَاعِلُن ٥

اس شعر میں دال کے کسرے کو اشباع کے ساتھ پڑھا جائے گا اس لیے یا کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اس تقطیع سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ شعر بحر کامل پر ہے، کیونکہ اس میں مُتَفَاعِلُنْ کا تفعیلہ مکرر ہے۔ یہ بات بھی سامنے آ گئی کہ یہ بحر کامل تام نہیں ہے بلکہ بحر کامل مجزو ہے کیونکہ اس میں ہر شطر میں دو دو تفعیلے ہی ہیں جب کہ بحر کامل تام میں ہر ہر شطر میں مُتَفَاعِلُنْ کے تین تین تفعیلات ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس تقطیع سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ اس میں زحاف اضمار واقع ہے، کیونکہ مُتَفَاعِلُن مُتْفَاعِلُنْ (بسکون تا) ہوا ہے، لیکن جیسا کہ ہم پہلے ذکر چکے ہیں کہ یہ زحاف باتفاق عروضیین جائز ہے-

لسانی جائزہ:

کلام بلیغ کی تعریف کرتے ہوئے علامہ جرجانی نے لکھا ہے کہ ”مجاز واستعارے لطیف ہوں، تمثیل و کنایات دلکش ہوں، کلام برمحل و برجستہ ہو، الفاظ کی نشست مضبوط اور بندش چست

www.Qadri.info

ہو-'' یہ حقیقت ہے کہ کلام کی شگفتگی و شستگی اور دلکشی و دل نشینی وجوہ بلاغت اور صنائع و بدائع سے دوبالا ہو جاتی ہے، لیکن بہ تکلف ان کی بھرمار سے کلام کا حسن و جمال متأثر ہوتا ہے- بعد کے زمانے میں صنائع و بدائع کی کثرت اور ان میں نئے نئے تجربات کا رجحان پیدا ہوا جس سے شاعر یا نثر نگار کی قابلیت تو تسلیم کی گئی لیکن شعر یا نثر کا حسن و جمال جاتا رہا- زیر نظر قصائد زمانی اعتبار سے اگرچہ اسی آخری عہد میں نظم کیے گئے ہیں لیکن لسانی نقطۂ نظر سے یہ اُس عہد کی نمائندگی نہیں کرتے، بلکہ ساخت، ہیئت، زبان و بیان اور اظہار و ابلاغ کے اعتبار سے یہ عربی کی قدیم روایتی شاعری کی پیروی کرتے نظر آتے ہیں-

جب ہم ان کے شعری محاسن اور لسانی خصوصیات کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات بہت نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ ان میں فکر و فن اور زبان و بیان کی وہ خوبیاں اور محاسن موجود ہیں جو کسی بھی فن پارے کو اہمیت و وقعت عطا کرتے ہیں-

کنایہ میں جدت و ندرت، اشارہ میں حسن و نزاکت، تکلف و تصنع میں قلت، حسن تشبیہ اور عمدہ بندش ان کی لسانی خصوصیات قرار دیے جا سکتے ہیں- ان سب پر مستزاد یہ کہ یہ شاعری درباری شاعری کی طرح حصول زر اور حصول منصب و امارت کی خاطر معرض وجود میں نہیں آئی جس میں شاعر کے باطن اور شعر کے ظاہر میں بون بعید ہوتا ہے بلکہ یہ شاعری وہ ہے جس میں دل کے میلانات، طبعی رجحانات، عقیدہ اور عقیدت ظاہری کلام سے ہم آہنگ ہوتی ہے، اسی لیے ان میں فنی رچاؤ کے پہلو بہ پہلو والہانہ شیفتگی، دل گداختگی، نظریاتی توانائی اور سوز و گداز عنصر غالب کی حیثیت سے نظر آتے ہیں-

قدیم عربی شاعری اپنے حسن و جمال کے نکھار کے لیے مجاز و استعارات، کنایات و تشبیہ اور محاورہ و امثال سے قوت و توانائی حاصل کرتی تھی- طلوع اسلام کے بعد اس نے قرآنی اور حدیثی تعبیرات سے بھی بھرپور استفادہ کیا- قرآن کے اعجاز لغوی و بلاغی اور حدیث کے لسانی پہلوؤں پر گفتگو کر کے یہاں مقدمے کو طویل کرنا مقصود نہیں کیوں کہ ان دونوں پر اہل علم و نظر نے اتنا کچھ لکھ دیا ہے کہ صرف اسی موضوع کی کتابوں سے ایک لائبریری تیار ہو سکتی ہے- یہاں صرف یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ زیر نظر قصائد میں بھی قرآن کریم کی تعبیرات اور حدیث

نبوی کے اقتباس و اشارات سے کلام کی رعنائی، حسن و جمال اور خوبی بیان کو جلا بخشی گئی ہے۔ ذیل میں ہم اسی زاویے سے قصائد کا جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

قرآنی اقتباسات:

قرآن کریم نے اعجازی طور پر فصاحت و بلاغت اور حسن بیان کا وہ اعلیٰ و ارفع نمونہ پیش کیا کہ انسانی عقل و ذہن اور قابلیت و مہارت اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہے۔ قصیدتان رائعتان میں قرآن کریم کی تعبیرات کو بڑے حسن نظم اور پوری مہارت کے ساتھ اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہم یہاں اختصار کے پیش نظر صرف تین مثالوں پر اکتفا کر رہے ہیں(☆)

(۱) اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

وما لهم به من علم إن يتبعون إلا الظن وإن الظن لا يغني من الحق شيئا

(النجم:۲۸)

ترجمہ: اور ان (کافروں) کو اس کا کچھ بھی علم نہیں ہے، وہ صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں اور بے شک گمان حق کے مقابلے میں کسی کام نہیں آتا۔

اس آیت سے استفادہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

هٰذاکَ ظَنُّهُمُ الَّذِيْ أَرْدَاهُمُ وَالظَّنُّ لا يُغْنِيْ مِنَ الْإِيْقَانِ

ترجمہ: یہی ان کا گمان ہے جس نے انہیں ہلاک کر دیا اور گمان یقین کے مقابلے میں کسی کام نہیں آتا۔ (شعر:۱۵۴)

(۲) فرمان باری تعالیٰ ہے:

ألم تر أن الله يزجي سحاباً ثم يؤلف بينه ثم يجعله ركاماً فترى الودق يخرج من خلاله۔ (النور:۴۳)

ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی بادل کو آہستہ آہستہ چلاتا ہے، پھر انہیں آپس میں ملاتا ہے، پھر انہیں تہ بہ تہ بنا دیتا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ اس کے درمیان سے

☆اس کے علاوہ قرآنی اقتباسات قصیدۂ نونیہ کے شعر ۸۹/۱۳۶/۱۷۸/۱۹۴/اور دالیہ کے شعر ۲/۲۷/۳۹/۴۳/اور ۴۱/میں ملاحظہ فرمائیں۔

www.Qadri.info

بارش کا پانی نکلتا ہے۔

اس آیت کریمہ سے استفادہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اَلْوَدْقُ یَخْرُجُ مِنْ خِلَالِ سَحَابِہٖ   فَالرَّعْدُ یَنْدُبُ أَیْنَ مِنْ ظَمْآنٖ

ترجمہ: (ممدوح کے جود وسخا کے) بادلوں کے درمیان سے بارش نکلتی ہے اور کڑکنے والی بجلی پکارتی ہے کہ پیاسے کہاں ہیں؟ (کہ میں ان کو سیراب کردوں) (شعر:۶۰)

(۳) اللہ تعالیٰ کافروں کے بارے میں فرماتا ہے:

قالوا ربنا غلبت علینا شقوتنا وکنا قوماً ضالین (المؤمنون:۱۰۶)

ترجمہ: وہ (کافر) کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہم پر ہماری بدبختی غالب آئی اور ہم گمراہ لوگ تھے۔

قصیدہ دالیہ میں منافقین اور اہل ضلال کے بارے میں فرماتے ہیں:

غَلَبَتْهُ   شِقْوَته   وَقَدْ   بُدِئَ الْکِتَاب بِما بُدِي

ترجمہ: اس پر اس کی شقاوت ونحوست غالب آ گئی، یقیناً لوح محفوظ کا جس سے آغاز ہونا تھا آغاز ہوا۔ (شعر:۳۹)

حدیثی اشارات:

حدیث پاک اسلام وشریعت کا منبع ہونے کے ساتھ ساتھ فصاحت وبلاغت کا سرچشمہ بھی ہے۔ یہ قصائد چوں کہ مذہبی شخصیات کی مدح اور صالح مذہبی افکار کے حامل ہیں، اس لیے حدیث نبوی سے استفادہ ایک ناگزیر امر تھا، شاعر نے جابجا احادیث سے استفادہ کیا ہے، یہ استفادہ کہیں صرف الفاظ وتعبیر کی حد تک ہے اور کہیں اپنے الفاظ وتعبیر میں حدیث پاک کے کسی مضمون کی تلمیح ہے۔ اس سلسلے میں بھی ہم صرف تین مثالوں پر اکتفا کر رہے ہیں باقی مثالیں اور تفصیلات آپ ترجمہ وتشریح کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ (☆۱)

☆ دیکھیے نونیہ کا شعر ۷۷/۷۸/۸۲/۱۴۵/۱۵۹/۱۷۴/۱۷۵/۲۲۳/۲۲۶/۲۳۱ اور دالیہ کا شعر ۱۹/۲۴/اور ۳۹/وغیرہ۔

www.Qadri.info

(۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لستُ من ددو لا ددمني (مجمع الزوائد: ہیثمی، ج۸/ص۲۲۹)

اس حدیث پاک سے استفادہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

إذْ مَا دَدٌ مِنِّي وَلا أَنَا مِنْ دَدٍ   إِذْ جِئْتُ أَمْدَحُ رُحْلَةً لِاَوَانِيْ

ترجمہ: کیونکہ نہ مجھ سے لہو ولعب ہے اور نہ میں لہو ولعب سے ہوں- میں تو فقط اُس ذاتِ گرامی کی مدح سرائی کے لیے آیا ہوں جو زمانے کے لیے مرجع خلائق ہے-

(شعر:۳۹)

(۲) ایک شعر کے دونوں مصرعوں میں حدیث پاک سے استفادہ کیا گیا ہے- یہ شعر حضرت تاج الفحول کی مدح میں ہے، فرماتے ہیں:

فَالْقَوْمُ لا يَشْقَى بِهِمْ جُلَسَاؤُهُمْ   وَالطِّيْبُ حَظٌّ فِيْهِ لِلنَّدْمَانِ

ترجمہ: (یہ جماعت) وہ جماعت ہے کہ جن کے ہم نشیں بد بخت وشقی نہیں ہو سکتے اور خوشبو میں ہم نشینوں کا بھی حصہ ہے- (شعر:۱۴۵)

پہلے مصرع میں ایک طویل حدیث قدسی کا اقتباس ہے، اللہ رب العزت اہل ذکر بندوں کے بارے میں فرماتا ہے:

هم القوم لا يشقى بهم جليسهم (صحیح مسلم: حدیث نمبر ۲۶۸۹)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کا ہم نشین بھی بد بخت نہیں ہوتا-

دوسرے مصرع کے نیچے بین السطور میں لکھتے ہیں: ''**إشارة إلى حديث الجليس الصالح**-''

یعنی اس مصرع میں جلیس صالح والی حدیث کی جانب اشارہ ہے، یہ حدیث حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مثل الجليس الصالح والسوء كحامل المسک ونافخ الكير فحامل المسک إما أن يحذيک وإما أن تبتاع منه وإما أن تجد منه ريحا طيبة

www.Qadri.info

ونافخ الكير إما أن يحرق ثيابک إما أن تجد ريحا خبيثة-

(صحیح بخاری: حدیث نمبر ۲۱۰۱)

ترجمہ: نیک اور بد مصاحب کی مثال مشک والے اور بھٹی دھونکنے والے کی طرح ہے۔ مشک والا یا تو تمہیں یوں ہی مشک پیش کر دے گا، یا تم اس سے مشک خرید لوگے، یا کم از کم تم کو اُس سے اچھی خوشبو آئے گی- بھٹی دھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلا دے گا ورنہ تم کو اس سے بد بو آئے گی-

(۳) حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

أنا عند ظن عبدي بي (بخاری: ۷۴۰۵/ مسلم: ۲۶۷۵)

ترجمہ: مَیں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جو وہ میرے ساتھ رکھتا ہے-

اس حدیث سے استفادہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قَدْ قُلْتَ إِنِّيْ عِنْدَ ظَنِّ الْعَبْدِ بِيْ ظَنِّيْ بِکَ الْإِحْسَانُ يَا مَنَّانِيْ

ترجمہ: تیرا فرمان ہے کہ مَیں اپنے بندے کے گمان پر ہوں، تو اے میرے منان (بہت زیادہ احسان کرنے والے) مَیں تیرے متعلق احسان و کرم کا گمان رکھتا ہوں- (شعر: ۲۲۶)

امثال ومحاورات:

دوسری زبانوں کے مقابلے میں عربی زبان کا دامن امثال ومحاورات کے ذخیرے سے بہت زیادہ مالا مال ہے- امثال ومحاورات مختلف اصناف بلاغت کے حسین امتزاج سے تشکیل پاتے ہیں اور عوام وخواص کا بے تکلف استعمال ان کی مقبولیت پر مہر تصدیق ثبت کر دیتا ہے- امثال اور بالخصوص محاورات کی حیثیت زبانوں میں ویسی ہی ہوتی ہے جیسی روح کی حیثیت جسم میں ہوتی ہے- (☆۱)

زیر نظر قصائد میں فنکارانہ مہارت کے ساتھ امثال ومحاورات کا برمحل اور برجستہ استعمال

☆ امثال ومحاورات کی تعریف واہمیت، ان کے درمیان فرق اور ان کے دیگر اہم پہلوؤں پر تفصیلی بحث راقم الحروف (اسید الحق) کی کتاب 'عربی محاورات مع ترجمہ وتعبیرات' کے مقدمے میں ملاحظہ فرمائیں-

www.Qadri.info

کر کے شاعر نے زور بیان اور کلام کی نزاکت میں اضافہ کیا ہے۔ یہاں ہم ان دونوں کی صرف ایک ایک مثال پیش کر رہے ہیں-

(۱) کوئی شخص کسی وصف یا کمال میں انتہائی مرتبے کو پہنچ جائے کہ اس کے بعد کوئی اور مرتبہ متصور نہ ہو تو ایسے موقع پر عربی میں ایک مثل استعمال ہوتی ہے 'لیس وراء عبادان قریة' یعنی عبادان کے بعد کوئی گاؤں نہیں ہے، چوں کہ عبادان ایک ایسے مقام پر آباد تھا کہ اس کے بعد خشکی نہیں ہے بلکہ سمندر ہے-اس مثل کو ذہن میں رکھ کر منقبت محبوب سبحانی کا یہ شعر ملاحظہ فرمائیں:

مَنْ قَالَ لَيْسَ وَرَاءَ عَبَادَانَ شَيْءٌ   أَنْتَ الْوَرَاءُ وَرَاءَ عَبَادَانِ

ترجمہ: کون کہتا ہے کہ عبّادان کے بعد کوئی چیز نہیں ہے، آپ عبّادان کے ماورا ہیں-(شعر:۱۶۶)

حاشیے میں وضاحت فرماتے ہیں:

مثل للعرب إذا أرادوا أن فلاناً منتهى النهايات قالوا ليس وراء عبادان قرية۔

ترجمہ: یہ عرب کی ایک مثل ہے، جب وہ (اس مفہوم کا) قصد کرتے ہیں کہ فلاں شخص آخری انتہا پر پہنچا ہوا ہے تو کہتے ہیں لیس وراء عبادان قریة-

یہاں جس خوبصورتی، موقع محل اور صحیح سیاق وسباق میں مثل کو نظم کیا گیا ہے اس کا لطف اہل ذوق ہی اٹھا سکتے ہیں-

(۲) جب کوئی شخص بڑی تیزی اور عجلت میں کہیں جارہا ہوتا ہے تو وہ اپنے کپڑے کھینچتا ہوا یا گھسیٹتا ہوا چلتا ہے، یہیں سے محاورہ بنا کہ اگر کوئی بہت تیزی سے چلتا ہوا آئے تو کہتے ہیں 'جاء یجر ردائه اس کا لفظی ترجمہ یہ ہوا کہ 'وہ اپنی چادر کھینچتا ہوا یا گھسیٹتا ہوا آیا'، مگر مجازی طور پر بہت تیزی سے آنا مراد ہوتا ہے، محاورے کی اس تفصیل کے بعد اب آپ شعر ملاحظہ فرمائیں-اپنے پیرو مرشد حضرت خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی قدس سرہٗ کے بارے میں کہتے ہیں:

يَوْمًا أَحَاطَ بِيَ الْعِدَى وَدَنَا الرَّدَى   إِذْ جَا يَجُرُّ رِدَاءَ هٗ فَرَعَانِيْ

ترجمہ: اُس دن جس دن دشمنوں نے مجھے گھیر لیا اور ہلاکت قریب ہوگئی تو یکا یک وہ اپنی چادر مبارک کھینچتے ہوئے آئے اور میری حفاظت فرمائی-(شعر:۱۲۱)

آپ ایک منظر کا تصور کریں کہ ایک کمزور و ناتواں شخص کو ظالم، ستم پیشہ اور طاقتور لوگ گھیرے ہوئے درپے آزار ہیں، امید قوی ہے کہ اس کو ہلاک کر کے ہی مانیں گے، بظاہر ایسی کوئی امید بھی نظر نہیں آتی کہ اب کوئی اُس شخص کو بچانے کے لیے آنے والا ہے، اچانک اس کی نگاہ اٹھتی ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ اس کے پیرومرشد بڑی عجلت سے اس کی امداد کے لیے تشریف لا رہے ہیں- آپ دیکھیں کہ اس نازک موقع پر جو شخص ایک قریب الہلاک کمزور آدمی کو بچانے کے لیے آئے گا وہ کس انداز میں آئے گا، بس اسی منظر میں محاورے جاء یجر ردائہ کا لطف پوشیدہ ہے- پھر یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ اس محاورے سے پہلے 'اذ' فجائیہ لگا دیا جو اچانک یا یکا یک کے معنی میں ہے- اِس سے محاورے کی معنویت اور شعر کے حسن میں مزید اضافہ ہو گیا-

وجوہ بلاغت:

بلاغت اپنی تینوں اقسام معانی، بیان، بدیع کے ساتھ زیر نظر قصائد میں جلوہ ریز ہے، جس سے شاعر نے اپنے کلام کی رعنائی، نزاکت، دل نشینی و دل آیزی میں اضافہ کیا ہے- اشعار کی شرح کے ذیل میں حسب موقع وجوہ بلاغت سجع و جناس، طباق و مقابلہ، اور تشبیہ و استعارہ و کنایہ وغیرہ کی طرف اشارات کر دیے گئے ہیں۔ یہاں اختصار کے پیش نظر صرف تین مثالوں پر اکتفا کیا جا رہا ہے-

(۱) جناس کی ایک خوبصورت مثال دیکھیں:

أَنَا قَيسُ نَجدٍ فِيهِ نُزْهَةُ جَنَّةٍ　　　هِيَ جُنَّةٌ مِنْ جِنَّةٍ لِجَنَانٍ

ترجمہ: مَیں ایسے نجد کا قیس ہوں جس میں باغ کی نزہت ہے اور یہی نزہت لوگوں کو دیوانگی (سے بچانے) کے لیے ڈھال ہے- (شعر:۲۹)

پہلا لفظ جَنَّة (گلشن) ہے، دوسرا جُنَّة (ڈھال) ہے، تیسرا جِنَّة (دیوانگی) ہے- ان کا حسن اجتماع جو لطف دے رہا ہے وہ اہل ذوق سے مخفی نہیں-

(۲) سیف اللہ المسلول کی شان میں دو شعر ہیں جن میں تقابل کی بہت عمدہ مثال ہے-

شَرَقَتْ شَوَارِقُ لُطْفِهِ فَتَبَلَّجَتْ　　　زُهَرُ الرَّشَادِ تَبلُّجَ الْعِقْيَانِ

بَرَقَتْ بَوَارِقُ سَيْفِهِ فَتَأَجَّجَتْ　　　هَامُ الْعِنَادِ تَأَجُّجَ النِّيْرَانِ

www.Qadri.info

ترجمہ: ان کے لطف وکرم کی بجلیاں کوندھیں تو رشد وہدایت کے شگوفے ایسے چمکے جیسے خالص سونا چمکتا ہے- ان کی تلوار چمکی تو بغض وعناد کے سر بھڑک اٹھے جیسے آگ بھڑکتی ہے- (شعر: ۵۷/ ۵۸)

پہلے شعر میں شَرَقَتْ ہے دوسرے میں اس کے مقابلے میں بَرَقَتْ ہے- ایک طرف شَوَارِقُ ہے دوسری طرف بَوَارِقُ، ایک طرف لُطْفِهٖ ہے دوسری طرف سَیْفِهٖ، ایک جگہ تَبَلَّجَتْ ہے دوسری طرف تَأَجَّجَتْ، ایک طرف الرَّشَاد ہے دوسری طرف العِنَاد، ایک طرف تَبَلُّجَ العِقْیَانِ دوسری طرف تَأَجُّجَ النِّیْرَانِ-

(۳) استعارہ وتشبیہ کی ایک مثال دیکھیں، بات یہ چل رہی ہے کہ معرکہ حق و باطل میں اہل بدعت وضلالت نجد سے اپنے مددگار بلالیں، ہم اپنی مدد کے لیے حق وصداقت کے سپاہی (سیف اللہ المسلول) کو بلالیں گے- اب وہ حق وصداقت کا پاسبان کیسا ہے؟ بیان کررہے ہیں:

أَسَدٍ صَؤُوْلٍ ضَامِرٍ بَطَلٍ کَأَ غْبَرِ اسْدٖ

سخت حملہ آور بھوکا شیر، بہادر خاکستر رنگ والے شیر کی طرح-

حضرت سیف اللہ المسلول کو اہل باطل کا مقابلہ کرنے، ان کا ردوابطال کرنے اوران کا قلع قمع کرنے میں شیر سے تشبیہ دے رہے ہیں، لیکن صرف 'شیر' کہنے سے حضرت سیف اللہ المسلول کی جرأت، ہیبت حق اور بہادری کی کما حقہ صفت بیان نہیں ہو پائی، اس لیے پھر اسد کی صفت صَؤُوْلٍ لائے، اس کا معنی ہے سخت حملہ کرنے والا شیر، مگر پھر احساس ہوا کہ حضرت سیف اللہ المسلول کی دلیری، شجاعت اور اہل باطل پر قہر بن کر حملہ کرنے کی صحیح تصویر کشی کے لیے صرف أَسَدٍ صَؤُوْلٍ بھی ناکافی ہے، لہٰذا اس پر ضامر کی صفت کا اضافہ کیا، ضامر بھوکے شیر کو کہتے ہیں، یہ بات معلوم ہے کہ بھوک کی حالت میں شیر اور بھی خطرناک اور سخت حملہ کرنے والا ہوجاتا ہے- اس پر پھر بطل (بہادر) کا اضافہ کیا، یعنی وہ اہل باطل کے مقابلے میں شیر کی طرح ہیں، شیر بھی وہ جو سخت حملہ آور ہو، وہ بھی ایسا کہ بھوک کی حالت میں ہو، پھر بہادر بھی ہو اور اس سب کے بعد وہ 'أغبر' ہو، أغبر خاکستری رنگ والے بھیڑیے یا شیر کو کہتے ہیں، جو حملہ کرنے میں عام شیروں کے مقابلے میں زیادہ سخت ہوتا ہے- أغبر بھوکے کی صفت کے طور پر

www.Qadri.info

بھی آتا ہے، یعنی بہت شدید بھوکا- اس صورت میں مطلب ہوا کہ وہ تمام شیروں میں سب سے زیادہ بھوکا ہو-

اسرارنحویہ ولغویہ:

عربی نحو وصرف اور لغت پر گہری نظر اور مضبوط گرفت کے بغیر اس پائے کے قصیدے نظم کرنا ممکن نہیں ہے- قصیدوں کے حواشی اور بین السطور میں مصنفِ علام نے اسرارنحویہ اور لغویہ کی جانب جو اشارات کیے ہیں وہ مفید اور دلچسپ بھی ہیں اور قواعد ولغت پر دسترس کی دلیل بھی- ضیافت طبع کے لیے صرف دو مثالیں قواعد نحویہ کی اور دو مثالیں اسرار لغویہ کی ہدیۂ قارئین ہیں:

(۱) شعر ۲۲۵ رمیں فرمایا:

نَبَعَ الزُّلَالُ بِكَفِّهِ الْمُزْدَان

ترجمہ: ان کی مبارک ہتھیلی سے میٹھے پانی کے چشمے پھوٹے-

یہاں شبہ پیدا ہوتا ہے کہ لفظ 'کف' مؤنث ہے، اس کی صفت المزدان مذکر ہے، یہاں موصوف صفت میں مطابق نہیں پائی گئی- حاشیے میں اس شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اكتسبت التذكير من المضافة إليه كالسور اكتسب التانيث من المدينة في قوله:

لما أتى خبر الزبير تواضعت   سور المدينة والجبال الخشع

قاله صاحب غاية التحقيق۔

ترجمہ: (لفظ کف نے) اپنے مضاف الیہ (ہ ضمیر مجرور متصل) سے تذکیر حاصل کی ہے، جس طرح لفظ سور نے لفظ المدینہ سے تانیث اخذ کی ہے ان کے اس شعر میں:

لما أتى خبر الزبير تواضعت   سور المدينة والجبال الخشع

ترجمہ شعر: جب حضرت زبیر کی (شہادت کی) خبر آئی تو مدینہ منورہ کے درو دیوار کانپ گئے اور پہاڑ تھرائے ہوئے تھے- صاحب غایۃ التحقیق نے یہ بات فرمائی ہے-

اس میں لفظ سور مذکر ہے، اس کی مناسبت سے یہاں فعل تواضعت کا نہیں تواضع کا محل تھا، مگر چونکہ سور کا مضاف الیہ لفظ المدینة مؤنث ہے اس لیے سور کو بھی مؤنث مان

لیا گیا-

(۲) شعر ۲۳۱ر میں فرماتے ہیں:

أَبدِلهُمَا دَارًا وَجَارًا خَيِّرًا مِنْ هٰؤُلاءِ الدُّوْرِ وَالْجِيْرَان

ترجمہ: ان کو اس دنیا کے گھر اور پڑوسیوں کے بدلے (جنت میں) بہتر گھر اور بہتر پڑوس عطا فرما-

مصرع ثانی میں اسم اشارہ 'ھٰؤُلاءِ' لائے ہیں، اس کا مشار الیہ الدور اور الجیران ہیں، یہاں شبہ پیدا ہوا ہے کہ 'ھٰؤُلاءِ' ذوی العقول کے لیے لایا جاتا ہے، جب کہ یہاں 'الدور' غیر ذوی العقول ہے۔ اس شبہ کے جواب میں حاشیے میں لکھتے ہیں:

أولاء ربما يشار بهاإلى غير ذوي العقول قال تعالىٰإن السمع والبصر والفؤاد كل أولئك كان عنه مسئولاً قاله أبو إسماعيل الجوهري۔

ترجمہ: اولاء کے ذریعے کبھی غیر ذوی العقول کی طرف بھی اشارہ کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ إن السمع والبصر والفؤاد كل أولئك كان عنه مسئولا، ابواسماعیل جوہری نے یہ کہا ہے-

(۳) نونیہ کا شعر ۹ر ہے:

مَا مَضْمَضَتْ عَيْنِيْ بِنَوْمٍ مُذْ مَضَتْ وَكَذَاكَ كُلُّ مُفَارِقِ الْخُلَّانِ

ترجمہ: جب سے محبوب جدا ہوا میری آنکھ (ایک لمحے کو بھی) نہیں سوئی، احباب سے جدا ہونے والا ہر شخص ایسا ہی ہوتا ہے-

پہلے مصرع میں لفظ 'مضمضت' آیا ہے، اس کا مطلب ہے کلی کرنا، اب ترجمہ یہ ہوگا کہ جب سے وہ گیا ہے میری آنکھ نے نیند کی کلی نہیں کی، لیکن اہل عرب اس کو اس لغوی اور لفظی معنی کے علاوہ بطور محاورہ بھی استعمال کرتے ہیں، محاورے میں اس کا مطلب ہوگا کہ ذرا بھی نہیں سویا یا ایک لمحے کو بھی نہیں سویا- یہاں چوں کہ شبہ ہوتا کہ مضمضہ (کلی کرنا) تو منھ کے ساتھ ہے یہ آنکھ کے ساتھ کیوں آ گیا؟ حاشیے میں اس شبہ کا ازالہ کرتے ہیں کہ:

المضمضة أصلها للفم لكنها كلمة تقولها العرب إذا أرادوا المبالغة في

www.Qadri.info

نفي النوم-

لفظ **المضمضة** دراصل منھ (سے کلی کرنے) کے لیے آتا ہے، لیکن عرب جب بے خوابی میں مبالغہ کا ارادہ کرتے ہیں تو اس لفظ کا استعمال کرتے ہیں-

اب بات واضح ہوگئی کہ یہاں یہ ترکیب اپنے لفظی معنوں میں نہیں بلکہ بطور محاورہ وارد ہے-

(۴) شعر ۶۵ر میں کہتے ہیں:

أَوْ عِلْمَ تَأْوِيْلِ الْقُرَانِ فَيَالَهُ مِنْ ايَةٍ فِي الشَّرْحِ وَالْإِزْكَانِ

ترجمہ: یا تو تفسیر قرآن کا علم چاہتا ہے تو انہیں (یعنی ممدوح کو) شرح و تفسیر اور افہام و تفہیم میں دسترس و مہارت تامہ حاصل ہے-

لفظ قرآن بروزن فُعْلَان ہے، مگر پہلے مصرع میں اس کو بروزن فُعَان باندھا ہے، اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

القرآن على فعان بنقل حركة الهمزة إلى الراء وحذفها لغة شائعة في القرآن على فعلان وبهما قرء القرآن في القرآن-

لفظ القرآن بروزن فعان (ہمزے کی حرکت نقل کرکے را کو دے دی اور ہمزے کو حذف کردیا) القرآن بروزن فعلان میں لغت شائع ہے، قرآن کریم میں دونوں طرح پڑھا گیا ہے-(☆۱)

❑❑❑

☆اکتوبر ۲۰۱۳ء میں مولانا عاصم اقبال مجیدی (تلمیذ: مولانا اسید الحق قادری) کے ترجمے اور تشریح کے ساتھ ۲۵۶ر صفحات پر 'قصیدتان رائعتان' شائع ہوا تھا- اس کتاب میں زیر نظر مقالہ بطور مقدمہ شامل ہے- یہ وقیع علمی وفنی مقالہ مذکورہ کتاب کے ۸۶ صفحات پر مشتمل ہے- دراصل اس مقالے کے دو حصے ہیں، پہلے حصے میں مختلف جہتوں سے قصیدتان رائعتان کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے، جسے یہاں شامل کرلیا گیا ہے- مقالے کے دوسرے حصے میں عراقی عالم وادیب ڈاکٹر رشید عبیدی بغدادی کی شرح و تحقیق کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے، جنھوں نے ۲۰۰۱ء میں زیر نظر قصائد کی شرح و تحقیق کا کام کیا تھا، جو ۲۰۰۲ء میں **المجمع الرضوي العليمي** کے زیر اہتمام بغداد سے شائع ہوا- مقالے کا یہ حصہ مقالے کی جان ہے، جسے ہم نے ''شرح قصیدتان رائعتان: ایک تنقیدی مطالعہ'' کے مستقل عنوان سے مصنف کے تنقیدی مضامین کے مجموعے میں شامل کرلیا ہے- (عطیف قادری)

www.Qadri.info

مولانا شاہ فضل رسول بدایونی
کی تصنیف 'بوارق محمدیہ': ایک تعارف

سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی (ولادت: ۱۲۱۳ھ/ ۱۷۹۸ء-وفات: ۱۲۸۹ھ/ ۱۸۷۲ء) برصغیر ہندو پاک کے جید عالم دین، متکلم، اصولی، مناظر، مصنف، خدا رسیدہ بزرگ اور اپنے زمانے میں اہل سنت وجماعت کے مقتدا و پیشوا کی حیثیت سے مشہور ومعروف ہیں-

آپ کی زندگی کے مختلف گوشوں میں ایک اہم گوشہ بدعقیدگی، فکری انحراف، اور اہانت انبیا واولیا کی تحریک کے خلاف آپ کے جہاد بالقلم سے عبارت ہے-مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پوتے اور سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے بھتیجے شاہ اسماعیل دہلوی نے جب اپنے آبائی وخاندانی مسلک ومنہاج سے انحراف کر کے شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے مخصوص عقائد ونظریات کو ہندوستان میں درآمد کیا تو اس کے خلاف سب سے اہم کردار حضرت سیف اللہ المسلول نے ادا کیا اور اسلامیان ہند کے عقائد ومسلک کے تحفظ کے لیے تصنیف وتالیف کا ایک ایسا سلسلہ قائم فرمایا جس کے ذریعے حق وباطل کے درمیان خط امتیاز نمایاں ہو گیا-

آپ نے اس سلسلے میں عربی، فارسی اور اردو میں ایک درجن سے زیادہ کتابیں تصنیف فرمائیں، عربی میں **المعتقد المنتقد**، فارسی میں البوارق المحمدیہ، احقاق حق اور تصحیح المسائل، اردو میں سیف الجبار، فصل الخطاب اور فوز المؤمنین اہم تصانیف ہیں-

آپ کی اس خدمت کا اعتراف معاصرین ومتاخرین سبھی اہل علم وتاریخ نے کیا ہے، مگر زاویہ نظر کا فرق ہے، بعض نے مثبت انداز میں آپ کی خدمات کا اعتراف کیا ہے اور بعض نے منفی انداز میں۔

استاذ مطلق علامہ فضل حق خیرآبادی آپ کی کتاب **المعتقد المنتقد** کے بارے میں لکھتے ہیں:

''گمراہ اس کے ذریعے اہل سنت کے روشن راستوں کی طرف راہ پاتا ہے، اور پیاسا اس کے ذریعے روشن شریعت کے دائمی اور محفوظ چشمے سے سیراب ہوتا ہے، اس کے ذریعے انہوں نے مذہبی سچے عقائد اور گھٹیا فرقوں کی لایعنی باتوں کے درمیان خط امتیاز کو روشن کیا، اور اس کے ذریعے معتزلہ اور نجدیوں جیسے عقل کے اندھوں کے گھٹیا عیبوں کا پردہ فاش کیا ہے، چنانچہ اس کے ذریعے انہوں نے حق کو بالکل واضح کردیا، اور ہر نجدی کو شکست خوردہ اور زمیں بوس کردیا بلکہ ہلاک اور زیرلحد کردیا۔''(۱)

مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی فرماتے ہیں:

''مَیں نے اس رسالے کو لفظ ومعنیٰ کے اعتبار سے عمدہ اور بہترین نظم وترتیب کے اعتبار سے چمکتا دمکتا، اور رفیع الشان پایا، علم کلام میں تصنیف کی جانے والی کوئی کتاب اس کے قریب نظر نہیں آتی، اور اس موضوع پر تالیف کیا جانے والا کوئی بھی رسالہ اس کے برابر نہیں ہے۔''(۲)

یہ تصویر کا ایک رخ ہے، دوسری طرف جماعت اسلامی کے سرگرم رکن اور عربی زبان و ادب کے معروف اسکالر مولانا مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں:

''مکہ معظّمہ کے شیخ احمد زینی دحلان اور بدایوں کے مولوی فضل رسول اور ان کے پیروؤں کی کوشش سے (وہابیوں کے خلاف) افتراپردازیوں اور بہتان طرازیوں کا ایک انبار لگ گیا، جس سے کم وبیش آج تک جاہل اور عوام متاثر ہیں۔''(۳)

مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی لکھتے ہیں:

''مولانا فضل رسول صاحب بدایونی وہ پہلے شخص تھے، جنہوں نے شاہ محمد اسماعیل شہید، تقویت الایمان اور ان کی دعوت توحید وسنت کے خلاف ایک بڑی جد جہد کی ابتدا کی۔'' (۴)

ڈاکٹر شمس بدایونی لکھتے ہیں:

''مولانا فضل رسول پہلے ہندوستانی عالم ہیں جنہوں نے شاہ اسماعیل شہید اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کے درمیان فکری رابطے تلاش کیے اور اسی نسبت سے ان پر لفظ ''وہابی'' کا اطلاق کیا۔ مسلمانان ہند کی قومی تاریخ میں لفظ ''وہابی'' کا غالباً یہ اولین استعمال تھا۔'' (۵)

ان اقتباسات سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ''وہابی نظریات'' کے خلاف حضرت سیف اللہ المسلول کی خدمات ایسی جامع اور وقیع ہیں کہ ان کا اعتراف اپنے اور پرائے سبھی نے کیا ہے۔

یہاں ہم حضرت کی اسی سلسلے کی تصانیف میں سے ایک اہم کتاب ''البوارق المحمدیہ'' کا تعارف کروا رہے ہیں:

کتاب کا نام اور سنہ تالیف:

اس کتاب کے دو نام ہیں:

[۱] **البوارق المحمدیة لرجم الشیاطین النجدیة**

[۲] **سوط الرحمٰن علی قرن الشیطان**

یہ دونوں تاریخی نام ہیں جن سے کتاب کا سنہ تالیف ۱۲۶۵ھ (۴۹-۱۸۴۸ء) برآمد ہوتا ہے۔ اردو داں قارئین کی سہولت کے لیے ہم آئندہ صفحات میں صرف ''بوارق محمدیہ'' لکھیں گے۔ یہ کتاب فارسی زبان میں ہے۔

سبب تالیف:

مصنف کے صاحبزادے حضرت تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی نے اپنے رسالے ''تحفہ فیض'' میں بوارق محمدیہ کی وجہ تالیف کا ذکر کرتے ہوئے ایک واقعہ تحریر فرمایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک روز حضرت سیف اللہ المسلول دہلی میں حضرت خواجہ قطب الدین

بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے، آپ نے دیکھا کہ حضرت خواجہ قطب صاحب تشریف فرما ہیں اور آپ کے دونوں ہاتھوں پر کتابوں کا انبار ہے، کتابوں کا یہ انبار اتنا بلند ہے کہ آسمان تک پہنچ رہا ہے، حضرت نے عرض کیا کہ ''آپ نے یہ تکلیف کیوں گوارا فرمائی؟'' حضرت خواجہ قطب نے ارشاد فرمایا کہ ''یہ تمہارے لیے ہے، یہ کتابیں لے لو اور ان کی مدد سے شیطانی فتنے کو دفع کرو''، چنانچہ حضرت سیف اللہ المسلول نے اسی اشارۂ باطنی کے بعد بہ عجلت تمام 'بوارق محمدیہ' تصنیف فرمائی۔(۶)

بوارق محمدیہ کا قلمی نسخہ:

کتب خانہ قادریہ بدایوں میں بوارق محمدیہ کا ایک عمدہ قلمی نسخہ موجود ہے، یہ متوسط سائز کے ۱۴۷/اوراق پر مشتمل ہے، نہایت خوش خط ہے، ذیلی عنوانات لال روشنائی سے لکھے گئے ہیں، کاتب کا نام درج نہیں ہے، سنہ کتابت ۱۲۷۸ھ درج ہے۔ یہ نسخہ جس مجموعے میں شامل ہے اس کے سرورق پر ''حسین حیدر عفی عنہ'' کے دستخط ہیں، یہ خانوادۂ برکاتیہ مارہرہ شریف کے چشم و چراغ حضرت سید شاہ حسین حیدر قادری برکاتی ہیں، آپ خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی قدس سرہ کے نواسے ہیں، مدرسہ قادریہ بدایوں میں رہ کر حضرت تاج الفحول سے اخذ علم ظاہری کیا، تاج الفحول کے اجلۂ تلامذہ میں شمار ہوتا ہے۔ ان رسائل کی کتابت کے بعد آپ نے اصل سے ان کا مقابلہ کیا ہے، ایک سے زیادہ جگہ اس بات کی صراحت موجود ہے۔

بوارق محمدیہ کی اشاعت:

معروف محقق مالک رام نے لکھا ہے کہ:

(بوارق محمدیہ) پہلی مرتبہ ذی الحجہ ۱۲۶۶ھ/اکتوبر ۱۸۵۰ء میں مطبع دارالسلام دہلی میں چھپ کر شائع ہوئی تھی۔(۷)

کتب خانہ قادریہ میں یہ نسخہ موجود ہے، یہ چھوٹی تقطیع پر ۲۲۷/صفحات پر مشتمل ہے، سرورق سمیت ابتدا سے ۴/صفحات ناقص ہیں۔

بوارق محمدیہ کی دوسری اشاعت متوسط سائز پر ۱۵۲/صفحات پر مشتمل ہے، ابتدا سے صفحہ ۶۹/تک حاشیے پر مصنف کی دوسری کتاب ''احقاق حق وابطال باطل'' ہے، صفحہ ۷۰/سے حاشیہ

اور متن دونوں میں بوارق محمدیہ ہے- یہ اشاعت حضرت تاج الفحول کے مرید وخلیفہ حضرت مولانا عمرالدین ہزاروی (وفات: ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء) کی فرمائش اور حافظ ولی محمد و محمد اسحاق صاحبان کے اہتمام وکوشش سے عمل میں آئی، سرورق پر یہ عبارت درج ہے:

''حسب الارشاد فیض بنیاد فاضل جلیل عالم نبیل جناب مولوی عمرالدین صاحب ہزاروی دام فیوضہ باہتمام تام وسعی مالا کلام الراجی الی رحمۃ اللہ الخلاق حافظ ولی محمد ومحمد اسحاق صانہما اللہ عن شرور الآفاق-''

کتاب کے آخر میں (از ص ۱۴۲/ تا ص ۱۴۹/) ''خاتمۃ الطبع'' کے عنوان سے مصنف کے حالات درج کیے گئے ہیں، اس کے بعد چند صفحات میں صحت نامہ اور فہرست کتاب ہے- ڈاکٹر ایوب قادری کے بقول خاتمۃ الطبع کے عنوان سے یہ حالات قاضی معین الدین کیفی میرٹھی کے جمع کردہ ہیں (۸)، اگرچہ خاتمۃ الطبع میں اس بات کی صراحت نہیں ہے لیکن یہ بات بعید از قیاس بھی نہیں ہے-

یہ اشاعت ''مطبع سول ملیٹری ارفنج'' سے عمل میں آئی ہے، یہ مطبع کس شہر میں تھا یہ درج نہیں ہے، اور نہ ہمارے علم میں ہے، البتہ ڈاکٹر ایوب قادری نے ایک جگہ اس کو ''مطبوعہ میرٹھ'' لکھا ہے، ممکن ہے یہ درست ہو- اس میں سنہ اشاعت بھی مذکور نہیں ہے، کتاب کے آخر میں حضرت تاج الفحول کی جانب سے یہ ''اعلان'' شائع کیا گیا ہے:

اعلان: رسالہ احقاق حق اور کتاب بوارق محمدیہ من تالیفات حضرت حامی اسلام ہادیٔ انام قبلۂ اولیائے زماں، کعبۂ اصفیائے دوراں حضرت ابی واستاذی ومرشدی جناب مولانا مولوی فضل رسول حنفی قادری قدس سرہ کو حافظ ولی محمد صاحب اور مولوی اسحاق صاحب نے بکمال کوشش وصرف کثیر باجازت فقیر حقیر طبع فرمایا ہے، لہٰذا ان کو حق تالیف ہبہ کیا گیا، اہل اسلام کو جس قدر نسخے مطلوب ہوں ان سے طلب فرمائیں اور بغیر ان کی اجازت کے کوئی صاحب قصد طبع کا نہ فرمائیں، اطلاعاً لکھا گیا-

حررہ احقر الطلبہ عبدالقادر قادری عفی عنہ''

اس ''اعلان'' سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اشاعت مصنف کی وفات (۱۲۸۹ھ/ ۱۸۷۲ء) کے بعد عمل میں آئی ہے- حضرت تاج الفحول کی وفات ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء میں ہوئی، لہٰذا اس کی اشاعت ۱۲۸۹ھ/ ۱۸۷۲ء اور ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء کے درمیان ہوئی ہے-

شوارق صمدیہ میں مولانا غلام قادر بھیروی نے ''بوارق محمدیہ مطبوعہ ۱۲۶۹ھ مطبع دارالسلام دہلی'' کا حوالہ دیا ہے، ۱۲۶۹ھ والے اس نسخے کا ذکر کہیں اور نظر سے نہیں گذرا، ممکن ہے دارالسلام دہلی سے اس کی دو اشاعتیں ہوئی ہوں، ایک ۱۲۶۶ھ میں دوسری ۱۲۶۹ھ میں، اور یہ بھی بعید از امکان نہیں کہ شوارق صمدیہ کے کاتب نے ۱۲۶۶ھ کو ہی ۱۲۶۹ھ لکھ دیا ہو-

بوارق محمدیہ کے مشمولات:

مصنف نے کتاب کو ایک مقدمہ اور دو باب پر ترتیب دیا ہے، مقدمے میں عرب اور ہندوستان میں وہابی تحریک کے آغاز وارتقا کی تاریخ درج کی گئی ہے، پہلے باب میں وہابی عقائد اور دوسرے باب میں ان کے بعض اہل قلم کے مکائد (فریب) ذکر کیے گئے ہیں-

مقدمے کے مندرجات:

مقدمے میں مندرجہ ذیل مباحث زیر قلم آئے ہیں:

جزیرۂ عرب میں وہابیت کا آغاز اور کتاب التوحید کی تصنیف، وہابیوں کا مکہ مکرمہ پر حملہ، وہابیوں کا مدینہ منورہ پر حملہ، ابراہیم پاشا اور وہابیوں کے درمیان معرکہ، یمن اور مسقط میں فرقہ وہابیہ کا ظہور، ہندوستان میں وہابیت کا آغاز، سید احمد رائے بریلوی کے مراتب وکمالات کتاب صراط مستقیم کی روشنی میں، تقویت الایمان کی تصنیف، علمائے دہلی کی جانب سے شاہ اسماعیل دہلوی کا رد، شاہ اسماعیل اور سید احمد رائے بریلوی کی تحریک جہاد، فرقۂ ظاہریہ اور داؤد ظاہری، ابن حزم ظاہری کے احوال، شیخ ابن تیمیہ کے احوال، فرقۂ ظاہریہ کے بعض عقیدے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بعض افکار، شاہ اسماعیل دہلوی اور انکار تقلید، شاہ اسماعیل دہلوی کے بعد وہابیوں کے مختلف فرقے وغیرہ-

باب اول کے مندرجات:

شاہ اسماعیل دہلوی اور ان کے بعض ہم خیال علما کی تحریروں کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد

مصنف اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ان حضرات کے ذریعے بیان کیے گئے اکثر جزئی مسائل پانچ بنیادی اصول یا کلیات سے متفرع ہیں، یعنی ان کے پانچ بنیادی اصول ہیں، باقی تمام مسائل جزیہ انہیں سے نکلے ہیں، لہٰذا اگر ان کلیات ہی کو باطل کر دیا جائے تو ان کا پورا مذہب اپنے آپ باطل ہو جائے گا، باب اول میں انہی پانچ کلیات کا رد و ابطال کیا گیا ہے-

وہ پانچ کلیات یا بنیادی اصول یہ ہیں:

[۱] اعمال و افعال حقیقت ایمان میں داخل ہیں-

[۲] ہر بدعت (عام از یں کہ شرعی ہو یا لغوی) حرام و کفر ہے-

[۳] فعل مباح بلکہ حسن اور تمام امور خیر مداومت اور زمان و مکان کی تخصیص سے حرام ہو جاتے ہیں-

[۴] اشیا میں اصل اباحت نہیں بلکہ حرمت ہے-

[۵] تشبہ (کسی بھی غیر قوم سے) مطلقاً مستلزم مساوات ہے-

ان کلیات میں سے بعض کے بارے میں مصنف نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ ان وہابی علما کے ایجاد کردہ نہیں ہیں بلکہ یہ ماضی کے چند گمراہ فرقوں مثلاً معتزلہ اور خوارج وغیرہ کے عقائد و نظریات کا معجون مرکب ہیں، ان کو رد کرنے کے لیے مصنف نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ پہلے تو مصنف معتزلہ وغیرہ کی کتابوں سے یہ دکھاتے ہیں کہ ان عقائد و نظریات کے بارے میں ماضی کے ان گمراہ فرقوں کا کیا نقطہ نظر تھا، جب یہ ثابت کر دیتے ہیں کہ یہی عقائد ان فرقوں کے بھی تھے، اس کے بعد ان عقائد کے رد میں اشاعرہ اور ماتریدیہ کے متقدمین علما اور متکلمین کے اقوال لاتے ہیں- پھر ان باطل کردہ کلیات کو تقویت الایمان اور مأۃ مسائل وغیرہ کتابوں میں بیان کیے گئے جزئی مسائل پر منطبق کر کے دکھاتے ہیں- آخر میں شاہ اسماعیل دہلوی کے بیان کردہ ان جزئیات کے خلاف خود ان کے خاندان کے علما مثلاً ان کے جد محترم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور عم محترم شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی کتابوں سے عبارتیں پیش کرتے ہیں-

باب اول میں ان پانچ بنیادی اصولوں پر کلام کرنے کے بعد مصنف نے ''تکملہ در بعض امور ضروریہ'' کے تحت وہابیہ کے پانچ ایسے مسائل بیان کر کے ان کا رد و ابطال کیا ہے جن پر ان

حضرات کو بہت اصرار ہے، مصنف فرماتے ہیں کہ یہ وہ مسائل ہیں جو اہل سنت اور وہابیہ کے درمیان خط امتیاز کھینچتے ہیں، اس لیے ان کا رد ضروری ہے، وہ پانچ مسائل درج ذیل ہیں:

[۱] مسئلہ استعانت واستمداد بغیر اللہ- اس بحث میں مصنف نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی 'تفسیر عزیزی' سے نو عبارتیں پیش کر کے استعانت بغیر اللہ کے جواز کو ثابت کیا ہے-

[۲] مسئلہ سماع اموات- اس بحث میں بھی مصنف نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی عبارتوں سے ارواح کے سماع اور ادراک کو ثابت کیا ہے-

[۳] مسئلہ شفاعت-

[۴] آثار صالحین سے تبرک کا انکار- اس مسئلے میں بھی مصنف نے شاہ عبدالعزیز کا ایک فتویٰ اور ان کی دیگر کئی عبارتوں سے دلائل پیش کیے ہیں-

[۵] مسئلہ ما اہل لغیر اللہ- اس سلسلے میں مصنف نے اپنے معاصر کسی وہابی عالم کا ایک قدرے طویل فتویٰ نقل کر کے اس کا رد بلیغ فرمایا ہے، ساتھ ہی اس مسئلے میں مولانا عبدالحکیم پنجابی ثم لکھنوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے درمیان ہونے والے ایک مباحثے کا تفصیلی ذکر کیا ہے-

باب دوم کے مندرجات:

باب دوم میں مصنف بوارق محمدیہ نے وہابیہ کے مکائد (فریب) کا ذکر کیا ہے، مصنف فرماتے ہیں کہ وہابیہ کے مکائد دو طرح کے ہیں ایک مکائد اسماعیلیہ یعنی وہ فریب جو شاہ اسماعیل دہلوی کی تحریروں میں موجود ہیں- دوسرے مکائد اسحاقیہ یعنی وہ فریب اور علمی خیانتیں جو مولانا شاہ اسحاق دہلوی سے منسوب کتابوں 'مأۃ مسائل' اور 'اربعین مسائل' میں موجود ہیں-

مکائد اسماعیلیہ کے بارے میں مصنف نے فرمایا ہے کہ شاہ اسماعیل صاحب اپنی ہر بات کے ثبوت میں کوئی نہ کوئی آیت یا حدیث لکھ دیتے ہیں، حالانکہ جب آیت کا سیاق وسباق، شان نزول، متقدم اور معتبر مفسرین کی کتب اور حدیث پاک کے معتبر شارحین کی کتابوں کو دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کریمہ یا اس حدیث پاک کو شاہ صاحب کے دعوے سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے-

مکائد اسحاقیہ کے بارے میں مصنف فرماتے ہیں کہ ماۃ مسائل اور اربعین مسائل میں ہر مسئلے کے ثبوت میں آیت، حدیث، اصول یا فقہ کے کسی جزیے کا حوالہ ضرور دیتے ہیں، مگر ان حوالوں میں مصنف نے طرح طرح کی خیانتیں کی ہیں، مثلاً کہیں سیاق وسباق سے کاٹ کر عبارت نقل کردی ہے، کہیں کسی مصنف کی رد کردہ بات کو اسی کی جانب منسوب کرکے لکھ دیا ہے، کہیں علمی دیانت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے عبارت ہی غلط نقل کردی ہے، وغیرہ وغیرہ- مصنف نے اس قسم کے مکائد کی سات مثالیں پیش کی ہیں-

بوارق محمدیہ کے مشمولات کا یہ مختصر تعارف ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر نہایت جامع اور مکمل ہے-

بوارق محمدیہ اور اس کے مصنف پر اکابر ملت کا اعتماد:

مصنف کی تحقیقی گہرائی، عالمانہ تنقیدی اسلوب، حوالہ جات اور دلائل کی کثرت وقوت، اور کتاب کی جامعیت کی وجہ سے ابتدا ہی سے اکابر علمائے اہل سنت بوارق محمدیہ اور اس کے مصنف کو اعتبار ووقعت کی نگاہ سے دیکھتے آرہے ہیں، بہت سے اکابر نے اس کی عبارتوں کو بطور حوالہ پیش کیا ہے، بلکہ ایک دور میں بوارق محمدیہ اور اس کے مصنف کو اہل حق اور اہل سنت کی علامت کے طور پر دیکھا جاتا تھا-

مولانا ابوالکلام آزاد اپنے والد حضرت مولانا خیر الدین دہلوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ’’ہندوستان کے گذشتہ علما میں صرف مولوی فضل رسول بدایونی، جنہوں نے تقویت الایمان کے رد میں سوط الرحمن (بوارق محمدیہ) لکھی ہے، ٹھیک اسی رنگ پر تھے جو اس بارے میں والد مرحوم کا تھا، ان (مولانا فضل رسول بدایونی) کے علاوہ ہندستان کا کوئی سخت سے سخت حنفی عالم بھی ان کے معیار حنفیت پر نہیں اتر سکتا تھا-‘‘(۹)

مولانا عبدالحکیم شرف قادری لکھتے ہیں:

اس کتاب (بوارق محمدیہ) کو علما و مشائخ نے نہایت قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے- مولانا غلام قادر بھیروی نے ’’الشوارق الصمدیہ‘‘ کے نام سے خلاصہ وترجمہ کیا

جو عرصہ ہوا شائع ہو چکا ہے، اس کی وقعت اور مقبولیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی نے بھی اسے بطور حوالہ ذکر کیا ہے- ایک جگہ فرماتے ہیں ''صاحب بوارق محمدیہ صفحہ ۱۳۱/ پر لکھتے ہیں'' (اعلاء کلمۃ اللہ: طبع چہارم، ص: ۱۳۹) دوسری جگہ فرماتے ہیں: ''در بوارق می نویسد امام احمد وغیرہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہم آں حدیث روایت کردہ اند'' (مرجع سابق: ۱۶۳) ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ''ایں جابر ذکر چنداز انفاس متبرکہ حضرت خاتم المحدثین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ نقل نمودہ است آنہارا مولانا فضل رسول قادری حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکتفا نمودہ می آید'' (مرجع سابق: ۱۹۵) حضور اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ نے جا بجا بوارق محمدیہ کے حوالہ جات نقل کر کے اور ان پر اعتماد کا اظہار کر کے اس کی قبولیت وصداقت پر مہر تصدیق ثبت فرما دی ہے-'' (۱۰)

حضرت مولانا قاضی فضل احمد لدھیانوی چودہویں صدی کے آغاز میں پنجاب کے نامور اور جید عالم ومصنف گزرے ہیں، انہوں نے فرقۂ وہابیہ اور علمائے دیوبند کے رد میں ایک ضخیم کتاب ''انوار آفتاب صداقت'' (سنہ تالیف ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء) تصنیف فرمائی، اس میں آپ نے شوارق صمدیہ ترجمہ بوارق محمدیہ کے طویل اقتباسات درج فرمائے ہیں-(۱۱)

بوارق محمدیہ کا جواب اور جواب الجواب:

مولوی بشیر الدین قنوجی (۱۲) تیرہویں صدی کے مشہور غیر مقلد عالم ہیں، شاہ اسماعیل دہلوی کی تحریک ترک تقلید اور تقویت الایمانی نظریۂ شرک وبدعت سے متأثر ہو کر انہی کے عقائد وافکار کے حامل ہو گئے، شاہ اسماعیل دہلوی کے دفاع اور ان کے مخالفین کے رد وابطال میں کئی رسالے تصنیف کیے، اس سلسلے میں فضلائے مدرسہ قادریہ بدایوں سے ان کی خوب معرکہ آرائیاں رہیں- انہوں نے بوارق محمدیہ کی اشاعت اول (۱۲۶۶ھ/ ۱۸۵۰ء) کے تقریباً ۱۴/ برس بعد اس کا جواب لکھا، جس طرح بوارق محمدیہ کے دو نام تھے، اسی طرح قنوجی صاحب نے اسی ردیف وقافیہ میں اپنی کتاب کے بھی دو نام رکھے:

[۱]الصواعق الالٰھیة لطرد الشیاطین اللھابیة

[۲]سیف الرحمن علی رأس الشیطان

یہ کتاب فارسی میں ہے، اس کا وہ ابتدائی حصہ جس میں بوارق محمدیہ کے مقدمے کا جواب لکھا گیا ہے، وہ ۲۴؍صفحات پر مشتمل ہے، یہ ۲۴؍صفحات مطبع احمدی آگرہ سے ۱۲۸۰ھ/ ۶۴-۱۸۶۳ء میں شائع ہوئے، اس کے آٹھ برس بعد کتاب کا باقی حصہ کانپور سے ۱۲۸۸ھ/ ۷۲-۱۸۷۱ء میں شائع ہوا-(۱۳)

مولانا قنوجی کی اس کتاب کا جواب استاذ العلما مولانا محب احمد قادری بدایونی (تلمیذ تاج الفحول) نے لکھا، اس کتاب کے بھی دو نام ہیں:

[۱] الطوارق الاحمدیة لاستیصال بناء دین النجدیة

[۲] صارم الدیان علیٰ قرن الشیطان

یہ دونوں تاریخی نام ہیں جن سے کتاب کا سنہ تالیف ۱۲۸۸ھ برآمد ہوتا ہے-الطوارق الاحمدیہ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۹ھ/ اگست ۱۸۷۲ء میں مطبع نول کشور لکھنؤ سے شائع ہوئی، یہ کتاب فارسی میں ہے اور ۱۶۸ صفحات پر مشتمل ہے-

مولانا بشیر الدین قنوجی کی اس کتاب کے جواب میں حافظ بخاری مولانا سید شاہ عبد الصمد سہسوانی (تلمیذ رشید تاج الفحول) نے دو رسالے تالیف فرمائے:

[۱]الطوارق الصمدیہ لدفع جنود الشیاطین النجدیة

(یہ تاریخی نام ہے جس سے سنہ تالیف ۱۲۸۸ھ برآمد ہو رہا ہے)

[۲] جمعہ تلبیسات صواعق (یہ بھی تاریخی نام ہے، جس سے ۱۲۸۸ھ برآمد ہو رہا ہے)

اول الذکر میں مولانا قنوجی کے ان اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے، جو انہوں نے بوارق محمدیہ کے مقدمے پر کیے تھے، اور دوسرے رسالے میں باقی کتاب پر جو ایرادت کیے گئے ہیں ان کا دفاع کیا گیا ہے-یہ دونوں رسالے مستقل تصنیف کے ذیل میں نہیں آتے بلکہ ان میں الطوارق الاحمدیہ ہی کے بعض مضامین تلخیص واختصار کے ساتھ درج کیے گئے ہیں، جیسا کہ رسالہ ’الطوارق الصمدیہ‘ کی تمہید سے اشارہ ملتا ہے-

یہ تینوں رسالے (الطوارق الاحمدیہ، الطوارق الصمدیہ اور جمعہ تلبیسات صواعق) ایک ساتھ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۹ھ/ اگست ۱۸۷۲ء میں مطبع نول کشور لکھنؤ سے شائع ہوئے- حافظ بخاری کے مذکورہ دونوں رسالے اردو میں ہیں-

بوارق محمدیہ کا ترجمہ شوارق صمدیہ:

پنجاب کے جلیل القدر عالم اورصوفی حضرت مولانا غلام قادر چشتی بھیروی (تلمیذ مفتی صدرالدین آزردہ) نے بوارق محمدیہ کی اہمیت اور پنجاب کے مسلمانوں کو وہابی تحریک کے عقائد ونظریات سے آگاہ کرنے کے لیے اس کا اردو ترجمہ کیا-

مولانا غلام قادر چشتی بھیروی ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۹ء میں قصبہ بھیرہ ضلع سرگودھا (پنجاب ، پاکستان) میں پیدا ہوئے ، والد گرامی کا نام مولانا غلام حیدر بھیروی ہے، لاہور میں رہ کر حضرت مولانا غلام محی الدین بگوی (۱۲۷۳ھ)اوران کے چھوٹے بھائی مولانا احمد الدین بگوی نقش بندی (۱۲۶۸ھ) سے معقول ومنقول کی تحصیل کی ، پھر دہلی میں مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی صدر الصدور کی خدمت میں حاضر ہوکر اخذ علوم کیا اور سند فراغت حاصل کی - علوم سے فراغت کے بعد لاہور واپس آئے اور وعظ وارشاد کی مجلس آراستہ فرمائی ، شاہی مسجد لاہور کے خطیب وامام اور بعد میں متولی مقرر کیے گئے ، بعد میں اورینٹل کالج لاہور میں عربی کے نائب استاذ مقرر ہوئے ، اور دو سال تک کالج میں تدریس کے فرائض انجام دیے ، پھر وہاں سے مستعفی ہوکر دارالعلوم نعمانیہ لاہور میں درس وتدریس کا آغاز کیا اور بے شمار لوگ آپ کے علم سے مستفید ہوئے -۱۹/ ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ/ ۱۰/اپریل ۱۹۰۹ء کو واصل بحق ہوئے -بیگم شاہی مسجد لاہور میں آخری آرام گاہ قرار پائی-

آپ نہایت متصلب سنی صحیح العقیدہ، پرہیز گار اور باخدا بزرگ تھے، مولانا غلام دستگیر نامیؔ نے لکھا ہے کہ " آپ کو لاہور کا قطب سمجھا جاتا ہے" -حمایت حق اور تردید باطل کا خاص اہتمام تھا، مرزا غلام احمد قادیانی کا بالکل ابتدائی زمانے میں رد کیا، اس کے علاوہ لاہور میں دیگر بدمذہب اور گمراہ فرقوں کی تردید میں سرگرم رہے- (۱۴)

اسی جذبۂ احقاق حق کے نتیجے میں آپ نے بوارق محمدیہ کا اردو ترجمہ کیا، یہ ترجمہ 'شوارق صمدیہ'

www.Qadri.info

کے نام سے ۳۲ ؍صفحات پر مشتمل ہے جو مطبع گلزار محمدی لاہور سے سنہ ۱۳۰۰ھ/ ۸۳-۱۸۸۲ء میں شائع ہوا، شوارق صمدیہ مکمل کتاب کا ترجمہ نہیں ہے، بلکہ صرف کتاب کے مقدمے اور باب اول کی ابتدائی بحث کو اردو کا جامہ پہنایا گیا ہے، سرورق پر ''قسط اول'' لکھا ہے، اور جہاں ترجمہ ختم ہوا ہے وہاں ''باقی آئندہ'' درج ہے- اس سے خیال ہوتا ہے کہ مترجم پوری کتاب کا ترجمہ دو یا اس سے زیادہ حصوں میں شائع کرنا چاہتے تھے، پہلی قسط مکمل ہوئی تو اس کو شائع کر دیا گیا- ممکن ہے بعد میں دوسری یا تیسری قسط بھی شائع ہوئی ہو، لیکن اس سلسلے میں راقم سطور کو معلومات دستیاب نہیں ہوسکی-

یہ ترجمہ لفظی نہیں ہے بلکہ مترجم نے اختصار و تلخیص سے کام لیا ہے، آج سے ایک صدی قبل مذہبی حلقوں میں جس قسم کی زبان رائج تھی اس کو دیکھتے ہوئے ترجمہ سلیس، رواں اور عام فہم ہے- بوارق محمدیہ کا ترجمہ ''شوارق صمدیہ'' مولانا خالد قادری مجیدی (فاضل مدرسہ قادریہ) کی ترتیب و تصحیح اور تحشیہ کے ساتھ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں نے ''وہابی تحریک تاریخ و عقائد'' کے عرفی نام سے جمادی الاخریٰ ۱۴۳۳ھ/ مئی ۲۰۱۲ء میں شائع کیا ہے-

حواشی

(۱) (عربی سے اردو ترجمہ) تقریظ علامہ فضل حق خیرآبادی بر المعتقد المنتقد، ص ۴، مطبع اہل سنت پٹنہ، ۱۳۲۱ھ

(۲) (عربی سے اردو ترجمہ) تقریظ مفتی آزردہ بر المعتقد المنتقد، ص ۵، مطبع اہل سنت پٹنہ، ۱۳۲۱ھ

(۳) ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک: مسعود عالم ندوی، ص: ۱۴، ۱۵، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۹۹ء

(۴) سہ ماہی مجلہ احوال و آثار، کاندھلہ: مرتب نورالحسن راشد کاندھلوی، ص ۱۴۰، شمارہ ۲۱-۲۰، اکتوبر ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء

(۵) غالب اور بدایوں: ڈاکٹر شمس بدایونی، ص ۳۴، غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی، ۲۰۱۰ء

(۶) ترجمہ ملخصاً از تحفہ فیض: عبدالقادر بدایونی، ص ۲۶، فخر المطابع، میرٹھ

(۷) تذکرہ: مولانا ابوالکلام آزاد، حواشی از مالک رام، ص ۴۵۱، ساہتیہ اکیڈمی دہلی ۱۹۹۰ء

(۸) جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا ایک مجاہد مولانا فیض احمد بدایونی: ڈاکٹر ایوب قادری ص ۵۵ تاج الفحول اکیڈمی بدایوں ۲۰۰۷ء

(۹) آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی ص ۱۶۴، حالی پبلی کیشنز دہلی ۱۹۵۸ء

www.Qadri.info

(۱۰) مقدمہ سیف الجبار: از عبدالحکیم شرف قادری، ص ۱۴، مکتبہ رضویہ لاہور، ۱۹۷۳ء

(۱۱) دیکھیے: انوار آفتاب صداقت: قاضی فضل احمد لدھیانوی، از ص ۵۴۵ تا ص ۵۵۵، جامعہ اشرفیہ مبارکپور، ۲۰۱۱ء

(۱۲) مولوی بشیر الدین بن کریم الدین عثمانی قنوجی کی ولادت ۱۲۳۴ھ/ ۱۸۱۸ء میں قنوج میں ہوئی، بریلی میں نشو و نما پائی، حافظ علی احمد بریلوی، مولانا تفضّل حسین بریلوی، مولانا محمد حسن بریلوی، شیخ الہ داد رامپوری مولانا اوحد الدین بلگرامی، اور مولانا قدرت اللہ لکھنوی وغیرہ سے تحصیل علم کی، شیخ رحیم الدین بخاری (تلمیذ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی) سے اجازت حدیث حاصل کی، دہلی، مراد آباد، علی گڑھ، کانپور اور ٹونک وغیرہ متعدد مقامات پر مسند درس آراستہ کی، آخر الامر بھوپال کے قاضی مقرر ہوئے اور وہیں پر ۱۲۹۶ھ/ ۷۹-۱۸۷۸ء میں وفات پائی- تلامذہ میں مولانا شمس الحق ڈیانوی، مولانا امیر حسن سہسوانی، مولانا وحید الزماں لکھنوی اور ڈپٹی کلکٹر سید امداد العلی اکبر آبادی وغیرہ قابل ذکر ہیں، تصانیف میں حاشیہ حمد اللہ، حاشیہ میر زاہد شرح مواقف، شرح مؤطا، تخریج احادیث شرح عقائد، کشف المبہم شرح مسلم الثبوت وغیرہ مشہور ہیں- (بہ تلخیص و اختصار از نزہۃ الخواطر: سید عبد الحی رائے بریلوی، ج ۷/ص ۱۱۳ تا ۱۱۵/ دار عرفات، رائے بریلی ۱۹۹۲ء)

(۱۳) الطوارق الصمدیہ: عبد الصمد سہسوانی، ص: ا/ مطبع نول کشور لکھنؤ، ۱۲۸۹ھ/ ۱۸۷۲ء

(۱۴) مترجم کے یہ حالات مندرجہ ذیل کتابوں سے اخذ کیے گئے ہیں:

الف: تذکرہ اکابر اہل سنت (پاکستان) عبد الحکیم شرف قادری، از ص ۳۲۶ تا ۳۳۰، فیاض الحسن بک سیلر کانپور، سنہ ندارد

ب: تذکرہ علمائے اہل سنت: محمود احمد رفاقتی، ص ۱۹۴، مطبوعہ خانقاہ قادریہ اشرفیہ، مظفرپور، ۱۳۹۱ء

❑❑❑

www.Qadri.info

مولانا عبدالحامد بدایونی
کے دو اہم تاریخی کارنامے

خانوادۂ قادریہ عثمانیہ بدایوں شریف ہر دور میں ایسے افراد، قوم وملت کو دیتا رہا ہے جنہوں نے عظیم الشان پیمانے پر دین وملت کی خدمات انجام دی ہیں، یوں تو اس خانوادے کی علمی، دینی اور روحانی خدمات کا دائرہ آٹھ صدیوں پر محیط ہے مگر گذشتہ دو صدیوں میں اس خانوادے میں جن نفوس قدسیہ نے جنم لیا ہے، ان میں سے بعض شخصیات ایسی ہیں کہ ان کے ذکر کے بغیر برصغیر کی علمی، دینی، قومی اور ملی تاریخ مکمل نہیں کہی جا سکتی- ان حضرات نے علمی، عملی اور تحریری وتقریری ہر سطح پر اپنی خدمات کے نقوش چھوڑے ہیں، یہ نقوش آج بھی درخشندہ وتابندہ اور گم گشتگان راہ کے لیے مشعل راہ ہیں- نبیرۂ سیف اللہ المسلول حضرت مولانا محمد عبدالحامد قادری بدایونی کا شمار بھی ان ہی قدآور اور تاریخ ساز شخصیات میں ہوتا ہے- آپ خانوادۂ عثمانیہ قادریہ کے ایسے چشم وچراغ ہیں کہ جن کی قومی وملی اور دعوتی وتبلیغی خدمات کا دائرہ ہندوپاک سے نکل کر عرب وایران، یورپ اور روس وچین تک پھیلا ہوا ہے-

آج ہم اسی مجاہد جلیل کے دو اہم تاریخی کارناموں کا تعارف کروا رہے ہیں، مولانا کے یہ کارنامے جتنے عظیم الشان ہیں اتنے ہی گمنام بھی، ممکن ہے کہ بعض خواص اہل علم ان سے واقف ہوں، لیکن عام علمی اور مذہبی حلقوں میں لوگ ان سے بالکل ناآشنا ہیں، آج ۶۰ ر برس بعد ہم اس قصہ پارینہ کی یاد تازہ کرکے اس کے خدوخال واضح کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، اس سے یہ حقیقت بھی سامنے آئے گی کہ فضلائے مدرسہ قادریہ اور خادمان خانقاہ قادریہ نے اپنی فتح و

نصرت کے جھنڈے کیسی کیسی بلند چوٹیوں پر نصب فرمائے ہیں۔

مولانا کے ان کارناموں کے تذکرے سے پہلے ان کی حیات وشخصیت پر ایک اجمالی نظر ڈالنا ضروری ہے۔

مختصر تعارف مصنف:

حضرت مولانا محمد عبدالحامد قادری بدایونی (ابن عبدالقیوم قادری، ابن حکیم مرید جیلانی ابن مولانا محی الدین عثمانی ابن سیف اللہ المسلول مولانا فضل رسول قادری بدایونی) خانوادۂ قادریہ عثمانیہ کے چشم وچراغ، سرزمین بدایوں کے نامور فرزند، جید عالم، شعلہ بیان خطیب، ملی قائد، شیخ طریقت، مصنف اور صاحب طرز شاعر تھے۔

ولادت، تعلیم وتربیت، بیعت واجازت:

آپ کی ولادت سنہ ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء میں ہوئی۔ تعلیمی مراحل مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں، مدرسہ شمس العلوم بدایوں اور مدرسہ الٰہیات کانپور میں طے کیے، اساتذہ میں استاذ العلما مولانا محب احمد قادری بدایونی، مولانا حافظ بخش قادری آنولوی، مولانا مفتی ابراہیم قادری بدایونی، مولانا مشتاق احمد کانپوری، مولانا عبدالسلام فلسفی اور حضرت عاشق الرسول مولانا مفتی عبدالقدیر قادری بدایونی کے نام قابل ذکر ہیں۔ حضرت مولانا شاہ مطیع الرسول عبدالمقتدر قادری بدایونی قدس سرہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور حضرت عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری قدس سرہ سے اجازت وخلافت حاصل کی۔

قومی وملی خدمات:

آپ نے اپنی عملی زندگی کا آغاز مدرسہ شمس العلوم کے نائب مہتمم کی حیثیت سے کیا، پھر اپنے بڑے بھائی مجاہد آزادی مولانا عبدالماجد قادری بدایونی کے ساتھ ملی اور قومی تحریکات سے وابستہ ہو گئے، تحریک خلافت وترک موالات کے سرگرم اراکین میں شامل رہے، بعد میں مسلم لیگ سے وابستہ ہو گئے اور قیام پاکستان کی جدوجہد میں نمایاں کردار ادا کیا، آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں شریک ہوئے اور ناظم نشرواشاعت کی حیثیت سے اس تحریک کو مضبوط کیا۔ تقسیم کے بعد پاکستان ہجرت کر گئے، وہاں مہاجرین کی بازآبادکاری کے لیے مخلصانہ جدوجہد

کی، ۱۹۴۸ء میں مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی کی قیادت میں پاکستان کے لیے اسلامی دستور کا خاکہ مرتب کیا اور اس کے نفاذ کا مطالبہ لے کر بانی پاکستان محمد علی جناح صاحب سے ملاقات کی،قوم پاکستان کی دینی رہنمائی کے لیے جمعیۃ علمائے پاکستان کا قیام عمل میں آیا، آپ ابتدا سے جمعیۃ کے سرگرم رکن رہے، بعد میں جمعیۃ علمائے پاکستان کے صدر منتخب کیے گئے اور اپنی وفات تک اس عہدے پر فائز رہے-سعودی عرب،مصر،ایران،عراق،لبنان،شام، بیت المقدس، روس،چین، برطانیہ، امریکہ اور سوئٹزرلینڈ سمیت دنیا کے بے شمار ملکوں کا دورہ کیا اور تبلیغ اسلام کا عظیم فریضہ انجام دیا-

قلمی خدمات:

میدان سیاست اور میدان خطابت کے ساتھ تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی اپنی صلاحیتوں کے نقوش چھوڑے، جو مختلف دینی اور سیاسی موضوعات پر آج بھی قوم وملت کے لیے مشعل راہ ہیں، چنانچہ آپ نے مختلف موضوعات پر ۲۰ سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں،جن میں بعض تصانیف کے اسما درج ذیل ہیں:

(۱) دعوت عمل (۲) نظام عمل (۳) فلسفہ عبادات اسلامی (۴) کتاب وسنت غیروں کی نظر میں (۵) مرقع کانگرس (۶) مشیر الحجاج (۷) تصحیح العقائد (۸) اسلام کا زراعتی نظام (۹) اسلام کا معاشی نظام (۸) مشرقی کا ماضی وحال (۹) انتخابات کے ضروری پہلو (۱۰) الجواب المشکور (۱۱) اسلامک پریئرز (انگریزی) (۱۲) حرمتِ سود (۱۳) تاثراتِ روس (۱۴) تاثراتِ چین (۱۵) ممالک عربیہ اور ایران کا سفر نامہ (۱۶) سفرنامہ بلاد یورپ و عالم اسلامی (۱۷) بالشوزم اور اسلام، وغیرہ-

علوم اسلامیہ کی ترویج واشاعت کے لیے ایک عظیم منصوبے کے تحت کراچی میں ''جامعہ تعلیمات اسلامیہ'' قائم فرمایا-

وفات:

۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء میں وفات پائی،آپ کی نماز جنازہ شیخ المشائخ سید شاہ مختار اشرف اشرفی جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، صاحبِ سجادہ سرکار کلاں کچھوچھہ شریف نے پڑھائی، اور اپنے

www.Qadri.info

قائم کردہ ادارے جامعہ تعلیمات اسلامیہ میں سپرد خاک کیے گئے۔ قیام پاکستان کے لیے آپ کی جدوجہد کے اعتراف میں ۱۹۹۹ء میں حکومت پاکستان نے آپ کے نام کا ڈاک ٹکٹ جاری کیا ہے۔

مولانا عبدالحامد بدایونی اور تحریک تحفظ گنبد خضرا:

سعودی حکومت کی جانب سے بقیع شریف اور جنت المعلیٰ کے مزارات کے انہدام اور دیگر آثار و مشاہد کو ڈھانے اور مٹانے کی مہم تو حجاز پر سعودی قبضے کے فوراً بعد ۲۶-۱۹۲۵ء ہی میں شروع ہو گئی تھی۔ اس پر زبردست عالمگیر احتجاج بھی ہوا تھا۔ اس سلسلے میں امام وقت مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مجاہد آزادی مولانا عبدالماجد بدایونی اور حضرت عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر بدایونی کی جدوجہد اور خدمات نمایاں ہیں۔ اس سلسلے میں علمائے مدرسہ قادریہ بدایوں نے رسائل بھی تصنیف فرمائے تھے، جن میں مفتی ابراہیم قادری بدایونی کا رسالہ ''البناء المتین فی احکام قبور المسلمین'' (طبع اول بدایوں ۱۳۴۴ھ۔ طبع دوم بدایوں ۱۴۲۹ھ) اور مفتی حبیب الرحمن قادری بدایونی کا رسالہ ''شارحۃ الصدور فی احکام القبور'' (طبع اول مرادآباد ۱۳۴۵ھ۔ طبع دوم بدایوں ۱۴۳۰ھ) قابل ذکر ہیں، ان کے علاوہ مفتی حبیب الرحمن قادری بدایونی نے دو اور رسالے ''حرمین شریفین اور والی نجد'' اور ''حالات و عقائد وہابیہ نجدیہ'' تصنیف فرمائے تھے۔ حضرت مولانا عبدالماجد بدایونی نے اس سلسلے میں خلافت کمیٹی کے وفد کے ساتھ حجاز و مصر کا دورہ بھی کیا تھا۔

ملک کی تقسیم کے بعد پاکستان میں جمعیۃ علمائے پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو اس میں مولانا عبدالحامد بدایونی ایک اہم اور فعال رکن کی حیثیت سے شریک تھے۔ جمعیۃ کے پلیٹ فارم سے بھی مولانا عبدالحامد بدایونی نے حجاز مقدس کے آثار و مشاہد کے تحفظ و صیانت کی تحریک کو جاری رکھا۔

۱۹۵۲ء میں بعض اخبارات سے معلوم ہوا کہ سعودی حکومت پوری مسجد نبوی کو شہید کر کے نئی مسجد تعمیر کرنے کا منصوبہ تیار کر رہی ہے۔ اس تجدید و توسیع کی زد میں گنبد خضرا بھی آ جائے گا، پھر معلوم نہیں کہ دوبارہ سعودی حکومت کس انداز میں روضۂ رسول کی تعمیر کرے، اس کے علاوہ

www.Qadri.info

مسجد نبوی اور روضۂ رسول ﷺ کے سلسلے میں اور بھی کئی قسم کے شکوک وشبہات تھے، جنہوں نے ہندو پاک کے خوش عقیدہ مسلمانوں کو بے چین کر دیا۔

۱۹۵۲ء کا وفد حجاز:

ان حالات میں حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی نے جمعیۃ علمائے پاکستان کے پلیٹ فارم سے تحفظ گنبد خضرا اور صیانت آثار مبارکہ کی ایک عالمگیر مہم کا آغاز کیا، جس کے تحت پاکستان میں مختلف اجلاس کیے گئے، پھر حج (۱۳۷۱ھ/ ۱۹۵۲ء) کے موقع پر مولانا عبدالحامد بدایونی کی زیر قیادت جمعیۃ علمائے پاکستان کا ایک نمائندہ وفد حجاز روانہ ہوا، وہاں وفد نے متعلقہ اہم افراد کے علاوہ اس زمانے کے ولی عہد مملکت (بعد میں سعودی بادشاہ) امیر سعود بن عبدالعزیز سے ملاقات کی اور اپنے مطالبات پیش کیے۔

جمعیۃ علمائے پاکستان نے اس سلسلے میں جو جدو جہد کی اس کی مکمل رپورٹ ''مسجد نبوی اور آثار مبارکہ کے بقاو تحفظ کا مطالبہ'' کے نام سے مولانا محمد محسن فقیہ شافعی (ناظم اعلیٰ جمعیۃ علمائے پاکستان) نے مرتب کی تھی، جو حضرت مولانا شاہ احمد نورانی (ناظم دفتر جمعیۃ علمائے پاکستان) کے زیر اہتمام کراچی سے ۱۹۵۲ء/ ۱۳۷۲ھ میں شائع ہوئی تھی، یہی رپورٹ عربی اور فارسی میں بھی شائع کی گئی تھی، عربی رپورٹ ۳۸ر صفحات پر اور فارسی رپورٹ ۳۲ر صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ دونوں رپورٹیں بھی صفر ۱۳۷۲ھ میں شائع ہوئی ہیں۔

یہاں ہم اردو رپورٹ کی مدد سے اس تحریک کا مطالعہ کریں گے تا کہ مولانا عبدالحامد بدایونی کی جدو جہد اور اس کے عالمگیر اثرات روشنی میں آسکیں۔

اس رپورٹ کے آغاز میں گنبد خضرا کی اہمیت وعظمت پر چند عنوانات کے تحت روشنی ڈالی گئی ہے، مثلاً قبہ خضرا اور مزار اقدس کی عظمت واہمیت، مسجد نبوی اور اس کا ادب، قبہ خضرا کی زیارت کا درجہ، مسجد نبوی کی توسیع وتعمیر، سلطنت ترکیہ کی بے مثال خدمت، حکومت مصر کے اقدامات وغیرہ۔ ان عنوانات پر گفتگو کرنے کے بعد مرتب اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے لکھتے ہیں:

پاکستان میں جیسے ہی گذشتہ رمضان المبارک میں مصری اخبارات اور مراسلات

سے یہ خبریں آئیں کہ نقشوں کے مطابق نیا حرم نئی مسجد بننے والی ہے اور گنبد خضرائے مقدسہ خطرے میں ہے، جمعیۃ علمائے پاکستان کے حلقوں اور عام وخاص مسلمانوں میں سخت بے چینی پیدا ہوگئی، جمعیۃ علمائے پاکستان نے اپنی متعدد مجالس عاملہ میں مذاکرات کیے، ابتدأ تحقیقات کے ممکن ذرائع استعمال کیے گئے، آخر میں طے پایا کہ حج کے زمانے میں جمعیۃ علمائے پاکستان کا ایک وفد حسب ذیل اشخاص پر مشتمل روانہ کیا جائے جو حجاز مقدسہ حاضر ہوکر بعد ادائے حج مدینہ منورہ حاضر ہوکر حالات کا مشاہدہ کرے اور عمال حکومت سے مل کر مسلمانان پاکستان کے جذبات دینی اور اضطراب سے آگاہ کرے:

(۱) مجاہد ملت حضرت مولانا شاہ عبدالحامد صاحب قادری بدایونی (قائد وفد)

(۲) مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی صاحب داد صاحب سندھ

(۳) حضرت مولانا مخدوم محمد شفیع صاحب (سجادہ نشین علاقہ ریاست خیر پور)

(۴) حضرت مولانا سید عبدالسلام صاحب باندوی

(۵) حضرت مولانا فدا حسین صاحب (پنجاب)

(۶) حاجی سیٹھ ولی محمد صاحب

(۷) سید علی اصغر صاحب (لاہور)

(مسجد نبوی اور آثار مبارکہ کے بقا وتحفظ کا مطالبہ: ص ۹-۱۰)

وفد نے سفر کی تیاریاں شروع کردیں، اس سلسلے میں مولانا عبدالحامد بدایونی نے عربی زبان میں ایک کتابچہ تیار کیا جس میں گنبد خضرا کی تاریخی اور مذہبی اہمیت کو اجاگر کیا گیا تھا اور سعودی حکومت کو مخاطب کرتے ہوئے اس کے تحفظ وصیانت کا مطالبہ کیا گیا تھا، مرتب لکھتے ہیں:

> ''حضرت قائد وفد (مولانا عبدالحامد بدایونی) نے مسجد نبوی کے سلسلے میں ایک عربی یادداشت قلم بند کی، جسے کئی ہزار کی تعداد میں طبع کرایا گیا تاکہ اسے سفر حج میں تقسیم کیا جائے۔'' (ص:۱۰)

مولانا عبدالحامد بدایونی کی زیر قیادت یہ وفد ۲۲/اگست ۱۹۵۲ء/۱/ذوالحجہ ۱۳۷۱ھ کو کراچی

www.Qadri.info

سے روانہ ہوکر مکہ مکرمہ پہنچا، مکہ مکرمہ میں پہنچ کر وفد نے اپنا کام شروع کیا، مولانا فقیہ لکھتے ہیں:

''مکہ معظّمہ پہنچتے ہی ارکان وفد نے طواف وغیرہ سے فراغت پائی، دوسرے دن مدینہ منورہ سے آئے ہوئے حجاج سے ملاقاتیں کر کے مسجد نبوی کے حالات معلوم کیے، قائد وفد (مولانا عبدالحامد بدایونی) نے مکہ معظّمہ اور منیٰ کے قیام میں ایران، مصر، ترکی، عراق، لبنان، شام، ہندوستان کے مشاہیر اور عالی مرتبت مسٹر مسعود قائم مقام سفیر پاکستان سے ملاقاتیں کیں، تحریک مسجد نبوی کے سلسلے میں تبادلۂ خیالات کیا، ان سب نے جمعیۃ علمائے پاکستان کے وفد کو اس کے اقدام پر مبارک باد دی۔'' (ص:۱۱)

شیخ محمد سرور الصبان نائب وزیر مالیات سے ملاقات:

وفد نے سعودی حکومت میں حج وزیارت کے معاملات کے مدیر اور مالیات کے نائب وزیر شیخ محمد سرور الصبان سے ملاقات کی، ملاقات کی تفصیل لکھتے ہوئے مولانا فقیہ رقم طراز ہیں:

''اراکین وفد نے مکہ معظّمہ میں ۱۵؍ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ مطابق ۶؍ستمبر ۱۹۵۲ء حضرت شیخ محمد سرور الصبان صاحب نائب وزیر مالیات و مدیر شؤون الحج سے ملاقات کی، ممدوح حسب عادت قدیم اخلاص ومحبت سے پیش آئے۔ قائد وفد نے اغراض و مقاصد وفد بیان کیے، مطبوعہ یادداشت کے سلسلے میں دیر تک تبادلہ خیال کیا، ممدوح نے اپنی ہمدردی اور اعانت کا وعدہ فرمایا۔'' (ص:۱۱)

مفتی اعظم مصر اور شیخ رمضان بوطی سے ملاقات:

اس وقت مصر میں سرکاری طور پر علامہ شیخ حسنین مخلوف مفتی مصر کے عہدے پر فائز تھے، مفتی موصوف اُس حج میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ دمشق (شام) کے معروف عالم دین حضرت شیخ سعید رمضان بوطی بھی تشریف لائے ہوئے تھے، وفد نے ان دونوں حضرات سے ملاقات کی، مرتب لکھتے ہیں:

''قائد وفد (مولانا عبدالحامد بدایونی) نے مصری ہوٹل میں حضرت علامہ حسنین مخلوف مفتی دیار مصر اور شامی ومصری علما وزعما استاذ سعید رمضان صاحب سے تفصیلی

www.Qadri.info

تبادلہ خیالات کیا، حضرت مفتی دیارِ مصر سے قائد وفد نے اراکین وفد کی ملاقات کا وعدہ لے کر دوسرے روز ہوٹل میں ملاقات کا نظم کیا، مفتی صاحب مدظلہ' کو اگر چہ اس دن ریڈیو سے تقریر فرمانی تھی مگر باوجود اس کے آپ نے اراکین وفد سے ملاقات فرمائی اور ارشاد کیا کہ مَیں خود مولانا بدایونی کی قیام گاہ پر آؤں گا۔ حضرت مفتی صاحب حسب وعدہ تشریف لائے، دیر تک مسجد نبوی اور قادیانیت کے متعلق گفتگو فرماتے رہے۔'' (ص:۱۱-۱۲)

شیخ صالح قزاز انچارج محکمہ تعمیرات سے میٹنگ:

۱۰ ر ستمبر کو وفد مدینہ منورہ پہنچا، وہاں اراکین وفد نے مسجد نبوی کی تعمیرات کا جائزہ لیا اور انہدام کی ان اطلاعات کو درست پایا جو ان کو پاکستان میں مل رہی تھیں، شیخ صالح قزاز اس وقت محکمہ تعمیرات کے دفتر کے انچارج تھے، وفد نے ان سے ملاقات کر کے حالات پر تبادلہ خیال کیا:

'' قائد وفد اور اراکین نے تمام حالات کا مشاہدہ کرنے کے بعد حضرت شیخ صالح قزاز انچارج دفتر محکمہ تعمیر مسجد نبوی کو لکھا کہ جمعیۃ علمائے پاکستان کا وفد جو مسجد نبوی کے مشاہدے کے لیے پاکستان سے آیا ہے آپ سے ملنا چاہتا ہے، ممدوح قائد وفد سے بخوبی واقف تھے مطلع ہوتے ہی وقت دیا، اراکین وفد ان کے دفتر میں گئے، تقریباً ۲ ر گھنٹے تک وفد کی یادداشت پر گفتگو رہی۔ قائد وفد نے کہا کہ جمعیۃ علمائے پاکستان کا وفد مسلمانان پاکستان کے حسیات مذہبی سے آگاہ کرنے حاضر ہوا ہے، اراکین وفد نہ تو حکومت سعودیہ عربیہ کے انتظامی امور میں مداخلت کرنا چاہتے ہیں نہ وہ توسیع کے مخالف ہیں۔'' (ص:۱۵)

مولانا عبدالحامد بدایونی نے شیخ صالح قزاز سے ملاقات کے دوران مندرجہ ذیل مطالبات پیش کیے:

(۱) مسجد نبوی کی مستحکم عمارت کو نہ توڑا جائے۔

(۲) جو حصہ عمارت قابل مرمت ہے اس کی درستی کر دی جائے۔

(۳) دیواریں علیٰ حالہا قائم رکھی جائیں۔

(۴) قبلہ رو دیوار کو جس طرف گنبد خضرائے مقدسہ اور مآثر شریفہ واقع ہیں، ہرگز نہ توڑا جائے اور نہ ان مآثر میں کوئی تغیر وتبدل کیا جائے بلکہ انہیں اپنی جگہ قائم حالت پر رکھا جائے۔

(۵) کسی جدید دیوار کی بلندی اسّی فٹ ہرگز نہ کی جائے کیوں کہ اگر ایسا ہوا تو قبہ خضرا چھپ جائے گا۔

(۶) جن نئے نقشوں کے مطابق تعمیر ہوگی وہ ہمیں دیے جائیں۔

(۷) قبہ خضرائے مقدسہ، ریاض الجنۃ، محراب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، منبر شریف، استوانات باقی و محفوظ رکھنے کی ہمیں تحریر دی جائے۔

شیخ صالح قزاز نے پوری گفتگو بغور سماعت کی، مصری انجینئر جو اس پروجکٹ پر کام کر رہے تھے ان کو بلا کر ارکان وفد سے ان کی ملاقات کروائی، مجوزہ نقشے وغیرہ دکھائے، مولانا بدایونی نے مطالبہ کیا کہ نقشوں کی کاپی انہیں دی جائے، اس پر شیخ قزاز نے کہا کہ:

''جب تک حکومت کی منظوری نہ ہو نقشے نہیں دیے جا سکتے۔'' (ص:۱۶)

مولانا بدایونی نے واپس آتے ہی نقشوں کے حصول کی جدوجہد شروع کی، بالآخر اس میں کامیابی ملی، رپورٹ میں لکھتے ہیں:

''قائد وفد (مولانا عبدالحامد بدایونی) نے قیام گاہ واپس آتے ہی معالی الوزیر شیخ عبداللہ بن سلیمان وحضرت شیخ محمد سرور الصبان کی خدمت میں نقشے دیے جانے کی اجازت طلب کی، تیسرے دن اجازت آ گئی۔'' (ص:۱۶)

ترکی کا وفد:

پاکستانی وفد کے علاوہ ترکی سے بھی ایک وفد حجاز پہنچا ہوا تھا، وہ بھی مسجد نبوی اور گنبد خضرا کے انہدام کے منصوبوں کی وجہ سے تشویش کا شکار تھا، اس وفد نے پاکستانی وفد کی موجودگی میں شیخ صالح قزاز سے ملاقات کی، لکھتے ہیں:

''ترکی کا ایک وفد ہماری موجودگی میں جناب شیخ صالح قزاز صاحب اور مصری انجینئر سے ملا جس کے ارکان نے مسجد نبوی کی مستحکم و مضبوط عمارت توڑنے کے وجوہات و اسباب معلوم کیے اور اس قدر رویا کہ دوسرے افراد بھی رونے لگے۔'' (ص:۱۶)

www.Qadri.info

شیخ صالح قزاز سے مفتی مصر کا مذاکرہ:

مفتی دیار مصریہ شیخ حسنین مخلوف نے بھی شیخ قزاز سے ملاقات کر کے اپنی تشویش کا اظہار کیا:

''حضرت علامہ شیخ حسنین مخلوف مفتی دیار مصر بھی بعض مشاہیر مصر و انجینئروں کے ہم راہ شیخ صالح قزاز سے ہماری موجودگی میں ملے، آپ نے فرمایا کہ مسجد نبوی کی مضبوط و مستحکم عمارت کو توڑنا بعید از عقل ہے اور بے جا اسراف ہے، جہاں جہاں مرمت کی ضرورت تھی وہ کر دی جاتی۔'' (ص:۱۶)

شیخ قزاز کا مکتوب:

ارکان وفد نے شیخ قزاز سے دوبارہ ملاقات کی، نقشے حاصل کرنے کی اجازت مل چکی تھی، چنانچہ شیخ قزاز نے مجوزہ عمارت کا نقشہ اور اس کے بارے میں ایک وضاحتی تحریر قائد وفد کے حوالے کی، رپورٹ میں لکھتے ہیں:

''وفد کی روانگی کے وقت دفتر محکمہ تعمیرات مسجد نبوی کی جانب سے ہمیں ایک نقشہ اور ایک مراسلہ دیا گیا۔ گنبد خضرائے مقدسہ و آثار شریفہ کے محفوظ رکھنے اور تبرکات میں کسی قسم کا تغیر نہ کرنے کے بارے میں جناب شیخ قزاز صاحب نے ہمیں ذیل کا مراسلہ عنایت کیا۔'' (ص:۱۷)

محکمہ تعمیرات کے اس مراسلے میں تعمیر و توسیع کے منصوبے کو وضاحت سے بیان کیا گیا تھا، مراسلے کی یہ سطور خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

قد اصدرت الحکومة بیاناً رسمیاً نشرت الصحف المحلیة و اذاعته محطة الاذاعة العربیة السعودیة نفت فیه نفیاً باتاً ما نشرته صحیفة ''اقدام'' عن هدم القبة الخضراء الشریفة و اکد فیه ان القبة الخضراء الشریفة باقیة علی حالها لا تمس بحال من الاحوال۔ (ص:۱۷)

ترجمہ: حکومت نے ایک آفیشیل بیان جاری کیا ہے، جس کو مقامی اخبارات نے شائع کیا اور سعودی ریڈیو اسٹیشن نے نشر کیا ہے، اس بیان میں اس خبر کی تردید کی

گئی ہے جو ''اقدام'' نامی اخبار میں گنبد خضرا کے انہدام کے بارے میں شائع ہوئی ہے۔حکومت کے بیان میں اس بات کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ گنبد خضرا اپنی حالت پر باقی رہے گا اور اس کو کسی بھی حال میں نہ چھیڑا جائے گا۔

اراکین وفد کی وزیر مالیات سے ملاقات:

شیخ قزاز کے یہاں کامیابی حاصل کرنے کے بعد وفد نے سعودی وزیر مالیات سے ملاقات کی، اس ملاقات میں شیخ سرور الصبان بھی وفد کے ہمراہ تھے۔وزیر موصوف نے مشورہ دیا کہ اس سلسلے میں وفد کی ایک ملاقات ولی عہد مملکت شہزادہ سعود بن عبد العزیز سے بھی ضروری ہے، رپورٹ میں لکھتے ہیں:

''قائد وفد نے مسجد نبوی کے معاملات پر گفتگو کی اور اغراض و مقاصد وفد بیان کیے، آپ نے فرمایا کہ میں وفد کا استقبال کرتا ہوں، میں نے آپ کا تار ملتے ہی ولی عہد معظم سے آپ حضرات کی ملاقات کا مسئلہ طے کر لیا تھا، میرے نزدیک آپ کے وفد کا ولی عہد معظم سے ملنا ضروری ہے کیوں کہ وہی آپ کے پیش کردہ مسائل کا فیصلہ فرما سکتے ہیں۔'' (ص:۲۲)

ولی عہد مملکت شہزادہ سعود بن عبد العزیز سے ملاقات:

۲۳ ستمبر کو وفد نے سعودی ولی عہد (بعد میں بادشاہ مملکت) شہزادہ سعود بن عبد العزیز سے ملاقات کی، یہ ملاقات ولی عہد کے محل میں ہوئی۔رپورٹ کے مطابق شہزادے نے اخلاق ومحبت سے وفد کا استقبال کیا، قائد وفد مولانا عبد الحامد بدایونی نے رسمی گفتگو کے بعد اراکین وفد کا تعارف کرایا، وفد کی آمد کے اغراض و مقاصد بیان کیے، آپ نے فرمایا:

''جمعیۃ علمائے پاکستان کا یہ وفد آپ کی خدمت میں مخلصانہ طور پر مسلمانان پاکستان کے قلبی و مذہبی حسیات پیش کرنے آیا ہے۔ہم نہ انتظامات حکومت میں مداخلت کرنے آئے ہیں، نہ کسی قسم کی خلیج پیدا کرنا چاہتے ہیں بلکہ وہ خبریں جو پاکستان میں مصری اخبارات کے ذریعے مسجد نبوی کے متعلق پہنچیں ان کے بارے میں ایک مطبوعہ یادداشت حاضر خدمت کر چکے ہیں۔'' (ص:۲۲-۲۳)

www.Qadri.info

ولی عہد مملکت نے کہا کہ ''آپ کی یادداشت میں دیکھ چکا ہوں، آپ تفصیلاً اپنے مطالبات اور مقاصد بیان کیجیے۔''

نجدی امیر کے دربار میں بدایونی فقیر کا اعلان حق:

ولی عہد مملکت کے دربار میں مولانا عبدالحامد بدایونی نے پوری ایمانی جرأت اور پورے یقین واعتماد کے ساتھ اپنی تحریک کے اغراض ومقاصد اور اپنے مطالبات پیش کیے، آپ نے فرمایا:

- ہمیں حیرت ہے کہ جب ابتداً مصر و پاکستان کے انجینئروں کی یہ رپورٹیں تھیں کہ مسجد نبوی کی عمارت بجز چند حصوں کے زیادہ سے زیادہ مضبوط ہے جس کی مرمت ہونی چاہیے تو یک بارگی مضبوط دیوار، دالان ستون، منارے کیوں توڑے گئے۔ دروں کو کھول کر بہ آسانی توسیع کی جاسکتی تھی، چوں کہ مسجد نبوی سے پورے عالم اسلام کو عقیدت ہے، مناسب ہے کہ تعمیر کے اہم مسئلے کی تکمیل کے لیے عالم اسلامی کے ماہر انجینئروں پر مشتمل کمیٹی بنا کر تعمیر و مرمت کا کام اس کے سپرد کیا جائے۔
- حالات کے مشاہدے اور نقشے کو دیکھ کر ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ایک منہدمہ دیوار کے بعد بقیہ دیواریں اور منارے گرائے جانے والے ہیں، ان کی جگہ جدید دیواریں بنائی جائیں گی، ان کی بلندی ۸۰ رفٹ رکھی جائے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ گنبد خضرا ڈھک جائے گا، ایسا ہرگز نہ ہونا چاہیے۔
- چوں کہ مسجد نبوی کا ہر حصہ مضبوط و مستحکم ہے، اس لیے کسی دوسرے حصے کو نہ توڑا جائے کیوں کہ خواہ مخواہ توڑنے اور بنانے میں غیر معمولی اسراف ہوگا جو شرعاً صحیح نہ ہوگا۔
- گنبد خضرائے مقدسہ، ریاض الجنہ، منبر اقدس، استوانات کو قطعاً تبدیل نہ کیا جائے۔
- جدید دیواروں کی بلندی ۸۰ رفٹ نہ کی جائے۔

● اگر قبۃ الخضرا اور تبرکات و مآثر شریفہ منہدم نہ کیے جائیں گے تو جناب والا ان اطلاعات کی تردید فرمائیں جو مصری اخبارات نے شائع کی، خصوصیت سے اخبار المصور مصری مؤرخہ ۱۵/ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ کا شائع شدہ نقشہ اور وہ تین سطریں جو اس نے نقشے کے نیچے تحریر کی ہیں اس کی پرزور تردید کی جائے اور تردید کی ایک کاپی ہمیں دی جائے، نیز مسلمانان پاکستان کے لیے ایک واضح تحریری بیان قبہ خضرا اور دیگر آثار شریفہ کی حفاظت کے بارے میں دیا جائے تاکہ ہم مسلمانان پاکستان اور عالم اسلامی میں اسے شائع کرسکیں اور مسلمانوں کو مطمئن کرسکیں۔

(ص:۲۳-۲۴)

حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی کی اس جرأت مندانہ اور دوٹوک گفتگو کو امیر سعود نے پورے غور اور سنجیدگی سے سماعت کیا، اس کے بعد انہوں نے کہا:

''مَیں صمیم قلب سے آپ حضرات کے مخلصانہ جذبات کی قدر کرتا ہوں، آپ میری جانب سے پاکستانی مسلمانوں کو سلام محبت پہنچا دیجیے۔ حکومت سعودیہ عربیہ کی جانب سے اس سے قبل متعدد بار قبہ خضرا باقی رکھنے کے متعلق اعلانات کیے جاچکے ہیں، حکومت کی ہرگز یہ رائے نہیں کہ گنبد خضرا یا دوسرے مآثر میں تبدل و تغیر کیا جائے، آپ ہمارے وعدے پر یقین کیجیے، انجینئروں کی کمیٹی کے مسئلے کو مَیں اس لیے قبول نہیں کرسکتا کہ مختلف ممالک کے انجینئروں کی کمیٹی بنائی گئی تو آپس میں اختلاف ہوگا، ایک ملک کا انجینئر ایک رائے دے گا دوسرا اس سے مختلف، اس طرح تعمیر کا کام بند ہو جائے گا۔ اخبار المصور مصری نے جو نقشہ اور نوٹ شائع کیا وہ غلط ہے۔ (شیخ محمد سرور الصبان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا) جلد از جلد اخبار المصور مصری کی تردید کی جائے۔'' (ص:۲۴)

مولانا بدایونی نے کہا کہ اس تردید کی ایک کاپی ہمیں بھی بھیجی جائے، ساتھ ہی آپ نے مطالبہ کیا کہ:

''ہمارے جن معروضات کو قبول کیا گیا ہے ان کے متعلق آپ ایک واضح تحریری

بیان ہماری واپسی سے قبل ہمیں عطا فرمائیں تا کہ ہم مسلمانان پاکستان کو مطمئن کر سکیں۔'' (ص:۲۴)

شہزادہ سعود نے اس مطالبے کو تسلیم کیا اور کہا کہ یہ واضح بیان آپ کو بھیج دیا جائے گا۔

وفد کی پاکستان واپسی:

گنبد خضرا کے تحفظ اور آثار مبارکہ کی حفاظت وصیانت کے سلسلے میں یہ وفد اپنی جدوجہد مکمل کرنے کے بعد ۲۴ ر ستمبر ۱۹۵۲ء کو واپس کراچی پہنچا۔ اگلے روز کراچی میں جمعیۃ علمائے پاکستان کی مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کیا گیا، جس میں مولانا بدایونی نے سفر حجاز کی تفصیلات بیان کیں۔ مجلس عاملہ نے مولانا عبد الحامد بدایونی کی اس عظیم کامیابی پر مبارک باد کی تجویز پاس کی۔ (ص:۲۶)

۲۷ ر ستمبر کو مولانا عبد الحامد بدایونی اور مولانا شاہ احمد نورانی نے پاکستان میں سعودی سفیر سید عبد الحمید الخطیب سے ملاقات کی، انہیں اپنے دورہ حجاز اور ولی عہد مملکت سے ملاقات وغیرہ کی تفصیلات بتائیں اور ان سے مطالبہ کیا کہ مصری اخبارات میں گنبد خضرا کے انہدام کی جو خبریں شائع ہو رہی ہیں، سفارت خانے کی جانب سے ان کی تردید شائع کی جائے۔ سفیر موصوف نے وعدہ کیا کہ وہ اس سلسلے میں اپنا بیان پریس میں دیں گے۔ لیکن اگلے ایک ہفتے تک سعودی سفیر کا کوئی بیان اخبارات میں نظر نہیں آیا، جب ان سے رابطہ کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ ''میرے نزدیک اخبارات میں کوئی ایسی بات شائع نہیں ہوئی ہے جس کی میں تردید کروں۔'' (ص:۲۶-۲۷)

امیر سعود بن عبد العزیز کے نام مولانا بدایونی کا تار:

ولی عہد مملکت شہزادہ سعود بن عبد العزیز نے اراکین وفد سے ملاقات کے وقت جس وضاحتی بیان کا وعدہ کیا تھا وہ بھی اب تک جمعیۃ کو موصول نہیں ہوا تھا، ادھر سعودی سفیر کا یہ غیر ذمہ دارانہ طرز عمل سامنے آیا، لہٰذا مولانا عبد الحامد بدایونی کی جانب سے ۴ ر اکتوبر کو شہزادہ امیر سعود اور شیخ سرور الصبان کے نام تار ارسال کیا گیا، مولانا بدایونی نے امیر سعود کے نام تار میں لکھا:

''مسلمانان پاکستان آپ کے تحریری واضح بیان کا بے چینی سے انتظار کر رہے

ہیں-گنبد خضرائے مقدسہ اور آثار شریفہ کے سلسلے میں جن مطالبات کو قبول کیا گیا ہے اس کے متعلق براہ کرم جلد واضح بیان روانہ فرمایا جائے-" (ص:۲۷)

۱۰/اکتوبر کو شیخ سرور الصبان کی جانب سے مولانا بدایونی کے تار کا جواب موصول ہوا، انہوں نے لکھا کہ "بیان واضح جاری کردیا گیا ہے-" (ص:۲۷)

آرام باغ کراچی میں جلسہ عام:

۱۲/اکتوبر ۱۹۵۲ء تک امیر سعود ولی عہد مملکت سعودی عرب یا ان کے کسی نمائندے کی جانب سے ایسا واضح اور تسلی بخش بیان موصول نہیں ہوا جس کا ان سے مطالبہ کیا گیا تھا اور انہوں نے اس بیان کے جاری کرنے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ دوسری طرف ۱۰/اور ۱۲/اکتوبر کے روز نامہ جنگ میں سعودی سفارت خانے کی جانب سے بعض متضاد اور مشکوک بیانات سامنے آئے، اس صورت حال کے پیش نظر ۱۳/اکتوبر کو جمعیۃ علمائے پاکستان نے آرام باغ کراچی میں مولانا عبدالحامد بدایونی کی زیر صدارت ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا، جس میں ہزاروں افراد نے شرکت کی، رپورٹ کے مطابق اس جلسے میں صدر اجلاس مولانا عبدالحامد بدایونی کے علاوہ مولانا مفتی صاحب داد، علامہ مخدوم ناصر جلالی، حضرت مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا قاری احمد حسین فیروز پوری اور الحاج صالح محمد صاحب نے تقریریں کیں-آخر میں حسب ذیل تجاویز منظور کی گئیں:

(۱) مسلمانان کراچی کا یہ جلسہ عام جمعیۃ علمائے پاکستان کے اس اقدام پر کہ اس نے مسجد نبوی کے سلسلے میں اپنا ایک وفد مجاہد ملت حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی کی قیادت میں حجاز مقدس روانہ کیا، جس نے انتہائی تدبر و خوش اسلوبی سے حجاز مقدس میں گنبد خضرائے مقدسہ اور دیگر آثار شریفہ کے تحفظ و بقا کے مطالبات ولی عہد معظم کی خدمت میں پیش کر کے منظور کرائے صمیم قلب کے ساتھ مبارک باد پیش کرتا ہے-

اس سلسلے میں ولی عہد حکومت حجاز نے مطالبات تسلیم کرتے ہوئے واضح تحریری بیان بھیجنے کا جلد وعدہ فرمایا تھا مگر وہ ہنوز نہیں آیا جس کی وجہ سے اضطراب بڑھ رہا ہے۔سعودی سفارت خانہ پاکستان کے جو متضاد بیانات ذاتیات سے لبریز شائع

ہو رہے ہیں یہ جلسہ عام ان سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتا ہے اور حکومت سعودی عربیہ سے پرزور خواہش کرتا ہے کہ وہ جلد از جلد ایک واضح بیان صدر جمعیۃ علمائے پاکستان کے نام روانہ کرے تاکہ مسلمانان پاکستان مطمئن ہوسکیں۔

(۲) یہ جلسہ عام ممالک اسلامی اور حکومت پاکستان اور مقامی و بیرونی اخبارات سے پرزور اپیل کرتا ہے کہ وہ گنبد خضرائے مقدسہ اور مآثر شریفہ کی حفاظت و بقا کے لیے حکومت حجاز کو متوجہ کریں اور پرزور خواہش کریں کہ خوانخواہ مسجد نبوی کی مضبوط اور مستحکم حسین عمارت کو نہ توڑا جائے۔ (ص: ۳۳)

شہزادہ سعود اور شیخ الصبان کے نام دوسرا تار اور اس کا جواب:

۱۳؍ اکتوبر کے اس عظیم الشان جلسے کے بعد ۱۴؍ اکتوبر کو پھر یاددہانی کے طور پر جمعیۃ علمائے پاکستان کی جانب سے شہزادہ سعود بن عبدالعزیز (ولی عہد مملکت سعودی عرب) اور شیخ محمد سرور الصبان (نائب وزیر مالیات، حکومت سعودی عرب) کے نام تار کیا گیا، اس تار میں ان کو ان کا وعدہ یاد دلایا گیا اور تعمیر کے سلسلے میں واضح بیان جاری کیے جانے کی درخواست کی گئی۔

اس تار کے جواب میں ۱۶؍ اکتوبر کو مولانا بدایونی کے نام شیخ الصبان نائب وزیر مالیات کا حسب ذیل تار موصول ہوا:

''آپ کی رغبت کے مطابق ایک واضح ومفصل بیان صادر ہوگیا ہے جو بذریعہ ڈاک آپ کو بھیجا گیا ہے۔'' (ص: ۳۲)

مولانا بدایونی کے نام امیر سعود بن عبدالعزیز کا جوابی تار:

مولانا بدایونی کے اس دوسرے تار کے جواب میں ۱۹؍ اکتوبر کو شہزادہ سعود (ولی عہد مملکت) کا مندرجہ ذیل تار مولانا کے نام موصول ہوا:

''ہم نے جس واضح بیان کا آپ سے وعدہ کیا تھا اس کی بابت ہم نے سفارت خانہ پاکستان وہندوستان کو ایک ہی الفاظ میں ہدایت کردی ہے کہ وہ بیان شائع کردیں، ہم یقین کرتے ہیں کہ اس بیان کے بعد مفسدین اور اللہ ورسول کے دشمنوں کا پروپگنڈہ بند ہوجائے گا۔'' (ص: ۲۷)

صدر مؤتمر اسلامی کا مکتوب بنام امیر سعود بن عبدالعزیز:

صورت حال کی نزاکت دیکھتے ہوئے پروفیسر ابوبکر حلیم، صدر مؤتمر عالم اسلامی (وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی) نے امیر سعود بن عبدالعزیز کے نام خط روانہ کیا، انہوں نے لکھا:

''مَیں نے مولانا عبدالحامد صاحب قادری بدایونی صدر جمعیۃ علمائے پاکستان سے مسجد نبوی کے بارے میں تفصیلی گفتگو کی اور مسجد نبوی کے بعض اہم اجزا کے انہدام اور جمعیۃ کے وفد سے ملاقات میں ولی عہد معظم نے جو کچھ وعدے گنبد خضرائے مقدسہ و دیگر آثار مبارکہ کی بابت کیے اور یہ ارشاد کیا کہ وہ وفد کے پہنچتے ہی تحریری واضح بیان روانہ فرمائیں گے، مگر وہ بیان اب تک نہ ملنے کی وجہ سے مسلمانوں میں سخت اضطراب ہے۔ مَیں جناب والا سے درخواست کرتا ہوں کہ براہ کرم جلد حسب وعدہ اپنا واضح تحریری بیان مولانا عبدالحامد صاحب قادری صدر جمعیۃ علمائے پاکستان کے نام روانہ فرمائیں تاکہ مسلمانان پاکستان مطمئن ہوں۔''

(ص:۳۵)

سعودی سفارت خانے کی پریس کانفرنس:

عوامی دباؤ کی وجہ سے سعودی سفارت خانہ دفاعی پوزیشن میں آ گیا، اسی درمیان شہزادہ سعود کے جاری کردہ احکامات بھی سفارت خانے کو موصول ہو گئے، لہٰذا گومگو کی یہ کیفیت ختم کرتے ہوئے سعودی سفارت خانے نے ایک پریس کانفرنس طلب کر کے معاملات پر صفائی پیش کی، اس پریس کانفرنس سے عوام میں برپا خلجان اور بے چینی دور ہوئی، رپورٹ میں لکھتے ہیں:

''جلسہ عام کے بعد سفارت خانہ سعودی عربیہ نے ایک پریس کانفرنس بلائی، پریس کے نمائندگان کے استفسارات کے بعد سفارت خانے نے ان تمام منظور شدہ مطالبات کا ذکر کیا جو جمعیۃ علمائے پاکستان کا وفد قبول کروا چکا تھا۔ کاش اس سے قبل ہی وہ تفصیلی بیان اور اخبار المصور کی تردید فرما دیتے تو خواہ مخواہ اختلافات کیوں پیدا ہوتے۔'' (ص:۳۴)

حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی کی یہ تحریک بالآخر کامیابی سے ہمکنار رہوئی، سعودی

حکومت نے گنبد خضرا اور ترکوں کی تعمیر کردہ قدیم عمارت کو منہدم نہ کرنے کا جو وعدہ مولانا عبدالحامد بدایونی اور ارکان وفد سے کیا تھا اس کو پورا کیا گیا۔ گنبد خضرا آج بھی اپنے تمام تر تقدس ونورانیت کے ساتھ اپنی جگہ پر جلوہ فگن ہے اور انسان تو انسان قدسیان فلک کے لیے بھی قبلہ محبت اور کعبہ عقیدت ہے۔

زیر نظر کتاب 'جامع فتویٰ' میں آزاد بن حیدر (ناظم نشر واشاعت مرکزی انجمن تبلیغ اسلام کراچی) اس تحریک کی کامیابی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جلالۃ الملک المعظم (شاہ سعود بن عبدالعزیز) نے اب سے ۶ رسال قبل تعمیر مسجد نبوی کے سلسلے میں مرکزی جمعیۃ علمائے پاکستان کے وفد کی ملاقات میں پاک وہند کے جذبات سماعت فرما کر احکام دے دیے تھے کہ نہ تو گنبد خضرائے مقدسہ حکومت سعودیہ منہدم کرانا چاہتی ہے اور نہ تبرکات شریفہ میں کوئی تغیر وتبدل کیا جاسکتا ہے۔'' (جامع فتویٰ:۳۵)

۱۹۵۴ء کا وفد حجاز:

اس تحریک کے ۲ رسال بعد ۱۹۵۴ء میں حج کے موقع پر جمعیۃ علمائے پاکستان کا ایک اور وفد مولانا عبدالحامد بدایونی کی زیر قیادت حجاز گیا، وفد نے مسجد نبوی اور دیگر آثار کا معائنہ کیا، واپس آکر وفد نے اپنی رپورٹ پیش کی، اس میں لکھتے ہیں:

''ارکان وفد کو مسرت ہے کہ جمعیۃ کے سابقہ وفد سے حکومت سعودیہ نے سمت قبلہ کی عمارت اور مآثر شریفہ، گنبد خضرا مقدسہ نیز چہار جانب کی دیواروں کو گنبد شریف سے بلند نہ کرنے کا جو وعدہ کیا تھا اس پر حکومت قائم ہے اور کسی قسم کا کوئی تغیر وتبدل آثار مبارکہ کے حصوں میں نہیں کیا گیا۔'' (سالانہ رپورٹ جمعیۃ علمائے پاکستان ۱۹۵۵ء: بحوالہ ماہنامہ مجلہ بدایوں، ص ۷، شمارہ جولائی ۱۹۹۵ء)

حضرت اقدس والد گرامی [شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری] مدظلہ نے فرمایا کہ حضرت مولانا ضیاء الدین قادری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے مدینہ منورہ میں ان کے دولت خانے پر جب جب ملاقات ہوئی تو انہوں نے تقریباً ہر بار فرمایا کہ:

''امت اسلامیہ پر یہ مولانا عبدالحامد بدایونی کا احسان ہے کہ ان کی بروقت مداخلت اور پرزور تحریک کے نتیجے میں سعودی حکومت گنبد خضرا کے انہدام سے باز رہی، اگر مولانا گنبد خضرا کے تحفظ کی یہ تحریک نہ چلاتے تو خدا جانے کیا صورت حال ہوتی۔''

جنت البقیع اور جنت المعلیٰ کی حفاظت وصیانت کی تحریک:

۱۹۵۲ر کی کامیاب تحریک کے بعد ۱۹۶۱ء میں پھر مولانا عبدالحامد بدایونی نے صحابہ واہل بیت کے منہدم شدہ مزارات کی تعمیر نو اور گنبد خضرا کے تحفظ وصیانت کے لیے عالم گیر مہم چلائی، پہلے آپ نے قبور ومزارات پر قبوں کے شرعی جواز پر ایک فتویٰ مرتب کیا، پھر ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش (جو اس وقت مشرقی پاکستان تھا) کا دورہ کر کے وہاں کے معتبر علما ومشائخ سے اس فتوے پر تصدیق وتائید حاصل کی، ہندو پاک اور بنگلہ دیش کے ۲۵۹ر اکابر علما نے اس فتوے پر دستخط کیے۔ فتوے کی تصدیق کرنے والوں میں علمائے بدایوں، علمائے فرنگی محل وغیرہ کے علاوہ مفتی اعظم (بریلی)، محدث اعظم (کچھوچھہ)، حافظ ملت (مبارک پور)، مولانا عبدالمصطفیٰ ازہری، مولانا احمد سعید کاظمی، مفتی مظہر اللہ نقشبندی (دہلی) اور مولانا برہان الحق جبل پوری وغیرہ جیسے اکابر شامل ہیں۔

پھر آپ نے عالم عرب اور ایران کا دورہ کیا اور وہاں کے سرکردہ علما سے اس فتوے پر تصدیقیں اور تقریظات حاصل کیں، آپ نے سعودی حکومت سے مطالبہ کیا کہ قبوں اور مزارات کے انہدام پر روک لگائی جائے اور جو مزارات منہدم کر دیے گئے ہیں ان کو از سر نو تعمیر کر کے ان کے اوپر کتبے لگائے جائیں۔ مولانا کا فتویٰ، ہندو پاک کے علما کی تصدیقات اور سعودی حکومت سے مطالبات کو یکجا کر کے بنام ''جامع فتویٰ'' کراچی سے شائع کیا گیا۔ پھر اس فتوے کا عربی ترجمہ کیا گیا اور اس پر علمائے عرب کی تقاریظ اور تصدیقات حاصل کی گئیں۔ مولانا بدایونی نے شاہ سعود کے نام ایک خط لکھا جس میں ان کو عالم اسلام کے علما کے جذبات سے آگاہ کرتے ہوئے اپنے مطالبات پیش کیے۔ اس تمام مواد کو یکجا کر کے عربی زبان میں ''الجواب المشکور علی اسئلۃ القبور'' کے نام سے شائع کیا گیا۔

www.Qadri.info

ممالک عرب اور ایران کا سفر:

مزارات صحابہ واہل بیت کی حفاظت وصیانت کی اس عالم گیر تحریک میں قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی مولانا عبدالحامد بدایونی کے ساتھ تھے، عالم عرب اور ایران کا یہ دورہ ۱۹۶۱ء میں ہوا تھا، اس زمانے میں چونکہ جمعیۃ علمائے پاکستان پر پابندی لگی ہوئی تھی اس لیے مرکزی انجمن تبلیغ اسلام کی جانب سے یہ وفد بھیجا گیا تھا، یہ وفد تین ارکان پر مشتمل تھا:

(۱) حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی (قائد وفد)

(۲) قائد اہل سنت علامہ شاہ احمد نورانی (رکن)

(۳) مولانا عمر الٰہی دہلوی (رکن)

یہ سفر ۱۷رمئی ۱۹۶۱ء کو کراچی سے شروع ہو کر ۳۰رجولائی ۱۹۶۱ء کو کراچی ہی میں ختم ہوا، کم وبیش ڈھائی ماہ کے سفر میں اس وفد نے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، جدہ (سعودی عرب)، عمان (اردن) بیت المقدس، بیروت (لبنان) دمشق (شام) قاہرہ، اسکندریہ (مصر) بغداد، نجف کربلا (عراق) اور طہران، قم، مشہد، اصفہان، خراسان (ایران) کا دورہ کیا، ان بلاد کے علما ومشائخ اور عمائدین مملکت سے ملاقاتیں کیں۔ سفر سے واپسی پر مولانا بدایونی نے اپنے اس طویل سفر کی روداد قلم بند کی، جو ''ممالک عربیہ اور ایران کا سفر نامہ'' کے نام سے ۱۹۶۱ء میں مرکزی انجمن تبلیغ اسلام کراچی کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔ یہ سفر نامہ ہمارے پیش نظر ہے، ہم اس سے بعض اقتباسات نقل کرتے ہیں تاکہ مولانا کی اس تحریک کی اہمیت اور عالم گیریت کا اندازہ ہو سکے۔

تحریک کا آغاز:

سفر نامے کے آغاز میں لکھتے ہیں:

''جنوری وفروری ۱۹۶۰ء میں میرے اور بعض احباب کے درمیان تبادلہ خیالات ہوا، جس کے بعد طے پایا کہ بقیع شریف کے قبب وقبور کی حفاظت اور مزارات حضرات اہل بیت اطہار کے تحفظ وبقا وضریح مزار حضور فاطمہ سیدہ الزہرا کے لیے منظم جدوجہد کی جائے۔ اس سلسلے میں تجویز ہوا کہ ایک فتویٰ مرتب کروں اور بعد

اس کے مرکزی انجمن تبلیغ اسلام کا ایک وفد مغربی و مشرقی پاکستان میں حضرات علمائے کرام کے دستخط حاصل کرے۔ چنانچہ ۱۹/مارچ ۱۹۶۰ء سے یہ تحریک شروع کی گئی اور ۱۱/اپریل کو تمامی انتظامات مکمل کرنے کے بعد مرکزی انجمن تبلیغ اسلام کے وفد نے پہلے مغربی پھر مشرقی پاکستان کا دورہ کیا------ماہ تک یہ دورہ جاری رہا از اں بعد ہندوستان کا دورہ کیا گیا۔ الحمد للہ پاک و ہند کے علما و مشائخ نے تحریک سے اتفاق کرتے ہوئے فتوے کی تصدیقات فرمائیں اور اپنی شاندار آرا کا اظہار فرمایا۔'' (ص ۱/۲)

وفد کراچی سے روانہ ہو کر سب سے پہلے سعودی عربیہ پہنچا، وہاں حج بیت اللہ (سنہ ۱۳۸۰ھ) اور زیارت مدینہ منورہ کی سعادتیں حاصل کیں۔

مکہ مکرمہ میں علمائے عرب سے ملاقاتیں:

حج کے ایام میں مولانا بدایونی کی طبیعت علیل رہی، اس لیے منیٰ کے دوران قیام علما و مشائخ سے ملاقاتیں نہ ہو سکیں، لکھتے ہیں:

''منیٰ کے سہ روزہ قیام میں شدید علالت کے باعث ممالک اسلامیہ کے لوگوں سے ملاقاتوں کا کام نامکمل رہا۔ البتہ مکہ معظّمہ حاضر ہو کر جانے والے افراد سے حرم شریف اور اپنی قیام گاہ پر مختلف دعوتیں کر کے ملاقاتیں رہیں، خود بھی علما و مشائخ سے ملتے جلتے رہے۔'' (ص ۴)

مزید لکھتے ہیں:

''ہم لوگ منیٰ سے واپس آکر بعد حج مکہ معظّمہ میں مقیم رہیں، اس زمانے میں مختلف ممالک کے علما سے تبادلہ خیالات کیا جاتا رہا، خصوصیت سے مصر و شام و سوڈان والوں سے باتیں کافی کی گئیں۔'' (ص ۴)

مدینہ منورہ میں بھی ملاقاتوں کا یہ سلسلہ جاری رہا، لکھتے ہیں:

''حرم شریف میں ہر نماز کی حاضری کے وقت جاننے والے اور ایسے افراد و علما مل جاتے جن سے ہماری تحریک کا تعلق تھا، ہم وقت کا تعین کرتے، اگلے دن باتیں

کرتے، یا تو اپنی قیام گاہ پر ان حضرات کو بلاتے یا خود ان حضرات کی خدمت میں حاضر ہوتے۔'' (ص ۵)

بیت المقدس کا سفر:

حج و زیارت کی سعادتیں حاصل کرنے کے بعد یہ قافلہ عمان کے راستے بیت المقدس کے لیے روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر وفد نے اپنی تحریک کے سلسلے میں کام شروع کر دیا، لکھتے ہیں:

''ہم نے مسجد اقصیٰ میں بعض بعض علمائے کرام سے ملاقاتیں کر لی تھیں لیکن جی چاہتا تھا کہ ایک اجتماع ایسا ہو جس میں یہاں کی مشہور و معروف شخصیتیں یکجا ہو کر باتیں کر سکیں، چنانچہ ہم نے اپنی قیام گاہ پر حالیہ مفتی اعظم فلسطین اور دیگر مشاہیر کو مدعو کیا، الحمد للہ اجتماع خاصا اچھا رہا۔'' (ص ۱۳)

آگے لکھتے ہیں:

''علمائے قدس سے دیر تک مباحث و مذاکرات جاری رہے، ہم نے اپنے مشن کی داغ بیل ڈال دی۔ فتوے کی کاپیاں مفتی صاحب اور دیگر علمائے قدس کی خدمات میں پیش کر دیں۔

حضرت مفتی صاحب نے وعدہ فرمایا کہ میں ان شاء اللہ جواب مرتب کر کے روانہ کروں گا، تفصیلی تبادلہ خیالات اور اپنی تحریک کی اعانت کا وعدہ لے کر ہم لوگ بیت المقدس سے واپس ہوئے۔'' (ص ۱۳-۱۴)

بیروت کا سفر:

بیت المقدس سے یہ وفد عمان ہوتا ہوا بیروت پہنچا، لکھتے ہیں:

''بیت المقدس سے بذریعہ ہوائی جہاز عمان آئے، یہاں کام کیا، کچھ زمین بنائی، پھر لبنان میں مصروف رہے۔'' (ص ۱۴)

''بیروت میں چھ دن قیام رہا۔'' (ص ۱۴)

''چھ دن کے قیام میں مقامی علما و مشائخ سے ملے، یہاں کے علما و مشائخ بیرونی افراد سے باتیں کرنے میں جھجکتے ہیں، حکومت بھی تقریباً نیم عیسائی ہے۔'' (ص ۱۴)

''یہاں کے قیام میں قبب وقبور کی تحریک کی تبلیغ کی گئی، لوگوں کو ہم نوا بنایا گیا۔''

(ص ۱۵)

دمشق (شام) کا دورہ:

بیروت کے بعد یہ کاروانِ شوق شام (سیریا) کی راجدھانی دمشق پہنچا، لکھتے ہیں:

''ہم نے دوسرے ہی دن سے علما و مشاہیر سے ملاقاتیں شروع کر دیں۔''

(ص ۱۶)

''شام کی بزرگ ترین شخصیت جو علم و فضل وروحانیت کے لحاظ سے بلند پایہ ہے وہ ہے مولانا سید عبدالوہاب صاحب قبلہ کی ذات گرامی، آپ شام کے چوٹی کے عالم ودرویش ہیں۔'' (ص ۱۸)

''حضرت (سید عبدالوہاب) سے نفس تحریک پر مفصل تبادلہ خیالات ہوا، چنانچہ علمائے شام کا اجتماع طے ہو گیا، تمامی علمائے کرام مدعو کیے گئے، پہلے ہمارا مرتب کردہ جواب پڑھا گیا، حضرات علما نے ہمارا مرتب کردہ جواب بہت پسند کیا، بعد سماعت تصدیقات وتوثیقات فرمائیں۔'' (ص ۱۸)

علمائے مصر سے ملاقاتیں:

شام میں اپنی تحریک کی کامیاب تبلیغ اور علمائے شام کی تصدیقات حاصل کرنے کے بعد مولانا عبدالحامد بدایونی اپنے رفقا کے ساتھ قاہرہ (مصر) پہنچے۔ لکھتے ہیں:

''دو چار دن کے اندر اندر قاہرہ کے احباب کو علم ہو گیا، اب ہر طرف سے لوگ ملنے آنے لگے، ضیافتیں شروع ہو گئیں، پرانی اور جدید جماعتیں جس قدر یہاں ہیں سب سے ملنا ہوا، استاذ محترم الحاج محمود ربیع معلم الفقہ جامعہ ازہر اور دیگر علمائے مصر سے تفصیلی ملاقاتوں میں کام کا خاکہ طے ہو گیا۔ کئی پارٹیوں میں ہماری تحریک پیش ہو گئی اور ہر حلقے میں بے حد پسند کی گئی۔'' (ص ۲۰)

مصری وزیر اوقاف سے ملاقات:

عالم عرب کے علمی اور حکومتی دونوں حلقوں میں مولانا عبدالحامد بدایونی اپنا اثر ورسوخ

رکھتے تھے، مصر میں وزارت اوقاف کی جانب سے ان کا پر جوش استقبال کیا گیا، آپ نے مصری وزیر اوقاف سے ملاقات کرکے ان کو اپنے مشن سے آگاہ کیا اور ان کی حمایت حاصل کی، لکھتے ہیں:

''اسی دن وزارت اوقاف سے ۳/ ۴ عمال ہوٹل تشریف لائے اور ہمیں ہمارا پروگرام جو وزارت اوقاف نے آثار اور تاریخی مقامات کے مشاہدہ ومعائنے کا مقرر کیا تھا اس سے مطلع کیا اور وزیر صاحب سے ملاقات کے وقت وتاریخ سے باخبر کیا۔

پہلے ہم نے اور رفقا نے وزیر موصوف سے وزارت اوقاف کے دفتر جا کر ملاقات کی، ملاقات میں ایک دوسرے وزیر اور ایک ازہر کے فاضل بھی موجود تھے۔ مختلف مسائل علمی پر مذاکرات شروع ہوگئے، گنبد خضرائے مقدسہ کے بوسیدہ پردوں کا مسئلہ چھیڑا گیا اور کافی دیر تک تبادلہ خیالات رہا، پھر تحریک تحفظ قبب و قبور صحابہ واہل بیت آگئی، اس پر بھی سیر حاصل بحث ہوگئی، وزیر صاحب محترم اور دوسرے وزیر وعالم سب ہم سے متفق ہوئے۔'' (ص ۲۱-۲۲)

شیخ الازہر سے ملاقات:

عالم عرب میں شیخ الازہر کی شخصیت اور رائے کی جو قدر وقیمت ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، اس لیے ضروری تھا کہ اپنی تحریک کو باوزن اور پُر اثر بنانے کے لیے شیخ الازہر کو اعتماد میں لے کر ان کی حمایت حاصل کی جائے، لہٰذا مولانا عبد الحامد بدایونی نے شیخ الازہر سے ملاقات کرکے ان کو اپنی تحریک کے بارے میں بتایا۔ مولانا نے سفرنامے میں شیخ الازہر کا نام ذکر نہیں کیا ہے، ہماری معلومات کے مطابق اس زمانے میں علامہ شیخ محمود شلتوت شیخ الازہر کے منصب پر فائز تھے، مولانا لکھتے ہیں:

''دوسرے دن شیخ الازہر سے ہم لوگ ملے، ایک گھنٹے کے قریب شیخ ازہر سے باتیں رہیں۔'' (ص ۲۲)

اسکندریہ میں جلسہ عام سے خطاب:

ارکان وفد نے قاہرہ کے بعد مصر کے دوسرے بڑے شہر اسکندریہ کا بھی دورہ کیا اور وہاں

ایک بڑے اجتماع سے خطاب کیا، مولانا رقم طراز ہیں:

''وزارت اوقاف نے ہمارا اسکندریہ کا پروگرام مرتب فرمایا، جہاں عالم اسلامی کے ۷۰۰ طلبہ کی طرف سے منعقد کردہ جلسہ عام میں شریک ہو کر ہمیں ایک تقریر کرنا تھی۔ شبان المسلمین کے صدر محترم بھی اس جلسے میں شریک تھے۔ بڑا اچھا اجتماع تھا، ہماری تقریر کے بعد صدر شبان المسلمین نے باوجود بڑھاپے کے نوجوانوں کی طرح بڑی پر جوش تقریر فرمائی۔'' (ص ۲۳)

جمعية الرابطة الاسلامية کی میٹنگ:

قاہرہ میں جن اہم تنظیموں نے مولانا کی تحریک کی حمایت کی ان میں جمعية الرابطة الاسلامية کا نام نمایاں ہے، مولانا نے لکھا ہے کہ:

''جمعیت رابطۂ اسلامیہ کی طرف سے زیر نگرانی حضرت علامہ ربیع صاحب ہمارے اعزاز میں ایک بڑی دعوت دریائے نیل کے کنارے مقام جیزان میں ہوئی، جہاں چائے کے بعد حضرت علامہ ربیع نے ہم لوگوں کا تعارف کراتے ہوئے تحریک حفاظت قبب وقبور اور فتوے کی تیاری کا حال بتایا اور ہم سے تقریر کی خواہش کی، ہم نے اور مولانا نورانی میاں صاحب نے مفصل طور پر شرح وبسط کے ساتھ روشنی ڈالی، جو علما اس جلسے میں موجود تھے ان سب نے اعانت وحمایت کا وعدہ فرمایا۔'' (ص ۲۴)

العشيرة المحمدية کی جانب سے جلسہ عام:

مصر کے معروف عالم اور شیخ طریقت حضرت شیخ محمد زکی ابراہیم (ولادت: ۱۹۰۶ء/ وفات: ۱۹۹۸ء) نے العشيرة المحمدية کے نام سے ایک صوفی اور خانقاہی تنظیم تشکیل دی تھی، اس تنظیم نے ارکان وفد کے اعزاز میں ایک جلسہ عام کا انعقاد کیا اور تحریک کو اپنے تعاون کی یقین دہانی کروائی، مولانا رقم طراز ہیں:

''العشيرة المحمدية قاہرہ کی جانب سے ایک جلسہ عام ہمارے اعزاز میں ترتیب دیا گیا، یہ انجمن قاہرہ کی سب سے پرانی اور خالص مذہبی انجمن ہے، ایک

www.Qadri.info

ماہانہ رسالہ ''المسلم'' بھی نکالتی ہے، اس کے ارکان وعہدے داران اچھا تعمیری کام کررہے ہیں۔ ساڑھے نو بجے شب سے ساڑھے بارہ بجے شب تک جلسۂ عام جاری رہا۔ اگرچہ اس دن ہماری طبیعت خراب تھی مگر اس اجتماع میں شریک ہونا پڑا۔ ہماری صحت کی خرابی کے باعث نورانی میاں نے مفصل تقریر کی، تحریک قبب وقبور کا بھی تقریر میں ذکر آ گیا، جو حضرات علما موجود تھے ان میں سے بعض کے دستخط ثبت ہوئے، اجتماع نتیجہ خیز رہا۔'' (ص ۲۴-۲۵)

سفر عراق:

مصر میں اپنی تحریک کی کامیاب تبلیغ اور علمائے مصر کی تائید وتصدیق حاصل کرکے وفد نے عراق کا رخ کیا۔ بغداد شریف میں نقیب الاشراف حضرت پیر ابراہیم گیلانی (صاحب سجادہ درگاہ غوث اعظم) سے ملاقات ہوئی، لیکن کچھ نامعلوم وجوہ کی بنیاد پر وفد نے عراق میں دوسرے علما ومشائخ سے ملاقات نہیں کی، مولانا لکھتے ہیں:

''مسٹر خٹک (سفیر پاکستان) سے جلد بغداد میں ملاقات کرکے ضروری حالات معلوم کرنا تھے، تقریباً دو گھنٹے تک باتیں رہیں، اکثر وبیشتر مسائل معلوم ہو گئے، لیکن ہم نے عراق کے اندر طے کرلیا ہے کہ سوائے مزارات کی حاضری کے دوسرے معاملات میں نہ پڑیں گے۔'' (ص ۲۷)

گو کہ عراق میں علما ومشائخ سے ملاقات کرکے اپنی تحریک کے سلسلے میں کوئی پیش رفت نہیں کرسکے صرف مزارات کی حاضریاں ہی کیں، لیکن یہاں بھی اپنے مشن اور تحریک کو فراموش نہیں کیا، نجف اشرف میں حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر حاضری کی کیفیت لکھتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''آخر میں معروضہ کیا کہ جنت البقیع، احد شریف اور جنت المعلیٰ کے قبب وقبور کی جو تحریک شروع کی ہے اس میں کامیابی حاصل ہو۔'' (ص ۲۹)

مولانا عبد الحامد بدایونی ایران میں:

ایران کے دار الحکومت طہران میں ایک ایرانی عالم علامہ فلسفی سے مولانا بدایونی کے روابط

www.Qadri.info

پہلے سے تھے، مولانا نے مصر سے ہی علامہ فلسفی کو تفصیلی خط لکھ کر اپنی تحریک اور سفر ایران کے پروگرام سے مطلع کر دیا تھا، طہران پہنچ کر علامہ فلسفی سے ملاقات ہوئی علامہ موصوف نے فرمایا:

''صبح نو بجے سے علمائے ایران اور مجتہدین کرام بغرض ملاقات تشریف لائیں گے اور بعض وہ بزرگ ترین شخصیتیں بھی تشریف لائیں گی جو نہ تو شہنشاہ کے دربار میں جاتی ہیں نہ کسی کے استقبال میں شریک ہوتی ہیں، مگر چونکہ آپ لوگ مزارات حضرات اہل بیت اطہار وصحابہ کرام کی تعمیر وحفاظت کا اہم کام شروع کرنے کی تحریک لے کر آئے ہیں اس لیے تمام اکابر ایران علما ومشاہیر اس تحریک میں پوری دلچسپی لینے کے لیے تشریف لائیں گے۔'' (ص ۳۲)

پروگرام کے مطابق اگلے روز صبح نو بجے علما کا اجتماع ہوا، اجتماع کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے مولانا عبدالحامد بدایونی نے لکھا ہے:

''چنانچہ صبح نو بجے سے اکابر علما ومشائخ تشریف لانے لگے، جب ڈیڑھ سو سے زیادہ کا اجتماع ہو گیا تو ہم نے ایک تقریر کی، جس میں صورت حال کو واضح کیا، اپنے مرتب کردہ فتوے کا ذکر کیا، مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی القادری نے ہمارا مرتب کردہ فتویٰ اور علامہ ربیع مصری کا مقدمہ سنایا، اکابر علما ومشائخ نے دونوں فتوے گہری دلچسپی کے ساتھ سنے اور اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔'' (ص ۳۳)

بادشاہ ایران رضا شاہ پہلوی سے ملاقات:

۱۹۶۱ء میں ایران پہلوی خاندان کے زیر حکومت تھا، محمد رضا پہلوی کا دور تھا، اپنی تحریک کو مضبوط کرنے کے لیے ضروری تھا کہ بادشاہ ایران سے ملاقات کر کے ان کو اپنی تحریک اور مشن سے آگاہ کیا جائے، مولانا نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا، بادشاہ نے وفد کو ملنے کا وقت دیا، وقت مقررہ پر ارکان وفد شاہی محل میں پہنچے اور بادشاہ ایران سے تفصیلی مذاکرات کیے۔ مولانا عبدالحامد بدایونی نے اپنی آمد کے مقصد اور اپنے موجودہ مشن کے بارے میں تفصیل سے بتایا، حضرت شاہ احمد نورانی نے انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ کیا، مولانا بدایونی لکھتے ہیں:

''ہم نے گذشتہ دس سال کے کاموں کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ اب سے ۶/

۷ سال قبل جمعیۃ علمائے پاکستان نے ایک وفد حجاز مقدس بھیجا تھا، دو ماہ کی لگا تار کوششوں کے بعد کامیابی حاصل کی، گنبد خضرائے مقدسہ انہدام سے بچ گیا اور آثار شریفہ اور تبرکات نبویہ برقرار رہے، اس وقت سے یہ تحریک میرے قلب میں جاگزیں تھی کہ بقیع واحد وجنت المعلیٰ میں ہزار ہا صحابہ کرام واہل بیت عظام کے منہدم مزارات وقبب کی صیانت وحفاظت وبقا کے لیے کچھ کرنا چاہیے، چنانچہ اس مرتبہ ایک فتویٰ مرتب کیا، جس پر ابتداءً پاک وہند کے علما کے دستخط کرائے گئے، فریضہ حج سے فارغ ہو کر ہم لوگ جدہ شریف سے سیدھے قدس، لبنان، عمان، بیروت، دمشق، مصر واسکندریہ، بغداد گئے، ان سب مقامات پر علمائے کرام کے دستخط حاصل کیے، علمائے مصر کی تصدیقات کرائیں، فتوے پر مقدمہ لکھوایا، آخر میں ہم لوگ ایران حاضر ہوئے ہیں، الحمد للہ کہ اس بارے میں سب سے زیادہ دلچسپی کا مظاہرہ حضرات علمائے ایران نے فرمایا اور طے کیا کہ اس سلسلے میں ایک فتویٰ بزبان فارسی وعربی شائع کیا جائے گا، ہماری تجویز یہ ہے کہ ایک وفد یہ فتویٰ طہران سے شہنشاہ معظم کا گرامی نامہ لے کر جائے جس میں جلالۃ الملک المعظم سعود کو لکھا جائے کہ وہ مزارات صحابہ واہل بیت اطہار کو پختہ بنوائیں ہر ایک مزار پر کتبات لگائے جائیں، جن پر نام کندہ ہوں تا کہ زائرین کو سہولت ہو۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے انگریزی زبان میں مفصلاً تمامی امور پر روشنی ڈالی، دیر تک موضوعات پر تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔'' (ص ۳۴-۳۵)

مشہد مقدس میں علما کی نشست:

ایران کے شہروں طہران اور قم کے بعد یہ وفد مشہد مقدس پہنچا، یہاں حضرت امام علی بن موسیٰ رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مزار مبارک ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

''قم کے بعد ہم لوگ مشہد مقدس کے لیے ہوائی جہاز سے روانہ ہوئے، مطار (ائیر پورٹ) پر گورنر کے نمائندے اور علمائے کرام کے اجتماع نے استقبال کیا۔'' (ص ۳۶)

یہاں پہنچنے کے بعد سب سے پہلے حضرت امام علی بن موسیٰ رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مزار پر حاضری دی، اس کے بعد علما کی ایک نشست ہوئی، لکھتے ہیں:

''پھر ایک طویل نشست حضرات علما کی رہی جس میں تحریک کا پس منظر ہم نے بیان کیا، حضرات علمائے طہران وقم کی تائیدات کا ذکر کیا، مشہد کے علما و مجتہدین کرام نے پوری گرم جوشی کے ساتھ اعانت، اشتراک، حمایت و تائید کا یقین دلایا۔''

(ص۳۶)

مشہد مقدس کے بعد وفد نے اصفہان اور خراسان کا بھی دورہ کیا، بالآخر دو ماہ سے زیادہ کا یہ طویل سفر ۳۰؍جولائی ۱۹۶۱ء کو کراچی پہنچ کر اختتام پذیر ہوا۔

اس روداد سفر سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مولانا عبد الحامد بدایونی نے تحریک تحفظ گنبد خضریٰ کو عالمی سطح پر متعارف کرانے اور عالمی رائے عامہ ہموار کرنے کے لیے کیسی عظیم الشان جدوجہد کی ہے۔ اس سفر نامے سے مشائخ و علمائے عرب کی نظر میں مولانا عبد الحامد بدایونی کی قدر و منزلت اور عالم عرب کے علمی اور حکومتی حلقوں میں ان کے اثرات کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

❑❑❑

خانوادۂ قادریہ بدایوں اور خانوادۂ علیمیہ

تعلقات و روابط

اتر پردیش کا شہر ''بدایوں'' رقبے کے اعتبار سے چھوٹا، مگر اپنی علمی وروحانی تاریخ، شعری وادبی روایت، مردم خیزی اور مخصوص تہذیبی وثقافتی وراثت کے اعتبار سے اسلامیات، ادبیات اور عمرانیات کے ماہرین ومحققین کے لیے بڑی اہمیت رکھتا ہے، عہد وسطیٰ اور اس کے بعد تک یہ شہر اہل اللہ اور اہل علم وفضل کا مرکز توجہ رہا، اس کی اسی اہمیت کے پیش نظر اس کو تاریخ کی کتابوں میں بجا طور پر ''مدینۃ الاولیا'' اور ''قبۃ الاسلام'' لکھا جاتا ہے، اس شہر میں بے شمار علمی اور روحانی خانوادے عالم اسلام کے مختلف مراکز سے ہجرت کر کے آئے اور بدایوں کو اپنی علمی، روحانی اور اصلاحی جد وجہد کا مرکز بنایا، بدایوں میں اولیا وشہدا کے مزارات، قدیم مساجد اور مدرسوں و خانقاہوں کے باقیات آج بھی اس شہر کی عظیم تاریخ کا پتہ دیتے ہیں- عالم اسلام سے ہجرت کر کے بدایوں کو اپنا وطن بنانے والے خانوادوں میں ایک اہم خانوادہ ''خانوادۂ عثمانیہ'' بھی ہے، جس کو خانوادۂ قادریہ بھی کہا جاتا ہے، امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد امجاد سے ایک بزرگ حضرت قاضی دانیال قطری ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں یہاں تشریف لائے اور سلطان قطب الدین ایبک کی جانب سے بدایوں کے قاضی مقرر کیے گئے، آپ کی اولاد میں علم وفضل اور تصوف وروحانیت کا ایسا تسلسل قائم ہوا کہ آج آٹھ صدیوں بعد بھی یہ خانوادہ اپنی علمی اور روحانی میراث کا امین ومحافظ ہے، اس خانوادے میں ہر دور میں اہل علم وفضل پیدا ہوتے رہے اور اپنے اپنے زمانے میں دین وملت کی بیش بہا خدمات انجام

www.Qadri.info

دیتے رہے۔ حضرت سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی، مجاہد انقلاب آزادی مولانا فیض احمد بدایونی اور حضرت تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی اسی خانوادۂ قادریہ عثمانیہ کے متاخر اکابر میں ہیں۔

زیر نظر مضمون میں ہم اسی خانوادۂ عثمانیہ قادریہ کے بعض اکابر کے ساتھ خانوادۂ علیمیہ کے علما واکابر کے تعلقات وروابط اور قومی وملی کاز میں ان حضرات کی مشترکہ جدوجہد پر روشنی ڈالیں گے۔

خانوادۂ علیمیہ سے حضرت مبلغ اسلام مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی، آپ کے برادران گرامی حضرت مولانا احمد مختار میرٹھی، حضرت مولانا نذیر احمد خجندی اور آپ کے فرزندان گرامی قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی اور حضرت مولانا محمد جیلانی صدیقی مراد ہیں۔

موضوع کی اہمیت:

ہمارے خیال میں یہ موضوع تین پہلوؤں سے اہمیت کا حامل ہے:

(الف) ہمارے ناقص مطالعے کی حد تک اب تک خانوادۂ قادریہ یا خانوادۂ علیمیہ کے مؤرخین وسوانح نگاروں نے اس گوشے پر باضابطہ کچھ نہیں لکھا ہے، اس لیے جماعتی تاریخ میں اس کو ایک نیا پہلو قرار دیا جاسکتا ہے۔

(ب) اس مضمون میں پیش کردہ مواد کا ایک حصہ یا تو بالکل نایاب ہے یا کم یاب ہے، کچھ حوالے ایسے ہیں جو کم وبیش ۷۰/۸۰ برس بعد منظر عام پر آرہے ہیں، اس لحاظ سے موجودہ نسل کے لیے یہ بالکل نئی معلومات ہے۔

(ج) بیسویں صدی کے نصف اول کی قومی وملی سیاست اور آزادی کے بعد عالمی منظر نامے پر علمائے اہل سنت کے قائدانہ کردار کے چند اہم گوشے بھی اس مضمون کے ذریعے منظر عام پر آرہے ہیں۔

مبلغ اسلام کے معاصر قادری علما:

حضرت مبلغ اسلام کے زمانۂ حیات (ولادت: ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۲ء، وفات: ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۴ء) میں یوں تو خانوادۂ قادریہ بدایوں میں کئی اکابر واصاغر علما ومشائخ موجود تھے، لیکن جن حضرات سے حضرت مبلغ اسلام کے معاصرانہ اور مخلصانہ تعلقات وروابط کا تاریخی ثبوت ملتا

www.Qadri.info

ہے، وہ یہ تین عظیم المرتبت شخصیات ہیں:

(۱) نبیرۂ سیف اللہ المسلول حضرت مولانا عبدالماجد قادری بدایونی (ولادت: ۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۷ء، وفات: ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۱ء)

(۲) عاشق الرسول حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر قادری بدایونی (ولادت: ۱۳۱۱ھ / ۱۸۸۴ء، وفات: ۱۳۷۹ھ/ ۱۹۶۰ء)

(۳) مجاہد آزادی حضرت مولانا عبدالحامد قادری بدایونی (ولادت: ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء، وفات: ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء)

مخلصانہ تعلقات وروابط کی بنیادیں:

خانوادۂ قادریہ کے ان تینوں اکابر اور خانوادۂ علیمیہ کے درمیان ایک سے زیادہ قدر مشترک ایسی تھیں جو باہم خلوص ومحبت اور قوم وملت کے لیے مشترکہ جدوجہد کی بنیاد بن سکتی تھیں مثلاً:

(الف) خانوادۂ قادریہ کے یہ تینوں اکابر اور حضرت مبلغ اسلام تقریباً ہم عمر ہیں، ان کے سالہائے ولادت میں کوئی زیادہ تفاوت نہیں ہے۔

(ب) مسلک اہل سنت، مذہب حنفیت اور مشرب قادریت یہ تینوں ایسی نسبتیں ہیں جو ان دونوں خانوادوں میں مشترک ہیں، انہیں مشترکہ نسبتوں کی وجہ سے ان حضرات کے درمیان مکمل طور پر ذہنی اور فکری ہم آہنگی تھی جو مضبوط رشتہ خلوص ومحبت کی اہم بنیاد بنی۔

(ج) خانوادۂ قادریہ کے مذکورہ تینوں اکابر گہرے علمی رسوخ کے علاوہ ملی اور سیاسی بصیرت بھی رکھتے تھے، ساتھ ہی ان کے دلوں میں ملت اسلامیہ ہند کا درد، ملت کے مستقبل کی فکر اور امت اسلامیہ کی عظمت رفتہ کی بحالی کا جذبہ بھی تھا جس کے نتیجے میں یہ حضرات قومی، ملکی اور سیاسی حالات کے سامنے محض خاموش تماشائی بننے کی بجائے آگے بڑھ کر ملت کی قومی اور سیاسی خدمت کے لیے میدان عمل میں اتر آئے۔ ادھر مبلغ اسلام اور آپ کے برادران گرامی بھی ان تمام اوصاف کے بدرجۂ اتم حامل تھے، ملت کی سیاسی زبوں حالی کا درد اور ہندی مسلمانوں کے روشن مستقبل کا خواب ان حضرات کو ذہنی وفکری طور پر اتنا قریب لے آیا کہ بیسویں صدی کے نصف اول کی جس ملی وسیاسی تحریک میں ہم مذکورہ اکابر بدایوں کو سرگرم جہاد

دیکھتے ہیں وہیں مبلغ اسلام اوران کے بردران گرامی بھی ان تحریکوں میں نمایاں کردارادا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اس ابتدائی اورتمہیدی گفتگو کے بعداب ہم ان حضرات کے تعلقات وروابط اورمختلف سیاسی وملی تحریکات میں ان کی مشترکہ جدوجہد کا تاریخی تسلسل کے ساتھ جائزہ لیں گے۔

تحریک خلافت کی متحدہ جدوجہد:

تحریک خلافت اورتحریک ترک موالات کے جواز وعدم جواز سے قطع نظر اس تاریخی حقیقت سے انکارنہیں کیا جاسکتا کہ برصغیر کی مسلم سیاست میں ان دونوں تحریکوں نے ایک اہم رول ادا کیا ہے، ان تحریکات کے اثرات نے اسلامیان ہند کو سیاسی طور پر بیدار کیا اوران کو جدوجہد آزادی کے قومی دھارے میں شامل کیا، خانوادۂ قادریہ بدایوں شریف کی سابق الذکر تینوں شخصیات نے ان تحریکوں میں نمایاں حصہ لیا اوران کو بام عروج تک پہنچایا۔ مبلغ اسلام اورآپ کے برادران گرامی مولانا احمد مختار میرٹھی (وفات: ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء) اور مولانا نذیر احمد خجندی (وفات: ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶ء) بھی امام وقت مولانا قیام الدین عبدالباری فرنگی محلی، رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہرؔ اورخانوادۂ قادریہ کے ان اکابر کے شانہ بشانہ ان دونوں تحریکوں میں شامل رہے اورقوم وملت کی عظیم الشان خدمات انجام دیں، پروفیسر مسعود احمد نقش بندی لکھتے ہیں:

> ''خدمت اسلام کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا (عبدالعلیم) میرٹھی علیہ الرحمہ نے سیاسیات میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تحریک خلافت اورترک موالات میں شریک رہے۔''(۱)

تحریک خلافت میں سرگرم حصہ لینے کے ساتھ ساتھ خانوادۂ علیمیہ کے افراد نے تحریک خلافت کے لیے سرمایے کی فراہمی کی خاطر جدوجہد بھی کی، مولانا محمود احمد رفاقتی نے لکھا ہے:

> ''آپ (مولانا شاہ احمد مختار صدیقی) نے اورآپ کے دونوں چھوٹے بھائیوں مولانا نذیر احمد خجندی اورمولانا شاہ عبدالعلیم نے ۱۹۲۱ء میں مرکزی خلافت فنڈ میں تین لاکھ کا چندہ جمع کیا۔''(۲)

www.Qadri.info

خانوادۂ قادریہ بدایوں شریف میں تحریک خلافت کے سلسلے میں نمایاں خدمات حضرت مولانا عبدالماجد قادری بدایونی کی ہیں، آپ رکن مرکزی مجلس خلافت، صدر مجلس خلافت صوبہ متحدہ، رکن وفد خلافت برائے حجاز، اور صدر خلافتی تحقیقاتی کمیشن مقرر کیے گئے، اس کے علاوہ کئی مقامات کی خلافت کانفرنس آپ کی زیر صدارت منعقد کی گئیں- خلافت کی تبلیغ کے سلسلے میں آپ نے ملک گیر دورہ کیا اور خلافت کے موضوع پر کم وبیش ۵ رکتابیں تصنیف فرمائیں- شوال ۱۳۳۹ھ/ جون ۱۹۲۱ء میں آپ نے خلافت کانفرنس کے سلسلے میں بہار، بنگال اور کرناٹک کا طویل دورہ کیا، اس دورے کی تفصیلات آپ نے اپنے سفرنامے ''المکتوب'' میں درج کی ہیں (۳) اس سفرنامے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸ر جون ۱۹۲۱ء کو بلگام (کرناٹک) میں مولانا عبدالماجد بدایونی کی زیر صدارت خلافت کانفرنس منعقد ہوئی جس میں مولانا محمد علی جوہرؔ وغیرہ کے ساتھ مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم میرٹھی نے بھی شرکت فرمائی، آپ نے نہ صرف کانفرنس میں شرکت فرمائی بلکہ مولانا عبدالماجد بدایونی کے لیے تحریک صدارت کی تائید بھی کی- مولانا عبدالماجد بدایونی لکھتے ہیں:

> ''تلاوت قرآن کے بعد مولوی قطب الدین صدر خلافت کمیٹی بلگام نے خطبہ صدارت استقبالیہ پڑھا، مولانا محمد علی صاحب نے ایک مختصر تقریر میں میری صدارت کی تحریک کی اور اپنی محبت سے جو کچھ جی میں آیا کہا، تائید مولوی عبدالعلیم میرٹھی نے کی اور کہا مولانا عبدالباری وعبدالماجد جیسے علما کی ہم کو ضرورت ہے-'' (۴)

اس کانفرنس میں مولانا محمد علی جوہرؔ نے اپنی تقریر کے بعد یہ تجویز پیش کی:

> ''ضلع بلگام کی خلافت کانفرنس کا یہ جلسہ اس امر کا اعلان کرنا نہایت ضروری سمجھتا ہے کہ مسلمانوں کو اس گورمنٹ کی فوج میں نوکر رہنا قطعاً حرام ہے اور ہر مسلمان کو اس گورمنٹ کی فوج میں داخل ہونا یا بھرتی کرانا نیز کسی اور طرح کی فوجی مدد دینا از روئے شرع شریف ناجائز ہے اور اگر یہ گورمنٹ برطانیہ حکومت اسلامیہ انگورہ کے خلاف جنگ کرے گی یا اس کے خلاف یونانیوں کو اعلانیہ وخفیہ مدد دے گی تو

www.Qadri.info

اس حالت میں ہمارا فرض ہوگا کہ کانگریس کی معیت میں قانون شکنی کا آغاز کریں اور دسمبر میں احمد آباد کانگریس کے موقع پر ہندوستان کی کامل آزادی اور اس ملک میں جمہوری حکومت کے قیام کا اعلان کردیں۔''(۵)

اس تجویز کی تائید مولانا عبدالعلیم میرٹھی نے فرمائی، مولانا عبدالماجد بدایونی لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر سیف الدین کچلو صاحب اور مولوی عبدالعلیم میرٹھی اور دو ہندو لیڈروں نے تائید کی اور عام جلسے نے عہد کیا کہ ہم ایسا ہی کریں گے۔''(۶)

اجلاس مؤتمر اسلامی کان پور:

اسی طرح خانوادۂ قادریہ اور خانوادۂ علیمیہ کے افراد مؤتمر اسلامی کے اجلاس کان پور میں بھی قوم وملت کی فکرمندی اور اس کی چارہ سازی کے لیے شانہ بشانہ اور قدم بقدم نظر آتے ہیں، مؤتمر اسلامی کا یہ اجلاس ۲۱/ ۲۲/دسمبر ۱۹۲۹ء کو کان پور میں منعقد ہوا، اس کی صدارت جناب اے-ایچ-غزنوی (ممبر مجلس قانون ساز) نے فرمائی، اس کانفرنس کے انعقاد کا اصل مقصد برطانوی حکومت کے ذریعے پاس کیے گئے ''ساردا ایکٹ'' کے خلاف احتجاج تھا، اس ایکٹ میں بہت سے ایسے قوانین تھے جو اسلام کے عائلی قوانین کے مخالف تھے۔مؤتمر اسلامی کے اس اجلاس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ مسلمانوں کو ساردا ایکٹ سے مستثنیٰ کیا جائے، اس کانفرنس کی مختصر روداد سید ذاکر علی (سکریٹری مجلس استقبالیہ مؤتمر اسلامی کانپور) نے ''مختصر روئداد اجلاس مؤتمر اسلامی'' کے نام سے مطبع مجیدی کان پور سے ۱۹۳۰ء میں شائع کی تھی، یہ روداد ہمارے پیش نظر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اجلاس میں:

''چار سو سے زائد نمائندگان نے صوبہ متحدہ آگرہ واودھ (موجودہ یوپی) کے علاوہ صوبہ ہائے برما، آسام، بنگال، بہار، مدراس، پنجاب، سرحد، بمبئی، گجرات، سندھ، وسط ہند صوبہ متوسط، راجپوتانہ شہر بمبئی، شہر کلکتہ وریاست ہائے ہند سے شرکت فرمائی۔''(۷)

اس اجلاس میں علمائے بدایوں کے علاوہ حضرت مولانا قطب الدین عبدالوالی فرنگی محلی کی معیت میں علمائے فرنگی محل، برادر مبلغ اسلام مولانا نذیر احمد خجندی صدیقی، مبلغ اسلام مولانا

عبدالعلیم میرٹھی، مولوی ابوالقاسم سیف بنارسی (غیر مقلد) مفتی کفایت اللہ دہلوی صدر جمعیت علمائے ہند (دیو بندی مکتب فکر) اور مولوی نصیرالدین نجفی لکھنؤ (شیعی مکتب فکر) وغیرہ نے شرکت کی۔(۸)

اس اجلاس میں ۶ر تجاویز پاس کی گئیں، یہاں ہم صرف ان تجاویز کا ذکر کریں گے جن کی تحریک یا تائید میں علمائے بدایوں اور خانوادۂ علیمیہ کے افراد شامل تھے۔ پہلی تجویز حسب ذیل ہے:

تجویز ۱: اس مؤتمر اسلامی کی رائے میں جو مسلمانان ہند کی پورے طور پر نمائندہ ہے سارداا یکٹ مداخلت فی الدین ہے اور مسلمانان ہند ملت اسلامیہ پر اس کے نفاذ کو ہرگز گوارا نہیں کر سکتے اور اس قانون کے متعلق حکومت کا جو رویہ رہا ہے اس کو سخت مذموم قرار دیتے ہوئے یہ مؤتمر اسلامی حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ مسلمانوں کو اس ایکٹ کی نفاذ کی تاریخ سے پہلے ہی کلیتاً مستثنیٰ کر دیا جائے۔(۹)

یہ تجویز مولانا آزاد سبحانی نے پیش کی، اس کی تائید مولانا نذیر احمد خجندی (برادر مبلغ اسلام)، مولانا قطب الدین عبدالوالی فرنگی محلی اور مولانا عبدالصمد مقتدری بدایونی وغیرہ نے فرمائی۔(۱۰)

تجویز ۲: یہ مؤتمر اسلامی اپنی منظور کردہ تجاویز کی تنفیذ اور سارداا یکٹ کے نفاذ سے مسلمانوں کو مستثنیٰ کرانے کے واسطے دیگر مناسب و ضروری تدابیر اختیار کرنے کے لیے مسلمانان ہند کی ایک نمائندہ کمیٹی حسب ذیل اشخاص کو مقرر کرتی ہے اور اس کو اختیار دیتی ہے کہ اپنے ارکان میں حسب ضرورت اضافہ کرتی رہے اور امید کرتی ہے کہ یہ کمیٹی مختلف صوبوں، اضلاع و دیگر مقامات میں اپنے ماتحت جلد از جلد امدادی کمیٹیاں قائم کرائے گی اور ہر جگہ مسلم رضا کاروں کی ایک ایسی منظم جماعت قائم کرائے گی جو مذکورہ بالا تجاویز و تدابیر پر خود بھی عامل ہو اور تمام مسلمانان ہند کو ان پر عمل کرانے کے لیے آمادہ کرے نیز یہ مؤتمر اس کمیٹی کو یہ اختیار دیتی ہے کہ ان تمام کاموں کے لیے مسلمانان ہند سے مالی اعانت کی استدعا کرے اور حسب ضرورت جمع کردہ سرمائے کو صرف کرے، مؤتمر ہٰذا جمعیت علما و نیز ان تمام کمیٹیوں کو جو مختلف مقامات پر اس ایکٹ کی مخالفت کے لیے قائم کی گئی

www.Qadri.info

ہیں دعوت دیتی ہے کہ وہ اس وسیع نظام ملی کے ساتھ اشتراک عمل کریں۔(۱۱)

اس تجویز کے محرک مولانا محمد علی جوہر تھے اور تائید مولانا عبدالعلیم صدیقی، مولانا شاہ محمد فاخرالہ آبادی اور مولانا عبدالصمد مقتدری بدایونی وغیرہ نے فرمائی۔(۱۲)

تجویز ۵: یہ اسلامی مؤتمر تجویز کرتی ہے کہ اگر تاریخ نفاذ سارداا یکٹ تک اس کے نفاذ سے مسلمانوں کو مستثنیٰ نہ کیا جائے تو مسلمانوں کو چاہیے کہ حکومت کے مقابلہ میں قانون شکنی کے ان قابل عمل ومؤثر طریقوں پر کاربند ہوں جو کانفرنس کی مقرر کردہ کمیٹی بتقاضائے حالات تجویز کرے۔(۱۳)

اس تجویز کی تحریک مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی نے فرمائی اور تائید مولانا حسرت موہانی نے کی۔(۱۴)

اس مؤتمر میں تجویز نمبر ۲ کے تحت جس کمیٹی کی تشکیل کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے اس کے ممکنہ ارکان کے لیے ۸۸ رعلما کے ناموں پر شرکائے مؤتمر کا اتفاق ہوا، ان میں چند نام یہ ہیں:

مولانا محمد علی جوہر (کنوینر کمیٹی) مولانا قطب الدین عبدالوالی فرنگی محلی، مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا عبدالقدیر بدایونی، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا عبدالصمد مقتدری بدایونی، مولانا نعیم الدین مرادآبادی، مولانا حامد رضا خاں بریلوی، مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی، مولانا نذیر احمد خجندی (بردار مبلغ اسلام) حضرت سید پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری، مولانا ظفرالدین بہاری، سید شاہ فاخرالہ آبادی، حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی وغیرہ۔(۱۵)

مولانا عبدالحامد بدایونی اور مبلغ اسلام:

مولانا عبدالحامد قادری بدایونی خانوادۂ قادریہ بدایوں کے وہ عظیم فرزند ہیں جن کی قومی وملی خدمات کا دائرہ ہندو پاک سے لے کر ممالک عربیہ، یورپ اور روس وچین تک وسیع ہے، آپ مولانا حکیم عبدالقیوم قادری بدایونی (ابن حکیم مرید جیلانی ابن مولانا محی الدین قادری ابن مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی) کے چھوٹے صاحبزادے ہیں، مدرسہ قادریہ بدایوں، مدرسہ شمس العلوم بدایوں اور مدرسہ الٰہیہ کانپور میں تحصیل علم کی، اساتذہ میں مولانا عبدالقدیر بدایونی، علامہ محب احمد بدایونی (تلمیذ تاج الفحول) مولانا حافظ بخش قادری آنولوی (تلمیذ تاج

الفحول)اور مولانا مشتاق احمد کانپوری وغیرہ قابل ذکر ہیں-حضرت مولانا شاہ مطیع الرسول محمد عبدالمقتدر قادری بدایونی سے شرف بیعت حاصل کیا اور حضرت مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی نے اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا-تحریک خلافت وترک موالات کے زمانے میں اپنے بڑے بھائی مولانا عبدالماجد بدایونی کی نگرانی اور تربیت میں رہ کران تحریکات میں حصہ لیا، شدھی تحریک کے زمانے میں اسلام کے ایک داعی اور مبلغ کی حیثیت سے نمایاں خدمات انجام دیں، بعد میں مسلم لیگ سے وابستہ ہوئے اور قیام پاکستان کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، تقسیم ہند کے بعد پاکستان ہجرت کی اور جمعیت علمائے پاکستان کے صدر منتخب ہوئے،تحریک ختم نبوت میں ایک مردمجاہد کی طرح حصہ لیا جس کی پاداش میں قید وبند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں،تحریک پاکستان میں مولانا عبدالحامد بدایونی کی خدمات کے اعتراف میں ۱۹۹۹ء میں حکومت پاکستان نے ان کے نام کا ڈاک ٹکٹ جاری کر کے ان کی خدمت میں خراج عقیدت پیش کیا-(۱۶)

مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم صدیقی اور آپ کے صاحبزادے قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی کے ساتھ آپ کے نہایت گہرے مراسم تھے،مختلف قومی وملی تحریکات میں یہ حضرات ایک ساتھ نظر آتے ہیں، بالخصوص قیام پاکستان کی تحریک میں ان دونوں حضرات نے نہایت اہم کردار ادا کیا ہے،ان دونوں حضرات کے درمیان کیسا رشتہ خلوص ومحبت تھا اس کا اندازہ نواب مشتاق احمد خاں کے ایک بیان سے ہوتا ہے-

نواب مشتاق احمد خاں،مولانا بدایونی اور مبلغ اسلام:

معروف سفارت کار اور ادیب نواب مشتاق احمد خاں اور حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی کے درمیان گہرے دوستانہ مراسم تھے،نواب صاحب سے مبلغ اسلام کی پہلی ملاقات حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی ہی کے توسط سے ممکن ہوئی،نواب صاحب مبلغ اسلام سے اپنی پہلی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ۱۹۴۸ء کا مئی یا جون کا مہینہ تھا،حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی مرحوم کے ہمراہ ایک بزرگ میرے ہاں تشریف لائے،تعارف ہوا تو پتہ چلا کہ وہ حضرت شاہ

عبدالعلیم صدیقی مشہور مبلغ اسلام ہیں، جنہوں نے نہ صرف ایشیا اور افریقہ بلکہ یورپ کے بیشتر ملکوں میں پرچم اسلام لہرانے کی سعادت حاصل کی ہے، حتیٰ کہ خود پاکستان میں مسلمانوں کو حقیقی معنوں میں مسلمان بنانے کے کام میں بھی قابل قدر پیش رفت کی ہے۔

مولانا عبدالحامد بدایونی سے میرے گہرے دوستانہ مراسم تھے اور انہوں نے پاکستان میں میرے سفارتی مشن سے بڑی دلچسپی کا اظہار کیا تھا، دوران گفتگو حیدرآباد کا ذکر چل نکلا تو مولانا عبدالحامد صاحب نے فرمایا کہ شاہ عبدالعلیم صدیقی صاحب مظلوم قوموں کی حمایت میں ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں، چنانچہ کشمیر اور فلسطین کے مسائل میں انہوں نے بڑا مفید کام کیا ہے، اس لیے انہیں یقین ہے کہ مملکت حیدرآباد (جو اس وقت خطرات میں گھری ہوئی ہے) کے موقف کو عالمی برادری کے سامنے پیش کرنے میں بھی شاہ صاحب کا تعاون حاصل ہوگا۔(۱۷)

اس سے نہ صرف حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی اور مبلغ اسلام کے باہم رشتہ خلوص ومحبت کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ مولانا عبدالحامد بدایونی مبلغ اسلام کی صلاحیتوں سے کس حد تک واقف تھے، حیدرآباد کے معاملے کو عالمی سطح پر متعارف کروانے کے لیے ان کی نگاہ انتخاب مبلغ اسلام پر ہی پڑی۔

آل انڈیا سنی کانفرنس:

صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی کی کوششوں سے اپریل ۱۹۴۶ء میں بنارس کی سرزمین پر ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کا انعقاد کیا گیا، جس میں بڑی تعداد میں علماومشائخ اہل سنت نے شرکت فرمائی، یہ کانفرنس امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری کی صدارت میں منعقد ہوئی جب کہ محدث اعظم حضرت سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی صدر مجلس استقبالیہ تھے، آپ نے صدر مجلس استقبالیہ کی حیثیت سے خطبہ صدارت استقبالیہ پیش فرمایا جو بعد میں کانفرنس کی مختصر روداد کے ساتھ شائع کیا گیا، اس روداد سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کانفرنس میں ''دو ہزار علماومشائخ اور ساٹھ ہزار سے زیادہ عوام نے شرکت کی۔''(۱۸)

یہ کانفرنس کئی نشستوں پر مشتمل تھی، تیسری نشست ۲۹/اپریل ۱۹۴۶ء کو بوقت ۹/ بجے شروع ہوئی جس میں چند تجاویز منظور کی گئیں جن میں پہلی تجویز مندرجہ ذیل ہے:

''آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبہ پاکستان کی پُرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علما و مشائخ اہل سنت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار رہیں اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن کریم اور حدیث نبویہ کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو۔'' (۱۹)

اس کانفرنس میں ایک ذیلی کمیٹی تشکیل دی گئی جس کو یہ ذمہ داری دی گئی کہ وہ مجوزہ اسلامی حکومت (پاکستان) کے لیے لائحہ عمل مرتب کرے، یہ کمیٹی ۱۳/ارکان پر مشتمل تھی، خانوادۂ قادریہ کی نمائندگی کرتے ہوئے اس میں مولانا عبدالحامد بدایونی کو شامل کیا گیا، آپ کے ساتھ مبلغ اسلام بھی اس کمیٹی کے اہم رکن تھے، تجویز نمبر ۲/ اور مجوزہ کمیٹی حسب ذیل ہے:

تجویز ۲: یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ اسلامی حکومت کے لیے مکمل لائحہ عمل مرتب کرنے کے لیے حسب ذیل حضرات کی ایک کمیٹی بنائی جاتی ہے:

۱- حضرت مولانا شاہ سید ابوالمحامد سید محمد صاحب محدث ہند
۲- صدرالافاضل استاذ العلما مولانا مولوی محمد نعیم الدین
۳- حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مولوی شاہ مصطفی رضا خاں
۴- حضرت صدرالشریعہ مولانا مولوی محمد امجد علی صاحب
۵- حضرت مبلغ اعظم مولانا مولوی عبدالعلیم صدیقی میرٹھی
۶- حضرت مولانا مولوی عبدالحامد صاحب قادری بدایونی
۷- حضرت مولانا مولوی سید شاہ دیوان آل رسول خاں صاحب سجادہ نشین اجمیر شریف
۸- حضرت مولانا ابوالبرکات سید احمد صاحب لاہور
۹- حضرت مولانا شاہ قمرالدین سجادہ نشین سیال شریف
۱۰- حضرت پیر سید عبدالرحمن صاحب بھرچونڈی (سندھ)

۱۱-حضرت مولانا شاہ سید زین الحسنات صاحب مانکی شریف

۱۲-خان بہادر حاجی بخشی مصطفی علی صاحب (مدراس)

۱۳-حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد صاحب لاہور (۲۰)

مبلغ اسلام مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی کی تجویز پر آل انڈیا سنی کانفرنس کے لیے مندرجہ ذیل عہدے داران کا انتخاب کیا گیا:

حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھ شریف (صدر) صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی (ناظم اعلیٰ) حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی (ناظم نشرواشاعت)-(۲۱)

یہ بھی ان دونوں حضرات کے درمیان مضبوط رشتہ اخلاص اور ایک دوسرے کی صلاحیتوں پر اعتماد کی دلیل ہے کہ مبلغ اسلام نے آل انڈیا سنی کانفرنس کے ناظم نشرواشاعت کے عہدے کے لیے مولانا عبدالحامد بدایونی کا نام پیش فرمایا-

دارالمبلغین بدایوں شریف:

بنارس کی سابق الذکر سنی کانفرنس میں ایک تجویز بھی منظور کی گئی تھی کہ زمانے کے حالات اور تقاضوں کے پیش نظر اہل سنت کا ایک ''دارالمبلغین'' قائم کیا جائے، جس میں مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ اور انگریزی تعلیم یافتہ طلبہ کو دعوت وتبلیغ کے لیے خصوصی تربیت دی جائے، اس اہم کام کے لیے ایک ذیلی کمیٹی تشکیل دی گئی جس کا کنوینر حضرت مولانا عبدالحامد قادری بدایونی کو مقرر کیا گیا، اس میں مبلغ اسلام مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی بھی ایک رکن کی حیثیت سے شامل کیے گئے، اس مجوزہ دارالمبلغین کا قیام بدایوں میں ہونا تھا، مولانا عبدالحامد بدایونی کو یہ ذمہ داری بھی دی گئی کہ وہ اس کا ایک عبوری خاکہ مرتب کریں اور اس کے اخراجات وغیرہ کا تخمینہ لگا کر مکمل رپورٹ آئندہ آل انڈیا سنی کانفرنس اجمیر شریف میں پیش کریں-

مولانا عبدالحامد بدایونی نے اس مجوزہ دارالمبلغین کا عبوری خاکہ مرتب کر کے اجمیر شریف کی سنی کانفرنس میں پیش کیا، یہ کانفرنس جون ۱۹۴۶ء میں منعقد ہوئی، اس کے دوتین ماہ بعد مولانا بدایونی اور مبلغ اسلام، حجاز (سعودی عربیہ) ایک مخصوص مشن پر روانہ ہوگئے، وہاں سے واپسی کے بعد جدوجہد پاکستان کی مصروفیات رہیں، اور چند ماہ بعد اگست ۱۹۴۷ء میں

www.Qadri.info

ملک کی تقسیم عمل میں آ گئی، اس لیے دارالمبلغین کا خاکہ صرف کاغذ کی زینت ہی بنا رہ گیا، اس کو عملی جامہ پہنانے کی نوبت نہیں آئی-

مولانا عبدالحامد بدایونی نے اس مجوزہ ''دارالمبلغین'' کا جو عبوری خاکہ مرتب فرمایا تھا اس کی ایک نقل خود مولانا بدایونی کے قلم کی لکھی ہوئی کتب خانہ قادری بدایوں شریف میں محفوظ ہے، یہ خاکہ باریک قلم سے لکھے ہوئے فُل اسکیپ کے چار صفحات پر مشتمل ہے، آخر میں مولانا بدایونی کے دستخط بھی ہیں، مولانا عبدالحامد بدایونی اس کی تمہید میں لکھتے ہیں:

''عرصے سے اس اہم ضرورت کا احساس کیا جاتا ہے کہ طبقہ اہل سنت کا ایک ایسا مرکزی دارالمبلغین قائم کیا جائے جس کے اندر فارغ التحصیل عربی طلبہ، انگریزی خواں اور دوسرے طلبہ کو معینہ نصاب کے ماتحت تعلیم دی جائے اور یہ مبلغین جاہل وغافل مسلمانوں کو دیہات وقصبات میں جا کر احکام دین سے باخبر کریں اور اصلاح معاشرت واخلاق کی مؤثر کوششیں کریں، چھوٹے چھوٹے مدارس ومکاتب قائم کریں، اسی طرح شہروں میں مستحکم طور پر تبلیغ کا انتظام کیا جائے- دارالمبلغین ایسے معیاری مبلغ تیار کرنا چاہتا ہے جو ایک طرف دیہات میں کامیاب تبلیغ کر سکیں اور دوسری طرف مغربی الحاد ودہریت کا استیصال کر کے مغربی طبقات میں جا کر کام کر سکیں، نئے نئے مسائل وتحریکات کے بالمقابل تعلیمات اسلامی کی جامعیت اور برتری ثابت کریں، اسی طرح سیاسی تحریکات سے ہمارے مبلغین کو کافی طور پر باخبر رکھا جائے تاکہ وہ اس شعبے میں بھی مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کر سکیں- اگر تبلیغی تحریک میں مختلف مذاہب اور فرق باطلہ سے مناظرہ ومکالمہ کا موقع پیش آ جائے تو ہمارے مبلغین اس سے پیچھے نہ رہیں - ظاہر ہے کہ ایسے قابل اور معیاری مبلغین کی تیاری کے لیے ایک بڑے سرمایے کی ضرورت ہوگی، طلبہ کو وظائف دیے جائیں گے، اساتذہ کو معقول مشاہرہ دینا ہوگا، ایک لائبریری رکھنا پڑے گی جس میں مبلغین واساتذہ کی ضروریات کی مفید اور اہم کتابیں موجود ہوں، اس عظیم الشان مقصد کے لیے آل انڈیا سنی کانفرنس

بنارس نے دارالمبلغین کے قیام کی تجویز منظور کی اور بدایوں مرکز قرار پایا، جس کی نگرانی اور تنظیم کے لیے حسب ذیل افراد کی کمیٹی بنائی گئی (جس میں اضافے کا حق دیا گیا ہے) ۱- حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی مبلغ جاپان، ۲- حضرت مولانا شاہ سید محمد صاحب محدث کچھوچھہ شریف، ۳- حضرت مولانا صبغۃ اللہ صاحب شہید فرنگی محل لکھنؤ، ۴- مولانا ابراہیم علی صاحب چشتی لاہور، ۵- پروفیسر مولوی سلیم چشتی صاحب، ۶- عبدالحامد قادری کنوینر بدایوں-'' (۲۲)

اجمیر شریف کی سنی کانفرنس:

بنارس میں کامیاب سنی کانفرنس کے تقریباً دو ماہ بعد اجمیر شریف کے سالانہ عرس کے موقع پر آل انڈیا سنی کانفرنس کا ایک اور عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا، یہ اجلاس رجب ۱۳۶۵ھ/جون ۱۹۴۶ء میں شاہجہانی مسجد درگاہ غریب نواز میں منعقد ہوا، اس میں بڑی تعداد میں علما و مشائخ اور عوام نے شرکت کی، حضرت محدث اعظم نے خطبہ صدارت پیش فرمایا جو بعد میں ''الخطبة الاشرفية للجمهورية الاسلامية'' کے نام سے اہل سنت برقی پریس، مرادآباد سے اواخر ۱۹۴۶ء میں شائع ہوا، یہ خطبہ صدارت راقم کی دسترس میں نہیں آسکا، ورنہ اس کانفرنس کی مزید تفصیلات سامنے آتیں، اس کانفرنس کے ایک اجلاس کی صدارت حضرت دیوان سید آل رسول علی خاں اجمیری (متوفی: ۱۹۷۳ء) نے بھی فرمائی، اس میں مبلغ اسلام اور حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی دونوں حضرات نے شرکت کی اور خطاب بھی فرمایا، اس کانفرنس کے بارے میں محمد صادق قصوری لکھتے ہیں:

> ''حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے سالانہ عرس مبارک کے موقع پر اجمیر میں ''سنی کانفرنس'' منعقد کی، یہ کانفرنس آپ (دیوان صاحب) کی زیر صدارت مسجد شاہجہانی واقع درگاہ معلیٰ اجمیر شریف میں دو دن جاری رہی، اس میں ہزاروں علما و مشائخ اور ایک لاکھ سے زائد عوام نے شرکت کی، اس تاریخی کانفرنس سے خطاب کرنے والوں میں سے چند اسمائے گرامی یہ ہیں:
>
> ۱- حضرت صدرالافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی

۲-مبلغ اسلام حضرت شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی
۳-ابوالمحامد حضرت سید محمد اشرفی محدث کچھوچھوی
۴-فخر اہل سنت حضرت مولانا محمد عبدالحامد بدایونی

سنی کانفرنس کا موضوع بنارس سنی کانفرنس کی منظور کردہ تجاویز پر اعتماد، پاکستان کا حصول، مہا سبھائی تحریک کے مظالم کے خلاف احتجاج اور نفرت، اعراس مقدسہ کے لیے اصلاحی پروگرام وغیرہ امور تھے-''(۲۳)

محمد صادق قصوری صاحب نے منظور کردہ تجاویز کے ذیل میں اعراس مقدسہ کے لیے جس اصلاحی پروگرام کا ذکر کیا ہے یہ دراصل ''اولیائے کرام کے اعراس کا نظام نامہ'' کے عنوان سے ایک ۱۵/نکاتی قرارداد تھی جو علما و مشائخ کے اتفاق سے کانفرنس میں پاس ہوئی، اس قرارداد کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ قادریہ بدایوں میں محفوظ ہے، جو مولانا عبدالحامد بدایونی کے قلم کا ہے، ممکن ہے کہ بعد میں اس کی اشاعت بھی کی گئی ہو، یہ قرارداد آج ساٹھ ستر سال بعد بھی اپنے اندر بڑی اہمیت رکھتی ہے، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے اسلاف ابتدا ہی سے اعراس میں ہونے والی بے اعتدالیوں اور خلاف شرع امور کے سخت مخالف تھے اور ان بدعات و خرافات سے بزرگوں کی بارگاہوں اور ان کے اعراس کو پاک وصاف کرنے کے لیے کوشاں بھی تھے-

یہ قرارداد اگر اس وقت شائع ہوگئی ہو تو ممکن ہے کہ بعض پرانے ذخائر میں موجود ہو اور اگر شائع نہیں ہوئی تھی تو آج جماعتی تاریخ کے طلبہ اور شائقین کے لیے یہ بالکل نئی چیز ہوگی، اس کی اسی اہمیت کے پیش نظر ہم طوالت کے باوجود اس کو یہاں پورا نقل کر رہے ہیں تا کہ محفوظ ہو جائے-

''اولیائے کرام کے عرسوں کا نظام نامہ

جو سنی کانفرنس کے خصوصی اجلاس منعقدہ اجمیر شریف میں پیش ہو کر منظور ہوا-

دربار حضرت سیدنا خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ میں بموقع عرس شریف ۶/۷/ جون ۱۹۴۶ء آل انڈیا سنی کانفرنس کا اجلاس خصوصی زیر صدارت حضرت دیوان سید آل رسول صاحب سجادہ نشین مدظلہ العالی منعقد ہوا، اولیائے کرام کے آستانوں کی اصلاح کے لیے حسب ذیل ابتدائی نظام نامہ پیش ہو کر منظور ہوا-

(۱) خانقاہوں اور درگاہوں میں امور غیر شرعی رسماً و عملاً ممنوع قرار دیے جائیں۔

(۲) طوائفوں کو بے پردہ اور نامحرموں کے ساتھ داخل ہونے اور گانے بجانے سے روکا جائے۔

(۳) مستورات کے لیے مخصوص اوقات مقرر کیے جائیں جن میں وہ زیارت کریں، ان اوقات میں مردوں کو اجازت داخلہ نہ ہو، مردوں کے ساتھ عورتیں مختلط نہ ہوں۔

(۴) قوالی وغیرہ اذان کی پہلی تکبیر کے وقت بند کردی جائے اور جب تک نماز باجماعت سے پوری طرح فراغت نہ ہوجائے مجالس موقوف رہیں۔

(۵) کوشش کی جائے کہ عرس میں آنے والے نمازوں کی پابندی کریں۔

(٦) خانقاہوں کی طرف سے زائرین کے لیے مصلوں اور وضو کے پانی کا معقول انتظام کیا جائے۔

(۷) ہر عرس میں مجالس کے علاوہ حلقۂ ذکر کا اہتمام ہو۔

(۸) عرسوں میں حضرات اولیائے کرام کی سوانح حیات، مجاہدانہ حالات، تبلیغی کارناموں، شوق عبادت، خدا پرستی جیسے اہم عنوانات پر تقریروں کا انتظام کیا جائے۔

(۹) ہر آستانے پر تبلیغ واشاعت کا نظم کیا جائے، تاکہ خانقاہیں تبلیغ کا مرکز بن سکیں، خلفا و مریدین میں تبلیغ واشاعت کا جذبہ پیدا کیا جائے۔

(۱۰) ہر آستانے پر عقائد حقہ اہل سنت کا زائرین کو سبق دیا جائے اور صرف ایسے ہی مقررین کو اجازت تقریر دی جائے جو بزرگان دین کے ساتھ عقیدت رکھتے ہوں۔

(۱۱) اور جو مقررین عرس و فاتحہ، نذر و نیاز، میلاد مقدسہ، قیام وغیرہ کو ناجائز سمجھتے ہیں انہیں تقریر کی اجازت نہ دی جائے۔

(۱۲) عرسوں کے انتظامی اور غیر انتظامی امور اور خانقاہی معاملات میں کسی ایسے عنصر

کو داخل نہ کیا جائے جو مشائخین کرام اور صوفیائے عظام کا عملاً یا اعتقاداً مخالف ہو۔

(۱۳) حضرات سجادہ نشینان اپنی وضع واطوار کو متقدمین کے مبارک طریقوں کے مطابق بنائیں۔

(۱۴) ختم کلام پاک، میلاد نبویہ کا زیادہ سے زیادہ رواج دیا جائے تاکہ ہر آنے والا خدا کی خشیت اور حضور ختمی مرتبت ارواحنا لہ الفدا کی عظمت ومحبت وتوقیر کا نقش اپنے دل میں قائم کرے، اور سیرت نبویہ وحالات صحابہ واولیائے کرام سے باخبر ہو اور واپس جا کر اپنے اپنے حلقے میں مبلغ بن سکے۔

(۱۵) حضرات مشائخین وسجادگان مذکورہ بالا امور کی تکمیل کے لیے اپنے مشورے ونگرانی میں ایک مؤثر کمیٹی قائم کریں۔

فقیر محمد عبدالحامد بدایونی

ناظم نشر واشاعت آل انڈیا سنی کانفرنس''

کراچی سنی کانفرنس:

اجمیر شریف کی اس سنی کانفرنس کے بعد کراچی میں ایک عظیم سنی کانفرنس منعقد کی گئی جس میں یہ دونوں حضرات (مبلغ اسلام مولانا شاہ عبدالعلیم میرٹھی، مجاہد تحریک پاکستان مولانا عبدالحامد بدایونی) شریک ہوئے اور خطاب فرمایا، یہ سنی کانفرنس ۱۲/اکتوبر ۱۹۴۶ء کو ''بزم صوفیہ سندھ'' کے زیر اہتمام عیدگاہ، بندر روڈ، کراچی میں منعقد ہوئی، محمد صادق قصوری لکھتے ہیں:

''اس بزم (بزم صوفیہ سندھ) کے زیر اہتمام ۱۲/اکتوبر ۱۹۴۶ء کو عیدگاہ بندر روڈ کراچی میں ایک عظیم الشان ''سنی کانفرنس'' منعقد ہوئی، جس میں مبلغ اسلام مولانا شاہ عبدالعلیم میرٹھی، مجاہد تحریک پاکستان مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا ناصر جلالی دہلوی ودیگر مقتدر علمائے اہل سنت نے شرکت کی۔''(۲۴)

بنارس، اجمیر شریف اور کراچی کی ان سنی کانفرنسوں کی روداد دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آل انڈیا سنی کانفرنس کی ملک گیر کامیابی اور مقبولیت میں حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی اور مبلغ اسلام کی کوششوں کا ایک بڑا حصہ ہے۔

۱۹۴۶ء کا وفد حجاز:

۱۹۴۶ء کے نصف آخر تک مطالبۂ پاکستان پوری توانائی اختیار کر چکا تھا، اسی درمیان ۱۳۶۵ھ کے حج کا زمانہ آ گیا، آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عمل نے طے کیا کہ یہ ایک اچھا موقع ہے کہ مطالبہ پاکستان کو عالم اسلام کے سامنے پرزور انداز میں پیش کیا جائے اور پاکستان کے حق میں عالمی رائے عامہ ہموار کی جائے، اس اہم کام کی ذمہ داری حضرت مولانا عبدالحامد قادری بدایونی اور مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم صدیقی کے سپرد کی گئی، مجلس عمل نے ایک وفد تشکیل دیا جس کے کنوینر مولانا بدایونی تھے اور مبلغ اسلام اس کے ایک اہم رکن کی حیثیت سے وفد میں شامل تھے، سید نور محمد قادری لکھتے ہیں:

> ''مولانا (عبدالحامد) بدایونی اور ان کے رفقا کا ایک عظیم کارنامہ ۱۹۴۶ء میں حج کے موقع پر جا کر اسلامی ممالک کے مشاہیر کے سامنے تحریک پاکستان کو متعارف کروانا تھا، اس وفد کے کنوینر مولانا بدایونی تھے اور ممبران میں مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی اور ابوالطیب حیدر شامل تھے، اس وفد کو آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عمل نے ترتیب دیا تھا، اس وفد نے مکہ شریف اور مدینہ شریف میں مسلمان ممالک سے آئے ہوئے مشاہیر سے نجی ملاقاتوں کے علاوہ حجاج کرام کے عام جلسوں سے بھی خطاب کیا، امیر حجاز ابن سعود سے تفصیلی ملاقات کی، مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے جملہ مسائل وامور کی وضاحت کی۔ واپسی کے بعد مولانا بدایونی نے اس وفد کی مصروفیات اور کارکردگی کے متعلق ایک مفصل رپورٹ بنام ''وفد حجاز کی رپورٹ'' مرتب کی جسے مسلم لیگ کی مجلس عمل نے دہلی سے شائع کیا۔'' (۲۵)

سید نور محمد قادری نے ''وفد حجاز کی رپورٹ'' (۲۶) کے حوالے سے جو معلومات درج کی ہیں ان کے مطابق ۲۶/اکتوبر ۱۹۴۶ء (۱/ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ) کو یہ وفد مکہ مکرمہ پہنچا، ۲۸/اکتوبر کو مولانا عبدالحامد بدایونی اور مبلغ اسلام نے شاہ ابن سعود سے ملاقات کی، اس ملاقات کا احوال لکھتے ہوئے مولانا عبدالحامد بدایونی رقم طراز ہیں:

> ''۹/بجے اراکین وفد قصر جلالۃ الملک پہنچ گئے، چند منٹ کے بعد ہی قصر کے بالائی

حصے پر بلایا گیا اور شاہی دربار میں جو مغربی تہذیب کا مرقع تھا جلالۃ الملک نے ہم سے ملاقات فرمائی، سلام ومصافحہ کے بعد اپنے قریب ہی بٹھایا اور بیٹھتے ہی مسلمانان ہند کے سیاسی مسائل وحالات پر استفسارات شروع فرما دیے، تفصیل کے ساتھ پوری طرح مسلمانان ہند کے سیاسی مسائل ہم نے عرض کر دیے، مسئلۂ پاکستان کے تمام موضوعات پیش کر دیے، کانگریس اور حکومت کا طرز عمل، فسادات اور ہنگاموں کی تفصیلات بیان کر دیں، جلالۃ الملک کوائف سن کر بے حد متأثر ہوئے اور فرمایا کہ میں وفد کو مبارک باد دیتا ہوں کہ اس نے حجاز مقدس آ کر مجھے ان تمام حالات سے باخبر کیا میری دلی دعائیں مسلمانان ہند کے ساتھ ہیں۔'' (۲۷)

حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی اور مبلغ اسلام کے اس وفد نے شاہ ابن سعود کے علاوہ عالم اسلام کے جن علما وعمائدین سے ملاقاتیں کیں ان میں بعض یہ ہیں:

(۱) شیخ حسن البنا قائد الاخوان المسلمون (مصر)

(۲) شیخ نجیب سراج (حلب، شام)

(۳) شیخ محمد امین الاتاسی (حمص، شام)

(۴) شیخ درویش العجلانی (شام)

(۵) شیخ ابراہیم ناطور (سوڈان)

(۶) شیخ محمد جندلی (حمص، شام)

(۷) شیخ عارف عثمان (دمشق، شام)

(۸) شیخ بکر کرامہ (مصر)

(۹) شیخ زکی زعبول (بیروت)

(۱۰) شیخ توفیق آفندی (سوڈان)

(۱۱) شیخ حسن آفندی (مصر)

(۱۲) شیخ اسماعیل آفندی (عراق)

(۱۳) شیخ استاذ ابراہیم زغلول (مصر)

(۱۴) شیخ عبدالباسط محمد علی (حلوان، مصر) (۲۸)

قیام پاکستان اور ہجرت:

ایک طویل جدوجہد کے بعد بالآخر ملک تقسیم ہوا اور ایک نئی مملکت ''پاکستان'' وجود میں آئی، مولانا عبدالحامد بدایونی اور مبلغ اسلام دونوں ہی حضرات نے مشترکہ طور پر قیام پاکستان کی تحریک میں اہم کردار ادا کیا تھا، اس لیے اب اس نوزائیدہ مملکت کو اسلامی قوانین کے مطابق چلانا اور اس کو ایک خالص اسلامی حکومت بنانا بھی ان علما کی اہم ذمہ داری تھی اور دراصل پاکستان کے لیے ان حضرات کی کوششیں اور جدوجہد اسی خاطر تھیں کہ ان حضرات نے پاکستان کی صورت میں ایک ایسی آزاد مملکت کا خواب دیکھا تھا جس کی بنیادیں کتاب وسنت کے اصولوں پر قائم ہوں، چنانچہ قیام پاکستان کے بعد بہت سے مقتدر علما ومشائخ کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی اور حضرت مبلغ اسلام نے اپنے وطن، عزیز واقارب اور اپنی جائیداد کی پرواہ کیے بغیر محض اسلامی حکومت کی خاطر پاکستان ہجرت کی تاکہ وہاں جا کر مملکت اسلامیہ کی جدوجہد کو مزید توانائی بخشی جائے۔

پاکستان کا اسلامی دستور:

قیام پاکستان کے فوراً بعد ۱۹۴۸ء میں مبلغ اسلام اور حضرت مولانا بدایونی نے قیام پاکستان کے اصل مقصد ''اسلامی حکومت کے قیام'' کے لیے اپنی کوششیں شروع کر دیں، چنانچہ مبلغ اسلام کی قیادت میں کراچی میں علما ومشائخ کی ایک کانفرنس منعقد کی گئی جس میں پاکستان کے لیے آئین اسلامی کا ایک جامع خاکہ تیار کیا گیا، اس پر علما ومشائخ کے اتفاق کے بعد مبلغ اسلام کی قیادت میں علما کے ایک وفد نے بانیِ پاکستان مسٹر محمد علی جناح سے ملاقات کر کے آئین کا وہ مسودہ ان کے سامنے پیش کیا اور مطالبہ کیا کہ جلد از جلد اس کو اسمبلی میں منظوری کے لیے پیش کیا جائے، خلیل احمد رانا لکھتے ہیں:

> ''کراچی میں پورے پاکستان کے علما ومشائخ کی ایک عظیم کانفرنس منعقد ہوئی، مبلغ اسلام شاہ عبدالعلیم میرٹھی کی نگرانی میں علامہ عبدالحامد بدایونی، علامہ ابوالحسنات قادری، مفتی صاحب داد خان، علامہ سید احمد سعید کاظمی، خواجہ قمرالدین سیالوی

www.Qadri.info

رحمہ اللہ اور بہت سے علما و مشائخ نے ایک جامع دستور آئین اسلامی کا مسودہ تیار کیا، اس پر علما نے تائیدی نوٹ لکھے، مبلغ اسلام شاہ عبدالعلیم صدیقی، مجاہد ملت مولانا عبدالحامد بدایونی، مخدوم ناصر جلالی پر مشتمل علما و مشائخ کے وفد نے حضرت قائد اعظم علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ مسودۂ آئین اسلامی پیش کیا۔'' (۲۹)

گویا قیام پاکستان کے سلسلے میں مبلغ اسلام اور حضرت مولانا بدایونی نے مشترکہ جدوجہد کی اور قیام پاکستان کے بعد بھی یہ رشتۂ اخوت و تعاون منقطع نہیں ہوا بلکہ اب اس مشترکہ جدوجہد کا رخ پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام اور اس مملکت خداداد میں اسلامی دستور کے نفاذ کی طرف ہو گیا۔

جمعیت علمائے پاکستان:

قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء میں جمعیت علمائے ہند کی طرز پر علمائے اہل سنت نے ''جمعیت علمائے پاکستان'' کی بنیاد ڈالی، مبلغ اسلام اور حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی اس کے بانیان سے میں تھے، حضرت مولانا ابوالحسنات قادری کو جمعیت کا مرکزی صدر اور علامہ سید احمد سعید کاظمی کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا، جب کہ مولانا عبدالحامد بدایونی کو کراچی زون اور سندھ کا صدر نامزد کیا گیا، بعد میں کسی وقت مولانا عبدالحامد بدایونی کو جمعیت علمائے پاکستان کا مرکزی صدر منتخب کیا گیا، اس عہدۂ جلیلہ پر آپ اپنی وفات (۱۹۷۰ء) تک فائز رہے۔ (۳۰) آپ کے بعد کچھ عرصے تک شیخ الاسلام حضرت خواجہ قمرالدین سیالوی جمعیت کے صدر رہے، اس کے بعد قائد اہل سنت حضرت شاہ احمد نورانی جمعیت علمائے پاکستان کے صدر منتخب ہوئے، آپ بھی تاحیات اس عہدے کو زینت بخشتے رہے۔

۲۵/ ۲۶/ اگست ۱۹۵۱ء کو آرام باغ کراچی میں جمعیت علمائے پاکستان کا ایک اہم اجلاس منعقد کیا گیا، جس میں مبلغ اسلام نے شرکت کی، ''ملت کے مسائل اور علما و مشائخ کی ذمہ داری'' کے عنوان سے آپ نے ایک اہم علمی خطبہ ارشاد فرمایا۔ (۳۱)

اس اجلاس میں مولانا عبدالحامد بدایونی کی شرکت کی صراحت تو کسی کتاب میں نظر سے نہیں گزری مگر قرین قیاس یہی ہے کہ وہ بھی مبلغ اسلام کے ساتھ اس اجلاس میں شریک رہے

ہوں گے، کیوں کہ جمعیت کا یہ اجلاس کراچی میں منعقد ہوا اور اس وقت آپ جمعیت کے کراچی زون کے صدر تھے۔ لہٰذا مولانا بدایونی کے اس اجلاس میں شریک نہ ہونے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

مبلغ اسلام کی وفات اور قائد اہل سنت:

۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۴ء میں حضرت مبلغ اسلام نے وصال فرمایا، حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی کے لیے آپ کی وفات صرف ایک عالم اور دانشور کی وفات نہ تھی بلکہ یہ ایک جاں نثار دوست، صاحب نظر مشیر اور ایک مخلص ساتھی کی جدائی تھی، حضرت مولانا بدایونی کو آپ کی وفات سے جو صدمہ ہوا ہوگا اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے، حضرت مبلغ اسلام کی وفات کے وقت آپ کے لائق و فائق فرزند قائد اہل سنت حضرت مولانا شاہ احمد نورانی کی عمر محض (سنہ ہجری کے مطابق) ۳۰ ربرس تھی، یہ آپ کے شباب کا زمانہ تھا، حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی نے اپنے مخلص دوست، مبلغ اسلام کی اس نشانی کو اپنی سرپرستی میں لے لیا، تعمیر پاکستان اور مملکت اسلامیہ کی تشکیل کی جدوجہد میں آپ کی سرپرستی میں قائد اہل سنت نے میدان عمل میں قدم رکھا، حضرت قائد اہل سنت بھی حضرت مولانا بدایونی کا از حد احترام کرتے اور اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ ان کا دست و بازو بن گئے۔

قائد اہل سنت اور مولانا عبدالحامد بدایونی:

علامہ شاہ احمد نورانی اور مولانا عبدالحامد بدایونی کے تعلقات و روابط خود ایسا وسیع موضوع ہے جو ایک مستقل مضمون کا متقاضی ہے، یہاں ہم صرف چند واقعات پر اکتفا کرتے ہیں۔

انیس سو پچاس کی دہائی میں تعلیم و تربیت کے مراحل طے کرنے کے بعد قائد اہل سنت میدان عمل میں قدم رنجہ فرما چکے تھے، جمعیت علمائے پاکستان کے ایک سرگرم کارکن کی حیثیت سے آپ نے میدان عمل میں قدم رکھا، ۱۹۵۲ء کے زمانے کی بات کرتے ہوئے محمد احمد ترازی لکھتے ہیں:

"مولانا شاہ احمد نورانی اس زمانے میں علامہ عبدالحامد بدایونی کے نائب کے فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ جمعیت علمائے پاکستان سندھ کے سیکریٹری

نشرواشاعت بھی تھے۔''(۳۲)

شارحِ مسلم علامہ غلام رسول سعیدی تحریر فرماتے ہیں:

''جب قیامِ پاکستان کے بعد وقت کے طالع آزماؤں اور اقتدار کے دیوانوں نے تاریخ کومسخ کرنے اور کلمۂ طیبہ کے نام پر حاصل کی گئی اس مملکت خدا داد سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نام پاک کو نکالنے کی ناپاک کوشش کی، اس وقت حضرت علامہ عبدالحامد بدایونی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں جب نوجوانانِ اسلام متحد ہوئے تو قائدِ ملت اسلامیہ (حضرت شاہ احمد نورانی) نے ہراول دستے کا کردار ادا کیا۔''(۳۳)

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھی قائد اہل سنت اپنی نوجوانی کے باوجود اکابر علما بالخصوص مولانا عبدالحامد بدایونی کے شانہ بشانہ میدان عمل میں نظر آتے ہیں، اپنے ایک انٹرویو میں آپ نے فرمایا:

''میں اُس زمانے (۱۹۵۳ء) میں پاکستان میں تھا اور کراچی میں اس تحریک کے دوران مَیں مولانا عبدالحامد بدایونی مرحوم اور دیگر علما کے ساتھ شریک رہا، آرام باغ میں جمعہ کے دن اس مہم کا آغاز کیا گیا اور مَیں اس میں پیش پیش تھا، رضا کاروں کو گرفتاری کے لیے تیار کرنا اور دیگر انتظامی امور میری ذمہ داریوں میں شامل تھے۔''(۳۴)

۱۹۵۷ء کا دورۂ روس:

۱۹۵۷ء میں مرکزی جمعیت علمائے پاکستان کو روسی علما کی جانب سے دورۂ روس کا دعوت نامہ موصول ہوا، مولانا عبدالحامد بدایونی نے جمعیت علمائے پاکستان کے افراد کا ایک وفد ترتیب دیا جس میں حسب ذیل ارکان شامل تھے:

مولانا عبدالحامد بدایونی (قائد وفد)

مولانا جیلانی صدیقی ابن مبلغ اسلام (رکن وفد)

مولانا شاہ احمد نورانی (رکن وفد)

سید عبدالمنعم عددی (رکن وفد)

جناب راغب احسن (نمائندہ وزارت خارجہ پاکستان)

جناب عبدالوہاب (نمائندہ وزارت خارجہ پاکستان)

سید افتخار علی (ڈپٹی سیکریڑی بحیثیت لیزان آفیسر) (۳۵)

یہ وفد ۲۷/جون ۱۹۵۷ء کو کراچی سے کابل کے لیے روانہ ہوا، تین روز افغانستان میں گزار کر ۳۰/جون کو تاشقند پہنچا، ۳۰/جون سے ۲۳/جولائی تک اس وفد نے تاشقند، سمرقند، اسٹالن آباد، ماسکو اور لینن گراڈ کا دورہ کیا، اس کے بعد انگلینڈ، سوئزرلینڈ اور شام ہوتا ہوا سعودی عرب پہنچا، جہاں عمرہ اور زیارت سے مشرف ہو کر ۱۸/اگست کو واپس کراچی پہنچا۔

اس سفر کی روداد مولانا عبدالحامد بدایونی نے ''تاثرات روس'' کے نام سے قلم بند فرمائی، جو جمعیت علمائے پاکستان نے ۱۹۵۷ء ہی میں شائع کر دی تھی، اس سفرنامے کے سرورق پر شائع کنندگان کی حیثیت سے حضرت علامہ شاہ احمد نورانی اور مولانا محمد جیلانی صدیقی کے اسمائے گرامی درج ہیں۔ اس روداد سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یہ دونوں حضرات جمعیت علمائے پاکستان میں ناظم نشر و اشاعت کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے تھے۔

یہاں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ اس وفد کے ارکان میں حضرت علامہ شاہ احمد نورانی اور ان کے بھائی مولانا محمد جیلانی کی شمولیت پر وزارت خارجہ کے نمائندے جناب راغب احسن کی جانب سے اعتراض بھی کیا گیا کہ یہ دونوں ابھی نوجوان ہیں اور اس وفد میں ان دونوں کی شرکت مناسب نہیں ہے، مولانا عبدالحامد بدایونی نے اس اعتراض کو اہمیت نہ دی اور باصرار ان دونوں حضرات کو اپنے ساتھ روس لے گئے، خود مولانا بدایونی اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''وہ (راغب احسن نمائندہ وزارت خارجہ) شکوہ کرتے ہیں کہ جمعیت کے وفد میں دو نوجوان لڑکے مولانا نورانی میاں اور مولانا جیلانی میاں کو کیوں لیا گیا؟ یہ وہی لڑکے تھے جو از اول تا آخر آپ کے (راغب احسن کے) ترجمان بنتے تھے، دورۂ روس کے بعد جناب ایک لفظ عربی بولنے کی صلاحیت نہ رکھتے تھے، نورانی

میاں ہی حضرت (راغب احسن) کی ساری ضروریات پوری کراتے تھےاور آپ کے مفہوم کو پیش کرتے۔'' (۳۶)

مدینہ منورہ میں عرس علیمی:

۱۹۵۷ء کے اسی دورے میں جس وقت جمعیت علمائے پاکستان کا یہ وفد مدینہ منورہ میں قیام پذیر تھا، اسی دوران قائد اہل سنت حضرت شاہ احمد نورانی نے مدینہ منورہ میں عرس علیمی کی تقریبات منعقد کیں، حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی بھی اس عرس میں شریک تھے، آپ تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا شاہ ضیاء الدین صاحب قبلہ اور مولانا شاہ احمد نورانی صاحب صدیقی کے زیر اہتمام حضرت علامہ مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی کے عرس شریف کا اہتمام کیا گیا، نیچے کا تمام حصہ اشخاص سے بھر گیا تھا، مدینہ طیبہ کے مشہور نعت خواں حضرات نے برزنجی شریف کا ختم کیا، جناب بہزاد صاحب لکھنوی نے نعتیں پڑھیں، بڑی پرلطف محفل شریف رہی، ہر شخص کے دل و دماغ پر اچھے تأثرات رہے، آخر میں مولانا شاہ احمد نورانی صاحب کی جانب سے عام دعوت طعام ہوئی۔'' (۳۷)

جنت المعلیٰ اور جنت البقیع کی حفاظت وصیانت کی تحریک:

سعودی حکومت کی جانب سے بقیع شریف اور جنت المعلیٰ کے مزارات کے انہدام اور اہل بیت اطہار کے مزارات کے قبوں کو ڈھانے کی مہم شروع ہوئی تو حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی نے ان مزارات کی حفاظت وصیانت کے لیے عالم گیر مہم چلائی، پہلے آپ نے قبور ومزارات پر قبوں کے شرعی جواز پر ایک فتویٰ مرتب کیا، پھر ہندوستان، پاکستان اور بنگلا دیش (جو اس وقت مشرقی پاکستان تھا) کا دورہ کر کے وہاں کے معتبر علما و مشائخ سے اس فتوے پر تصدیق وتائید حاصل کی، پھر آپ نے عالم عرب اور ایران کا دورہ کیا اور وہاں کے سرکردہ علما سے اس فتوے پر تصدیقیں اور تقریظات حاصل کیں، آپ نے سعودی حکومت سے مطالبہ کیا کہ قبوں اور مزارات کے انہدام پر روک لگائی جائے اور جو مزارات منہدم کر دیے گئے ہیں ان کو از

www.Qadri.info

سرنوتعمیر کر کے ان کے اوپر کتبے لگائے جائیں۔

مزارات صحابہ واہل بیت کی حفاظت وصیانت کی اس عالم گیر تحریک میں حضرت مولانا شاہ احمد نورانی مولانا عبدالحامد بدایونی کے ساتھ تھے، عالم عرب اور ایران کا یہ دورہ ۱۹۶۱ء میں ہوا تھا، اس زمانے میں چونکہ جمعیت علمائے پاکستان پر پابندی لگی ہوئی تھی (۳۸) اس لیے مرکزی انجمن تبلیغ اسلام کی جانب سے یہ وفد بھیجا گیا تھا، یہ وفد تین ارکان پر مشتمل تھا، حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی قائد وفد تھے، حضرت علامہ شاہ احمد نورانی اور مولانا عمر الٰہی دہلوی وفد کے ارکان تھے، یہ سفر ۱۷ر مئی ۱۹۶۱ء کو کراچی سے شروع ہو کر ۳۰ر جولائی ۱۹۶۱ء کو کراچی ہی میں ختم ہوا، ڈھائی ماہ کے سفر میں اس وفد نے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، جدہ، عمان (اردن) بیت المقدس، بیروت (لبنان) دمشق (شام) قاہرہ، اسکندریہ (مصر) بغداد، نجف کربلا (عراق) اور طہران، قم، مشہد، اصفہان، خراسان (ایران) کا دورہ کیا، ان بلاد کے علما ومشائخ اور عمائدین مملکت سے ملاقاتیں کیں۔ اس وفد نے عالم اسلام کی جن اہم شخصیات سے ملاقاتیں کیں ان میں شہنشاہ ایران، شیخ الازہر، حضرت نقیب الاشراف پیر ابراہیم گیلانی، مفتی اعظم فلسطین اور شیخ سید عبدالوہاب شامی قابل ذکر ہیں۔ (۳۹)

شاہ ایران سے ملاقات کے وقت مولانا عبدالحامد بدایونی نے اپنی آمد کے مقصد اور اپنے موجودہ مشن کے بارے میں تفصیل سے بتایا، حضرت شاہ احمد نورانی نے انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ کیا، مولانا بدایونی لکھتے ہیں:

> ''ہم نے گزشتہ دس سال کے کاموں کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ اب سے ۶ر ۷ سال قبل جمعیت علمائے پاکستان نے ایک وفد حجاز مقدس بھیجا تھا، دو ماہ کی لگاتار کوششوں کے بعد کامیابی حاصل کی، گنبد خضرائے مقدسہ انہدام سے بچ گیا اور آثار شریفہ اور تبرکات نبویہ برقرار رہے، اس وقت سے یہ تحریک میرے قلب میں جاگزیں تھی کہ بقیع واحد وجنت المعلیٰ میں ہزار ہا صحابۂ کرام واہل بیت عظام کے منہدم مزارات وقبب کی صیانت حفاظت وبقا کے لیے کچھ کرنا چاہیے چنانچہ اس مرتبہ ایک فتویٰ مرتب کیا، جس پر ابتداءً پاک وہند کے علما کے دستخط کرائے گئے،

www.Qadri.info

فریضۂ حج سے فارغ ہوکر ہم لوگ جدہ شریف سے سیدھے قدس، لبنان، عمان، بیروت، دمشق، مصر واسکندریہ، بغداد گئے ان سب مقامات پر علمائے کرام کے دستخط حاصل کیے، علمائے مصر کی تصدیقات کرائیں، فتوے پر مقدمہ لکھوایا، آخر میں ہم لوگ ایران حاضر ہوئے ہیں، الحمدللہ کہ اس بارے میں سب سے زیادہ دلچسپی کا مظاہرہ حضرات علمائے ایران نے فرمایا اور طے کیا کہ اس سلسلے میں ایک فتویٰ بزبان فارسی وعربی شائع کیا جائے گا، ہماری تجویز یہ ہے کہ ایک وفد یہ فتویٰ طہران سے شہنشاہ معظم کا گرامی نامہ لے کر جائے جس میں جلالۃ الملک المعظم سعود کو لکھا جائے کہ وہ مزارات صحابہ واہل بیت اطہار کو پختہ بنوائیں ہر ایک مزار پر کتبات لگائے جائیں جن پر نام کندہ ہوں تاکہ زائرین کو سہولت ہو۔ مولانا شاہ احمد نورانی نے انگریزی زبان میں مفصلاً تمامی امور پر روشنی ڈالی۔" (۴۰)

صحابہ واہل بیت کے مزارات اور اسلامی تاریخ کی عظیم یادگاروں کی حفاظت وصیانت کی اس عالم گیر تحریک کو حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی اور حضرت مولانا شاہ احمد نورانی کی زندگی کا ایک اہم کارنامہ قرار دیا جانا چاہیے۔

قائداہل سنت کا عقد مسنون:

حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی اور خانوادۂ علیمیہ کے درمیان ایسا گہرا رشتۂ خلوص ومحبت تھا کہ جب قائداہل سنت حضرت شاہ احمد نورانی کے نکاح کی تقریب منعقد ہوئی تو ایجاب وقبول حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی ہی سے کروایا گیا، یہ ان دونوں خاندانوں کے درمیان انتہائی گہرے اور مضبوط رشتوں کی دلیل ہے۔

حضرت قائداہل سنت کا عقد مسنون حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی کی پوتی اور حضرت مولانا فضل الرحمن قادری مدنی کی صاحبزادی سے مدینہ منورہ میں ۱۳۸۳ھ/ ۱۹۶۳ء میں ہوا تھا، دیگر علما ومشائخ کے ساتھ حضرت علامہ جمیل احمد نعیمی بھی اس تقریب سعید میں موجود تھے، وہ اس تقریب کے چشم دید واقعات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عقد مسنون کی یہ تقریب سعید اگرچہ سادہ مگر پُروقار تھی جو کہ قطب مدینہ کے

دولت کدے پر بروز اتوار ۲۵ر ذوالحجہ ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۹ر مئی ۱۹۶۳ء بعد مغرب منعقد کی گئی تھی، جس میں علمائے کرام ومشائخ عظام کی ایک کثیر تعداد نے شرکت کا شرف حاصل کیا، یوں یہ سعادت احقر جمیل احمد نعیمی اور مفتی غلام قادر صاحب صابری کشمیری (مرحوم) کو حاصل ہوئی کہ ہم دونوں موصوف کو حضور اکرم ﷺ کے مواجہ شریفہ سے نکاح کی تقریب میں لے کر آئے، خطبۂ نکاح تاج العلما مفتی محمد عمر صاحب نعیمی اشرفی علیہ الرحمہ نے پڑھایا اور ایجاب وقبول مجاہد ملت علامہ محمد عبدالحامد صاحب قادری علیہ الرحمہ نے کرایا نیز دعائے اول قائد اہل سنت کے تجوید کے مدنی استاذ محترم شیخ حسن الشاعر علیہ الرحمہ اور دعائے ثانی مشروبات کے بعد (یعنی دودھ وغیرہ) قطب مدینہ مولانا ضیاء الدین علیہ الرحمہ نے فرمائی اور اس طرح یہ بابرکت محفل اختتام پذیر ہوئی۔'' (۴۱)

قائد اہل سنت کا استقبال:

۱۹۶۵ء میں قائد اہل سنت حضرت شاہ احمد نورانی نے افریقی ممالک کا تبلیغی دورہ کیا، اس دورے میں آپ کینیا، تنزانیہ، یوگنڈا، مالاگوسی، ماریشس، اور سرینام تشریف لے گئے، یہ دورہ ۱۱ر ماہ کا تھا، جب آپ اس کامیاب تبلیغی دورے سے واپس پاکستان تشریف لائے تو حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی نے آپ کے اعزاز میں ایک جلسۂ استقبالیہ منعقد کیا، جلسۂ استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے قائد اہل سنت نے اپنے تبلیغی دورے پر تفصیل سے روشنی ڈالی، آپ نے فرمایا:

''اپنے گیارہ ماہ کے قیام کے دوران جہاں بھی گیا میں نے محسوس کیا کہ افریقی مسلمان اسلام کو اسی طرح پسند کرتے ہیں جس طرح قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے پسند کیا، سینگال، تنزانیہ، نائجیریا، مڈغاسکر، کانگو، چاڈ، واہومی، آئیوری کوسٹ کے لوگ اچھی عادت کے حامل ہیں اور اپنی عادات کی وجہ سے وہ روز بروز اسلام کے قریب ہوتے جارہے ہیں۔'' (۴۲)

آخری بات:

گزشتہ صفحات میں پیش کی گئی خانوادۂ قادریہ اور خانوادۂ علیمیہ کے درمیان تعلقات

وروابط کی یہ داستان صرف کتب خانہ قادریہ بدایوں میں موجود مواد کے سرسری مطالعے کا نتیجہ ہے، اس سلسلے میں پرانے ذخائر کھنگالے جائیں، آزادی سے قبل کے اخبارات ورسائل کی فائلیں دیکھی جائیں، اور خود خانوادۂ علیمیہ کے ذاتی اور آبائی ذخیرے پر تحقیق کی جائے تب کہیں جا کر یہ طویل داستان مکمل ہوسکتی ہے- جو کچھ تاریخی شواہد پیش کیے گئے ان سے بھی بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خانوادۂ قادریہ اور خانوادۂ علیمیہ کے درمیان کیسی مسلکی، مشربی، ذہنی اور فکری ہم آہنگی تھی، اور ان دونوں خانوادوں نے مشترکہ طور پر ملک وملت اور دین ومسلک کی کیسی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں-

رب قدیر ومقتدر ہمارے ان اسلاف واکابر کی دینی خدمات قبول فرمائے، ان کو بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے اور ہمیں بھی اپنے ان اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دین وملت کی خدمت کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے-

راقم الحروف خانوادۂ قادریہ بدایوں کے ایک ادنیٰ فرد کی حیثیت سے اس مضمون کے توسط سے پیغام محبت اور دعوت اتحاد واشتراک عمل دیتے ہوئے عرض کرتا ہے کہ خانوادۂ قادریہ اور خانوادۂ علیمیہ کے موجودہ افراد کو چاہیے کہ اپنے اسلاف کی طرح ایک مرتبہ پھر اپنے درمیان رشتۂ خلوص ومحبت اور باہم اشتراک وتعاون کی اسی روایت کو زندہ کریں جس کی تاریخ نصف صدی پر محیط ہے-

(ماہنامہ جامِ نور، دہلی، اکتوبر ۲۰۱۲ء/جنوری ۲۰۱۳ء)

حواشی

(۱) تقدیم ''مبلغ اسلام علامہ شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی قادری''، خلیل احمد رانا ص ۸، کراچی ۱۹۹۴ء

(۲) تذکرہ علمائے اہل سنت: محمود احمد رفاقتی ص ۳۲، خانقاہ قادریہ اشرفیہ بھوانی پور، مظفرپور بہار، ۱۳۹۱ھ

(۳) یہ سفرنامہ ''المکتوب'' کے نام سے ۴۶ صفحات پر مشتمل ہے، جس کو منشی مشتاق احمد (ناظم قومی دارالاشاعت میرٹھ) نے میرٹھ سے ۱۹۲۱ء میں شائع کیا-

(۴) المکتوب: عبدالماجد بدایونی ص ۱۹، قومی دارالاشاعت میرٹھ ۱۹۲۱ء

(۵) مرجع سابق ص ۲۸/۲۹

(۶) مرجع سابق ص ۲۹

(۷)مختصر روئداد اجلاس مؤتمر اسلامی: سید ذاکر علی، ص ۲، مطبع مجیدی کانپور ۱۹۳۰ء

(۸)مرجع سابق، ص ۳/ ۴ (۹) مرجع سابق، ص ۵ (۱۰) مرجع سابق، نفس صفحہ (۱۱) مرجع سابق، ص ۶ (۱۲) مرجع سابق، نفس صفحہ (۱۳) مرجع سابق، ص ۷ (۱۴) مرجع سابق، نفس صفحہ (۱۵) مرجع سابق، ص ۸ تا ۱۰

(۱۶)تفصیل کے لیے دیکھیے:

الف: تذکرہ اکابر اہل سنت پاکستان: عبدالحکیم شرف قادری، ص ۲۰۲ تا ۲۰۹، مطبوعہ کانپور

ب: تحریک پاکستان میں علما و مشائخ کا کردار: محمد صادق قصوری، ص ۵۳ تا ۵۹، لاہور ۲۰۰۸ء

ج: گلدستۂ عقیدت: عابد القادری کراچی، ۱۹۷۱ء

د: مولانا عبدالحامد بدایونی کی سیاسی اور ملی خدمات: سید نور محمد قادری، ادارہ پاکستان شناسی لاہور، ۲۰۰۲ء۔

(۱۷)ماہنامہ ضیائے حرم لاہور: نومبر دسمبر ۱۹۷۸ء، ص ۴۳/ ۴۷، بحوالہ مبلغ اسلام علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی قادری، از خلیل احمد رانا ص ۶۸، کراچی ۱۹۹۴ء۔

(۱۸)مختصر رپورٹ خطبہ صدارت جمہوریہ اسلامیہ: ص ا/ سر ورق، اہل سنت برقی پریس مراد آباد ۱۹۴۶ء۔

(۱۹)مرجع سابق، ص ۲۹ (۲۰) مرجع سابق، نفس صفحہ (۲۱) مرجع سابق، ص ۳۶

(۲۲)عبوری خاکہ دار المبلغین قلمی: بقلم عبدالحامد بدایونی، ص ا، مخزونہ کتب خانہ قادریہ بدایوں

(۲۳)تحریک پاکستان میں علما و مشائخ کا کردار: محمد صادق قصوری، ص ۶۴/ ۶۴، لاہور ۲۰۰۸ء

(۲۴)تحریک پاکستان میں علما و مشائخ کا کردار: محمد صادق قصوری، ص: ۳۴۳۔

(۲۵)مولانا عبدالحامد بدایونی کی سیاسی اور ملی خدمات: سید نور محمد قادری، ص ۵۵/ ۵۷، ادارہ پاکستان شناسی لاہور، ۲۰۰۲ء۔

(۲۶)مولانا عبدالحامد بدایونی کا یہ رسالہ دہلی سے جنوری ۱۹۴۷ء میں شائع ہوا تھا، چند سال قبل خدا بخش لائبریری پٹنہ میں راقم نے اس کا مطالعہ کیا تھا، خدا بخش میں اس کا نمبر Acc52586 ہے، فی الحال یہ پیش نظر نہیں ہے۔

(۲۷)وفد حجاز کی رپورٹ: عبدالحامد بدایونی، ص ۱۷، بحوالہ مولانا عبدالحامد بدایونی کی سیاسی اور ملی خدمات: سید نور محمد قادری، ص ۸۵، ادارہ پاکستان شناسی لاہور، ۲۰۰۲ء۔

(۲۸)مرجع سابق، ص ۲۳/ ۲۴، بحوالہ سابق، ص ۵۸/ ۵۹۔

(۲۹)مبلغ اسلام علامہ شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی قادری: خلیل احمد رانا، ص ۴۸/ ۴۹، کراچی ۱۹۹۴ء۔

(۳۰)جناب محمد صادق قصوری نے ''تحریک پاکستان میں علما و مشائخ کا کردار'' (ص ۲۹۹) میں لکھا ہے کہ حضرت مولانا ابوالحسنات قادری کی وفات (۱۹۶۱ء) کے بعد مولانا بدایونی باتفاق رائے جمعیت علمائے پاکستان کے مرکزی صدر منتخب کیے گئے، لیکن مولانا عبدالحامد بدایونی کی کتاب ''تأثرات روس'' ۱۹۵۷ء میں شائع ہوئی اس کے سرورق پر اور کتاب میں متعدد مقامات پر مولانا کے نام کے ساتھ ''صدر مرکزی جمعیت علمائے پاکستان'' لکھا ہے۔

www.Qadri.info

(۳۱)مبلغ اسلام علامہ شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی قادری: خلیل احمد رانا، ص ۵۵، کراچی ۱۹۹۴ء۔

(۳۲)تحریک تحفظ ختم نبوت صدیق اکبر تا علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی: محمد احمد ترازی، ص ۳۱۲، افق پبلی کیشنز کراچی، ۲۰۰۹ء۔

(۳۳)مقالات سعیدی: علامہ غلام رسول سعیدی، ص ۶۲۸، مکتبہ رضویہ، دہلی، ۲۰۰۶ء۔

(۳۴)عہد رواں کی عبقری شخصیت: ص ۸۷، بحوالہ تحریک تحفظ ختم نبوت صدیق اکبر تا علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی: محمد احمد ترازی، ص ۳۱۳، افق پبلی کیشنز کراچی، ۲۰۰۹ء۔

(۳۵)تأثرات روس: عبدالحامد بدایونی، ص ۴، مرکزی جمعیت علمائے پاکستان کراچی، ۱۹۵۷ء۔

(۳۶)مرجع سابق، ص ۱۱۱۔

(۳۷)مرجع سابق: ص ۹۹/۱۰۰۔

(۳۸)۱۹۵۸ء کے مارشل لا کے دوران ایوب خاں نے تمام سیاسی جماعتوں کو کالعدم قرار دے دیا تھا، اس کی زد میں جمعیت علمائے پاکستان بھی آ گئی تھی، لہٰذا جمعیت کے ارکان بالخصوص مولانا عبدالحامد بدایونی اور مولانا شاہ احمد نورانی نے ایک متبادل جماعت ''انجمن تبلیغ اسلام'' کے نام سے تشکیل دی، اس میں علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری، مفتی سید شجاعت علی قادری وغیرہ شامل تھے، ۱۹۶۴ء میں تمام سیاسی جماعتیں بحال کر دی گئیں، لہٰذا جمعیت پھر سے سرگرم عمل ہو گئی۔

(۳۹)اس سفر کی روداد مولانا عبدالحامد بدایونی نے ''ممالک عربیہ اور ایران کا سفرنامہ'' کے نام سے ترتیب دی تھی جو مرکزی انجمن تبلیغ اسلام کراچی سے ۱۹۶۱ء میں شائع ہوئی، یہ سفرنامہ پیش نظر ہے، مذکورہ معلومات اسی سے ماخوذ ہیں۔

(۴۰)ممالک عربیہ اور ایران کا سفرنامہ: عبدالحامد بدایونی، ص ۳۴/۳۵، انجمن تبلیغ اسلام کراچی، ۱۹۶۱ء۔

(۴۱)حیات جمیل مع افکار جمیل: فیض الرسول رضا نورانی، ص ۲۱۴، مکتبہ اہل سنت لاہور، ۲۰۰۸ء۔

(۴۲)تحریک تحفظ ختم نبوت صدیق اکبر تا علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی: محمد احمد ترازی، ص ۳۵۹، افق پبلی کیشنز کراچی، ۲۰۰۹ء۔

❑❑❑

www.Qadri.info

شخصیات

www.Qadri.info

امیر المؤمنین، جامع القرآن، ذوالنورین
سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جماعت وہ مبارک اور خوش قسمت جماعت ہے جس کو براہ راست مشکوٰۃ نبوت سے فیض یاب ہونے کا شرف حاصل ہوا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی برکت، آپ کی حسن تربیت اور آپ کی مستجاب دعاؤں کے نتیجے میں یہ حضرات انسانیت کاملہ کا ایسا اعلیٰ نمونہ بن گئے کہ تاریخ عالم اس مبارک اور مقدس جماعت کی مثال اور نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

امت اسلامیہ کا عقیدہ ہے کہ اس امت کے بہترین اور افضل ترین لوگ یہی حضرات صحابہ کرام ہیں، جن کا ہر ہر فرد غیر صحابی کے ہر فرد سے افضل و برتر ہے۔پھر ان صحابہ میں شرف وفضیلت کے مختلف درجے اور طبقے ہیں، جو حضرات فتح مکہ سے پہلے داخل اسلام ہوئے، اللہ کی خاطر ہجرت کی اور غزوات میں شریک ہوئے وہ مرتبے میں ان حضرات سے افضل ہیں جو فتح مکہ کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔

پھر فتح سے پہلے ایمان لانے والے اُن حضرات کو ایک نمایاں اور منفرد مقام حاصل ہے جو حق و باطل کے درمیان ہونے والے پہلے معرکے یعنی غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ان کو ''بدری صحابہ'' کے نام سے یاد کیا گیا، اسی طرح وہ خوش نصیب افراد جو ظہور اسلام کے بالکل ابتدائی زمانے میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے ان کو قرآن کریم نے ''سابقین اولین'' کے لقب سے یاد کیا۔

ان سابقین اولین میں دس وہ فیروز بخت حضرات ہیں جن کا نام لے کر فرداً فرداً دنیا ہی

میں جنتی ہونے کی خوش خبری دے دی گئی، ان کو ’’عشرۂ مبشرہ‘‘ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ان میں وہ چار یار سب سے افضل اور برتر ہیں، جن کو صحابہ کرام نے متفقہ طور پر حضور اکرم ﷺ کی نیابت و خلافت کے لیے منتخب کر لیا تھا، ان کو ہم خلفائے راشدین کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

زیر نظر مضمون میں ہم خلفائے راشدین میں سے تیسرے خلیفہ، داماد رسول، ذوالنورین حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات مبارکہ کا مرقع پیش کر رہے ہیں:

حیات عثمانی پر ایک اجمالی نظر:

☆ آپ کی ولادت واقعہ فیل کے پانچویں یا چھٹے برس ہوئی۔

☆ عبد مناف میں جا کر آپ کا نسب حضور اکرم ﷺ سے مل جاتا ہے۔

☆ حضور اکرم کی بعثت (اعلان نبوت) کے وقت آپ کی عمر کم و بیش ۳۵/ سال تھی۔

☆ آپ سابقین اولین میں سے ہیں اور مردوں میں ایمان لانے والے چوتھے شخص ہیں۔

☆ آپ کے عقد میں حضور اکرم ﷺ کی دو شہزادیاں، حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم آئیں، یہ ایک ایسا شرف ہے جس میں آپ کا کوئی شریک و سہیم نہیں۔

☆ آپ نے دو ہجرتیں کیں، پہلی حبشہ کی جانب اور دوسری مدینہ منورہ کی جانب۔

☆ آپ غزوۂ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے، لیکن غزوۂ بدر کے مال غنیمت سے حضور اکرم ﷺ نے آپ کو حصہ عطا فرمایا۔

☆ محرم سنہ ۲۴/ ہجری میں خلیفہ مقرر کیے گئے۔

☆ آپ کا عہد خلافت کچھ روز کم ۱۲/ برس رہا۔

☆ ذی الحجہ ۳۵ھ میں آپ کی شہادت ہوئی، اس وقت آپ کی عمر مبارک ۸۲/ برس تھی۔

☆ مختلف اوقات میں آپ نے ۷/ خواتین (بعض کے نزدیک ۸/ خواتین) سے نکاح کیا۔

☆ آپ کے نو صاحبزادے اور آٹھ بیٹیاں تھیں۔

فضائل عثمان غنی:

ذوالنورین حضرت عثمان غنی پرہیزگاری، تقویٰ شعاری، ایثار و قربانی، جود و سخا اور خشیت

الٰہی کے پیکر تھے، آپ کی جلالت قدر اور عظمت شان متعدد پہلوؤں اور گوشوں سے اجاگر ہوتی ہے، آپ کے فضائل وکمالات بے شمار ہیں، آپ ان خوش نصیبوں میں سے ایک ہیں جن کو دنیا ہی میں جنت کی بشارت سے سرفراز کیا گیا - جب جب اسلام اور مسلمانوں کو کوئی حاجت پیش آتی تو آپ اپنا مال وزر اللہ کی راہ میں قربان کرنے کو تیار نظر آتے ہیں، اپنے سرور کائنات ﷺ کے ایک اشارۂ ابرو پر آپ نے متعدد مرتبہ اپنا مال آقائے دوجہاں کے قدموں پر نچھاور کر دیا، اس بے مثال قربانی اور جذبہ ایثار کا انعام ان کو زبان صادق ومصدوق سے حاصل ہوا، جس کو تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ کیا ہے- یہاں ہم بعض وہ احادیث پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں، جن سے حضرت عثمان غنی کے فضائل پر روشنی پڑتی ہے-

شہادت کی بشارت:

شہادت ایک ایسی نعمت ہے جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کو سرفراز فرماتا ہے، شہیدوں کے مرتبے کا اندازہ خدائے پاک کے اس فرمان سے ہوتا ہے جس میں رب کائنات نے شہیدوں کو حیات جاودانی کی خوش خبری سنائی ہے۔ اعلان ہوتا ہے کہ ''جو اللہ کی راہ میں شہید ہوتا ہے اس کو مردہ نہ کہو''، ایک دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے کہ ''ان کو مردہ گمان بھی نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کی بارگاہ سے رزق پاتے ہیں-'' حضرت عثمان غنی شہادت کی نعمت سے سرفراز ہوئے، آپ کی شہادت کی خوش خبری اللہ کی عطا سے غیب جاننے والے اور غیب کی خبریں دینے والے نبی مکرم نے برسوں پہلے ارشاد فرمادی تھی-

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ ان رسول اللہ ﷺ صعد احدا وابو بکر وعمر وعثمان فرجف بھم فقال نبی اللہ ﷺ اثبت احد فانما علیک نبی وصدیق وشھیدان۔ھذا حدیث حسن صحیح (۱)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ احد پہاڑ پر چڑھے، آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان بھی تھے، احد پہاڑ لرزنے لگا، اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے احد ثابت

رہ، اس وقت تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید موجود ہیں۔
امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔
زبان نبوت سے حضرت عمر اور حضرت عثمان کو شہید کے لقب سے یاد کیا گیا، زمانے نے دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے یہ جملے کس شان سے تاریخی واقعے میں تبدیل ہو گئے کہ یہ دونوں حضرات اپنے اپنے وقت معین پر شہادت سے سرفراز ہو کر حیات جاودانی کے مستحق قرار پائے۔

جنت کی بشارت:

حضرت عثمان غنی ان خوش نصیبوں میں ہیں کہ جن کو دنیا ہی میں ایک سے زیادہ مرتبہ جنت کی بشارت سے سرفراز کیا گیا، ایک موقع کا ذکر کرتے ہوئے صحابیٔ رسول حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

انطلقت مع النبی ﷺ فدخل حائطا للانصار فقضی حاجته فقال لی یا ابا موسی املک علی الباب فلا یدخلن علی احد الا باذن فجاء رجل فضرب الباب فقلت من هذا؟ قال ابو بکر، فقلت یا رسول الله ﷺ هذا ابو بکر یستأذن قال ائذن له و بشره بالجنة فدخل و بشرته بالجنة و جا رجل آخر فضرب الباب فقلت من هذا فقال عمر فقلت یا رسول الله هذا عمر یستأذن قال افتح له و بشره بالجنة، ففتحت الباب و دخل فبشرته بالجنة فجاء رجل آخر فضرب الباب فقلت من هذا فقال عثمان قلت یا رسول الله ﷺ هذا عثمان یستأذن قال افتح له و بشره بالجنة علی بلوی تصیبه (۲)

ترجمہ: مَیں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ انصار کے ایک باغ میں داخل ہوا، حضور ﷺ نے وہاں اپنی حاجت رفع فرمائی اور مجھ سے فرمایا اے ابوموسیٰ! دروازہ بند کر دو اور کوئی میری اجازت کے بغیر یہاں داخل نہ ہو۔ ایک شخص آئے انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا، مَیں نے پوچھا کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ابوبکر، مَیں

www.Qadri.info

نے عرض کیا کہ یارسول اللہ یہ ابوبکر ہیں، جو اندر آنے کی اجازت طلب کررہے ہیں، آپ ﷺ نے ارشادفرمایاان کو آنے کی اجازت دے دواوران کو جنت کی بشارت بھی دے دو-تو حضرت ابو بکر داخل ہوئے اور مَیں نے ان کو جنت کی بشارت دے دی، پھر دوسرے صاحب آئے اورانہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا، مَیں نے پوچھا کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ عمر، مَیں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یہ عمر آئے ہیں، اندر آنے کی اجازت طلب کررہے ہیں، آپ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ ان کے لیے دروازہ کھول دواوران کو بھی جنت کی خوش خبری سنادو۔ مَیں نے ان کے لیے دروازہ کھولا، وہ داخل ہوئے اور مَیں نے ان کو جنت کی بشارت سنادی۔ پھرایک اورشخص آئے اوردروازہ کھٹکھٹایا، مَیں نے پوچھا کون ہے، انہوں نے کہا عثمان، مَیں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یہ عثمان آئے ہیں اوراجازت طلب کرتے ہیں، آپ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ ان کے لیے دروازہ کھول دو اوروہ جس آزمائش میں گرفتار ہوں گے اس کے بدلے ان کو جنت کی بشارت دے دو-امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے-

امام بخاری اورامام مسلم نے بھی اپنی صحیح میں اسی کے مثل حدیث روایت فرمائی-

جنت کی رفاقت کی خوش خبری:

حضرت عثمان غنی کو جنتی ہونے کی خوش خبری تو دی ہی گئی، لیکن ایک روایت میں آتا ہے کہ ان کو جنت میں حضور اکرم ﷺ نے اپنی رفاقت کی خوش خبری بھی دی، امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن طلحة بن عبيد الله قال: قال رسول الله ﷺ لكل نبي رفيق و رفيقي، يعني في الجنة۔ عثمان۔ (۳)

ترجمہ: حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشادفرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا کہ جنت میں ہر نبی کا ایک رفیق ہوگا اور جنت میں میرے رفیق عثمان ہوں گے-

حضرت عثمان سے بغض کا انجام:

ایک شخص حضرت عثمان سے کسی معاملے میں بغض رکھتا تھا، اس کا انتقال ہوا، جنازہ نماز کے لیے لایا گیا، حضور اکرم ﷺ نے اس کی نماز پڑھانے سے انکار فرمادیا- امام ترمذی حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں:

عن ابی زبیر عن جابر قال أتی النبی ﷺ بجنازۃ رجل لیصلی علیه فلم یصل علیه فقیل یا رسول اللہ ما رأیناک ترکت الصلوٰۃ علی احد قبل ھذا قال انه کان یبغض عثمان فابغضه اللہ (۴)

ترجمہ: حضرت ابو زبیر سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت جابر نے ارشاد فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس ایک شخص کا جنازہ لایا گیا تاکہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھیں، لیکن آپ نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی، آپ سے عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا کہ آپ نے کسی کی نماز جنازہ ترک فرمائی ہو، اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ عثمان سے بغض رکھتا تھا تو اللہ نے بھی اس کو ناپسند کردیا-

حیائے عثمانی:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کے اوصاف وخصائل میں ان کی شرم وحیا ایک خاص اہمیت رکھتی ہے، ان کی حیا کا یہ عالم تھا کہ فرشتے بھی ان سے حیا کرتے تھے، امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں، آپ فرماتی ہیں:

کان رسول اللہ ﷺ مضطجعاً في بیتي کاشفاً عن فخذیه او ساقیه فاستأذن ابو بکر فأذن له وھو علی تلک الحال فتحدث ثم استأذن عمر فأذن له وھو کذالک فتحدث ثم استأذن عثمان فجلس رسول اللہ ﷺ وسوی ثیابه فدخل فتحدث فلما خرج قالت عائشة دخل ابو بکر فلم تھتش له ولم تباله ثم دخل عمر فلم تھتش له ولم تباله ثم دخل عثمان فجلست وسویت ثیابک فقال الا استحی من رجل تستحی منه

الملائکۃ (۵)

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر میں آرام فرما تھے، آپ کی ران یا پنڈلی کا کچھ حصہ کھلا ہوا تھا، حضرت ابوبکر نے داخلے کی اجازت طلب کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی اور آپ اسی حال میں محو استراحت رہے اور ان سے گفتگو فرمانے لگے، پھر حضرت عمر نے اذن باریابی طلب کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بھی اذن دخول عطا فرمایا، آپ اسی حال میں محو استراحت رہے اور ان سے گفتگو فرمانے لگے، پھر حضرت عثمان نے داخلے کی اجازت طلب کی، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنے پیراہن مبارک کو سمیٹ لیا، حضرت عثمان داخل ہوئے اور آپ ان سے بھی محو گفتگو ہو گئے۔

جب یہ چلے گئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ابوبکر آئے تو آپ نے ان کی پرواہ نہ کی (اور اسی حال میں محو استراحت رہے) پھر عمر آئے تب بھی آپ نے پرواہ نہ کی، لیکن جب عثمان آئے تو آپ بیٹھ گئے اور اپنے کپڑوں کو درست کر لیا؟ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''کیا میں اس شخص سے حیا نہ کروں، جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔

یہ ہے حضرت عثمان کی شان شرم وحیا کہ ان سے آسمان کے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔

ادب رسول کی ایک ایمان افروز ادا:

حضرت عثمان غنی اپنے آقا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو عشق و محبت رکھتے تھے، اس کے نتیجے میں حضور کی بارگاہ میں نہایت ادب و احترام سے پیش آتے تھے، ادب و احترام رسول کا اس سے بڑا نمونہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے اپنا سیدھا ہاتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں میں دے کر بیعت کی اس کے بعد سے پھر کبھی اپنے سیدھے ہاتھ سے شرم گاہ کو مس نہیں کیا۔

اہل بیت اطہار کی نظر میں عظمت عثمان:

صحابہ اور اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان جو تعلقات تھے وہ اسلامی اخوت،

www.Qadri.info

خلوص وللّٰہیت اور ایک دوسرے کی قدر شناسی کی بنیاد پر قائم تھے- اہل سنت کی کتب تاریخ وسیر اس قسم کے واقعات سے مالا مال ہیں- سبائی فتنے کے نتیجے میں جو فرقہ پیدا ہوا، اس نے من گڑھت روایات کا ایک انبار لگا دیا، جن میں صحابہ کرام بالخصوص خلفائے ثلاثہ کو معاذ اللہ اہل بیت اطہار کے دشمن کے طور پر پیش کیا گیا، حالاں کہ یہ بات صحیح روایات کی روشنی میں بالکل باطل اور غلط ہے-

شیخ ناصر الدین ہلال نے اپنی کتاب ''نظرة آل البیت الی عثمان بن عفان'' میں شیعی مآخذ سے ایسی روایات جمع کی ہیں جو اہل بیت اطہار سے مروی ہیں، ان کی روشنی میں اہل بیت کی نظر میں حضرت عثمان کی قدر ومنزلت کا پتا چلتا ہے- ہم اسی کتاب کے حوالے سے بعض روایات نقل کرتے ہیں- یاد رہے کہ تمام روایات اہل تشیع کی معتبر اور مستند کتابوں سے لی گئی ہیں، اہل سنت کے یہاں ان روایات کی فنی حیثیت خواہ کچھ بھی ہو، لیکن کم از کم شیعہ حضرات کے لیے ان روایات سے انکار کی گنجائش نہیں ہے-

مجلسی نے بحار الانوار میں حضرت علی سے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

انی لما تقدمت الی رسول اللہ ﷺ طالباً منه زواج فاطمة قال لی بع درعک واتنی بثمنه حتی اهیأ لک ولی ابنتی فاطمة ما یصلحکما قال علی فأخذت درعی فانطلقت به الی السوق فبعته بامر مأة درهم الی عثمان بن عفان فلما قبضت الدراهم منه وقبض الدرع منی قال لی یا ابا الحسن الست اولیٰ بالدرع منک وانت اولی بالدراهم منی فقلت نعم قال فان هذا الدرع هدیة منی الیک فاخذت الدرع والدراهم واقبلت الی رسول اللہ ﷺ فطرحت الدرع والدراهم بین یدیه واخبرته ما کان من امر عثمان فدعا له نبی ﷺ بالخیر (٦)

ترجمہ: حضرت علی فرماتے ہیں کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں (حضرت) فاطمہ سے نکاح کی خواہش لے کر حاضر ہوا، تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تم اپنی

www.Qadri.info

ذرع فروخت کردو اور اس کی قیمت لے کر آو، تاکہ مَیں تمہارے اور اپنی بیٹی فاطمہ کے لیے ایسا انتظام کردوں جو تمہارے لائق ہو۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں ذرع لے کر بازار گیا اور اسے عثمان بن عفان کے ہاتھوں چار سو درہم کے عوض فروخت کر دیا، جب مَیں نے آپ سے درہم لے لیے اور آپ نے مجھ سے درع لے لی تو آپ نے مجھ سے کہا کہ اے ابوالحسن (یعنی حضرت علی) کیا مَیں ذرع کا آپ سے زیادہ ضرورت مند نہیں؟ اور آپ مجھ سے زیادہ درہم کے ضرورت مند نہیں ہیں؟ تو مَیں نے کہا ہاں، آپ (حضرت عثمان) نے فرمایا کہ یہ ذرع میری طرف سے آپ کی خدمت میں تحفہ ہے، تو مَیں ذرع اور درہم لے کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور ذرع اور درہم حضور ﷺ کے سامنے رکھ دیے، اور جو کچھ حضرت عثمان کے ساتھ میرا معاملہ پیش آیا تھا وہ حضور ﷺ کو بتایا تو حضور ﷺ نے حضرت عثمان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔

شیعی عالم عبداللہ الزنجانی نے حضرت علی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب کچھ لوگوں نے حضرت عثمان پر طعن کیا اور ان کو ''قرآن کا جلانے والا'' کہا، تو حضرت علی نے لوگوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مَیں تمہیں اللہ سے ڈراتا ہوں، خبردار عثمان کے معاملے میں غلو مت کرو اور خبردار ان کو ''حراق المصاحف'' (یعنی قرآن کریم کا جلانے والا) کہنے سے باز آؤ، اس لیے کہ انہوں نے جو کچھ بھی کیا وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے مشورے کے بعد ان کے سامنے ہی کیا۔ (۷)

ابن بابویہ قمی نے حضرات حسنین کریمین سے ایک حدیث روایت کی ہے جس میں حضرت عثمان بن عفان کی فضیلت کا بہ خوبی اظہار ہوتا ہے، اس روایت کا حضرات حسنین کریمین سے مروی ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ان حضرات کی نظر میں حضرت عثمان کا کیا مرتبہ ہے، ابن بابویہ قمی کی روایت کے مطابق حضرات حسنین کریمین حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان ابا بکر منی بمنزلة السمع و ان عمر منی بمنزلة البصر و ان عثمان منی

www.Qadri.info

بمنزلة الفؤاد (۸)

ابوبکر گویا میرے کان ہیں، عمر گویا میری آنکھیں ہیں اور عثمان گویا میرا دل ہیں۔

اہل تشیع کے مسلم الثبوت امام کلینی اپنی مشہور کتاب' الکافی' میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

ینادی مناد من السماء اول النهار الا ان علیا صلوٰت الله علیه و شیعته هم الفائزون قال وینادی مناد آخر النهار الا ان عثمان و شیعته هم الفائزون (۹)

ترجمہ: صبح کے وقت آسمان سے ایک منادی ندا کرتا ہے کہ حضرت علی اور ان کے اعوان وانصار ہی کامیاب ہیں، اور پھر شام کے وقت ایک منادی ندا دیتے ہوئے کہتا ہے کہ عثمان اور ان کے اعوان وانصار ہی کامیاب ہیں۔

اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نظر میں حضرت عثمان کی قدر ومنزلت کا اندازہ مذکورہ روایات سے بہ خوبی ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اہل بیت اطہار اور خانوادۂ عثمانیہ میں باہم رشتے کیے جاتے رہے، ناصر الدین ہلال نے ان بہت سے رشتوں کی تفصیل درج کی ہے جو اہل بیت اطہار اور حضرت عثمان کی اولاد کے درمیان منعقد ہوئے۔

حضرت امام حسین کی صاحبزادی حضرت سیدہ سکینہ کا نکاح حضرت عثمان کے پوتے زید بن عمرو بن عثمان کے ساتھ ہوا۔ حضرت امام حسین کی ایک دوسری صاحبزادی حضرت سیدہ فاطمہ کی شادی حضرت عثمان کے پرپوتے محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان کے ساتھ ہوئی۔ حضرت عثمان کے صاحبزادے حضرت آبان کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کی صاحبزادی ام کلثوم کے ساتھ ہوا۔ حضرت عثمان کے پوتے مروان بن آبان بن عثمان کا عقد حضرت حسن مثنی کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم بنت حسن مثنی بن امام حسن کے ساتھ ہوا، جن سے ایک صاحبزادے حضرت محمد بن مروان پیدا ہوئے۔ (۱۰)

نسبِ عثمانی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے قرابت:

حافظ ابن عبدالبر اپنی مشہور کتاب الاستیعاب بمعرفة الاصحاب میں حضرت عثمان کے نسب کے سلسلے میں جو معلومات فراہم کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عثمان کا نسب

حسب ذیل ہے: حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی۔ یعنی عبد مناف میں جا کر حضرت عثمان کا نسب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جا کر ملتا ہے۔

حضرت عثمان کی والدہ اروی ہیں جو کریز (بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی) کی صاحبزادی ہیں۔ گویا والدہ کی طرف سے بھی حضرت عثمان کا نسب عبد مناف میں جا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مل جاتا ہے۔ اس کے علاوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ایک اہم رشتہ یہ بھی ہے کہ حضرت عثمان کی نانی ام حکیم البیضا بنت عبد المطلب ہیں، گویا حضرت عثمان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پھوپھی کے نواسے ہیں۔ (۱۱)

ایمان عثمان:

حضرت عثمان غنی ''سابقین اولین'' میں سے ہیں، یہ اپنے اندر ایک بہت بڑا شرف ہے، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو اولین ایمان لانے والوں میں حضرت خدیجہ، حضرت ابو بکر صدیق، حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت زید بن حارثہ شامل ہیں، پھر حضرت ابو بکر نے اپنے مخصوص احباب کے سامنے دعوت اسلام پیش کی، ان مخصوص احباب میں سب سے پہلے حضرت عثمان غنی کا نام آتا ہے۔ اگر صرف مردوں کی بات کی جائے تو حضرت صدیق اکبر، حضرت علی اور حضرت زید ابن حارثہ کے بعد حضرت عثمان چوتھے مسلمان ہیں، اور اگر عمومی بات کی جائے تو حضرت خدیجہ الکبریٰ سمیت آپ پانچویں مسلمان ہیں۔

حضرت صدیق اکبر نے اسلام قبول کرنے کے بعد دوسروں کو اسلام کی تبلیغ کرنے کے لیے اجازت طلب کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اجازت مرحمت فرمائی کہ ابو بکر اپنے مخصوص احباب کو اللہ کے اس پیغام سے آگاہ کرو اور ان کو اللہ کے دین کی دعوت دو۔ صدیق اکبر نے اس سلسلے میں سب سے پہلے حضرت عثمان کا انتخاب کیا۔ آپ نے حضرت عثمان کو اسلام کی تبلیغ کی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امانت و دیانت، راست گوئی اور پاک بازی وغیرہ کی طرف توجہ دلائی، وہ بت جن کو قریش پوجتے تھے ان کے بے دست و پا ہونے اور نفع نقصان کا مالک نہ ہونے کا بیان کیا، اللہ کی توحید اور حضور اکرم کی رسالت کی جانب حکیمانہ پیرائے میں حضرت عثمان کو سمجھایا، صدیق اکبر کی گفتگو حضرت عثمان کے دل میں اتر گئی اور فوراً اسلام میں داخل ہونے کو تیار ہو گئے،

صدیق اکبر حضرت عثمان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں لے کر حاضر ہوئے اور حضرت عثمان کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

شدائد اور مصائب کا سامنا:

جب مکہ میں اسلام کی روشنی پھیلی اور رفتہ رفتہ کچھ لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے تو اس کے ساتھ ہی مشرکین کی جانب سے مخالفت بھی شروع ہوگئی، جو لوگ داخل اسلام ہو جاتے ان کے رشتے داران کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے، اس سلسلے میں تشدد اور سختی سے بھی باز نہ آتے۔

جب حضرت عثمان کے داخل اسلام ہونے کی خبر ان کے چچا حکم بن ابی العاص تک پہنچی تو اس نے آپ کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، آپ کسی طرح اس پر آمادہ نہ ہوئے تو حکم بن ابی العاص نے آپ کو ایک مکان میں قید کر دیا اور کہا کہ تم نے اپنے باپ دادا کا دین و مذہب ترک کر کے یہ نیا مذہب اختیار کر لیا ہے، جب تک تم اس نئے دین کو ترک نہیں کرو گے میں تمہیں آزاد نہیں کروں گا۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ اے چچا میں کسی بھی حال میں اسلام کو ترک کرنے والا نہیں ہوں۔ حکم نے دیکھا کہ اس قید و بند کا آپ پر کوئی اثر نہیں ہو رہا ہے اور آپ کے پائے استقلال میں ذرا بھی لغزش نہ آ رہی ہے، آخر کار اس نے آپ کو آزاد کر دیا۔ (۱۲)

دامادرسول:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار شہزادیاں تھیں، اس پر سب کا اتفاق ہے کہ سب سے بڑی شہزادی حضرت زینب ہیں، پھر حضرت رقیہ، پھر خاتون جنت حضرت فاطمہ، پھر حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہن ہیں، بعض حضرات نے خاتون جنت حضرت فاطمہ کو سب سے آخری شہزادی لکھا ہے۔ (۱۳)

اعلان نبوت سے قبل حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوا تھا، بعثت کے بعد قریش حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمنی پر آمادہ ہو گئے اور ہر طرح ایذا رسانی کے درپے ہوئے تو ابولہب نے اپنے بیٹے عتبہ پر زور ڈالا کہ حضور کی شہزادی حضرت رقیہ کو طلاق

www.Qadri.info

دے دے، اس نے طلاق دے دی- عتبہ سے طلاق کے بعد حضور اکرم ﷺ نے حضرت رقیہ کا نکاح حضرت عثمان سے کر دیا- حضرت عثمان اور حضرت رقیہ کے یہاں ایک صاحبزادے جناب عبداللہ کی ولادت ہوئی، انہی کی طرف نسبت کرتے ہوئے حضرت عثمان کی کنیت ابوعبداللہ ہوئی، لیکن یہ شہزادے کم سنی ہی میں وفات پا گئے-

ہجرت حبشہ:

جب کفار مکہ نے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تو اللہ نے مسلمانوں کو ہجرت کا حکم دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے حبشہ کی جانب ہجرت کا اشارہ کیا اور فرمایا کہ وہاں ایک ایسا بادشاہ (یعنی نجاشی) ہے، جس کی مملکت میں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا، چنانچہ مسلمانوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کا ارادہ کیا۔ ہجرت کرنے والوں میں سب سے پہلے حضرت عثمان اور حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں-

ابویعلی حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں میں سب سے پہلے حضرت عثمان غنی ہیں۔ جب حضرت عثمان نے ہجرت کی تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

صحبهما الله ان عثمان لاول من هاجر الى الله باهله بعد لوط (۱۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان دونوں میاں بیوی کے ساتھ ہو، یقیناً عثمان حضرت لوط علیہ السلام کے بعد وہ سب سے پہلے شخص ہیں جس نے اپنے اہل وعیال کے ساتھ اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہے-

حضرت عثمان کے علاوہ اور بھی بہت سے مسلمانوں نے مکہ سے حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی، کچھ عرصے وہاں رہنے کے بعد ایک خاص واقعے کی وجہ سے بہت سے مسلمان حبشہ سے مکہ واپس آ گئے- واپس آنے والوں میں حضرت عثمان اور آپ کی اہلیہ محترمہ شہزادئ رسول حضرت رقیہ بھی تھیں-

مدینہ منورہ کی جانب ہجرت:

بیعت عقبہ کے نتیجے میں مدینہ منورہ کے لوگ اسلام میں داخل ہوئے اور پھر مکہ سے مدینے

کی جانب ہجرت کا حکم آیا، چنانچہ حضرت عثمان اور آپ کی اہلیہ نے دوسری مرتبہ اللہ کی رضا اور خوش نودی کی خاطر مدینے منورہ کی جانب ہجرت کی، لہٰذا آپ کا شمار ان خوش نصیبوں میں ہوتا ہے جنہوں نے دو مرتبہ اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔

حضرت رقیہ کی وفات:

ہجرت کے دوسرے برس مسلمان مدینہ منورہ میں اولین معرکہ حق و باطل یعنی جنگ بدر کی تیاری کر رہے تھے، جنگ بدر کفر و اسلام کی پہلی با قاعدہ جنگ ہے، کم و بیش ۳۱۳ نفوس قدسیہ اپنی جان و مال کی قربانی دیتے ہوئے اللہ کے دین کے تحفظ و بقا کی خاطر میدان جہاد میں تھے، اسی دوران حضرت رقیہ کی طبیعت ناساز ہوگئی۔ آپ کی ناسازی طبع کے باعث حضور اکرم ﷺ نے حضرت عثمان کو حکم دیا کہ وہ حضرت رقیہ کی تیمارداری کریں اور جنگ بدر میں شرکت نہ کریں چنانچہ حضرت عثمان مدینہ منورہ ہی میں رک گئے، آپ کے ساتھ حضرت اسامہ بن زید کو بھی حضرت رقیہ کی تیمارداری کا حکم ہوا۔ ادھر اسلامی لشکر مشرکین مکہ کے خلاف داد شجاعت دے رہا تھا، اُدھر حضرت رقیہ کی طبیعت لحظہ بہ لحظہ خراب ہوتی جا رہی تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے میدان بدر میں مسلمانوں کو عظیم الشان فتح نصیب فرمائی، حضور اکرم ﷺ نے حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ بھیجا کہ وہ جا کر مدینہ منورہ میں مسلمان کی فتح و کامرانی کی خوش خبری سنا دیں۔ حضرت زید ابن حارثہ جب مدینہ منورہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ شہزادی رسول حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وفات پا چکی ہیں۔

بدر کی غنیمت سے حصہ:

جنگ بدر میں فتح و نصرت کے نتیجے میں بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے حصے میں آیا، حضور اکرم ﷺ نے تمام مجاہدین کے درمیان مال غنیمت تقسیم فرمایا، اس تقسیم میں آپ نے حضرت عثمان غنی کا بھی حصہ رکھا۔ یہ بھی حضرت عثمان کا ایک خاص اعزاز و امتیاز ہے کہ وہ حضور ﷺ کے حکم سے مدینہ منورہ میں رکے، جس کے نتیجے میں جنگ میں شریک نہ ہو سکے، لیکن جہاد میں شریک ہونے کے ثواب اور مال غنیمت سے آپ کو محروم نہ رکھا گیا بلکہ مجاہدین بدر کے ساتھ ساتھ مال غنیمت سے آپ کو حصہ عطا فرمایا گیا۔

حضرت ام کلثوم سے نکاح:

حضرت رقیہ کے وصال کے بعد حضور اکرم ﷺ نے اپنی دوسری شہزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضرت عثمان کا نکاح فرمادیا-بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت رقیہ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ چاہتے تھے کہ ان کی صاحبزادی حضرت حفصہ کا نکاح حضرت عثمان سے کردیا جائے-حضرت عمر نے حضرت عثمان سے اس بارے میں کہا تو حضرت عثمان نے اس رشتے سے آمادگی کا اظہار نہیں کیا-حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے اس بارے میں عرض کیا، حضور اکرم نے ارشاد فرمایا کہ عمر اللہ چاہے گا تو حفصہ کو عثمان سے بہتر شوہر ملے گا اور عثمان کو حفصہ سے بہتر بیوی ملے گی، چنانچہ حضرت حفصہ حضور اکرم ﷺ کے عقد میں آئیں اور ام المؤمنین کے مرتبے پر فائز ہوئیں-

حضرت ام کلثوم کی وفات:

قضاو قدر الٰہی کے تحت حضرت ام کلثوم کا وقت آخر آگیا اور آپ بھی اچانک وفات فرما گئیں، آپ کی وفات سنہ ۹ ہجری میں ہوئی-حضرت ام کلثوم کی وفات حضور اکرم ﷺ اور حضرت عثمان غنی دونوں کے لیے ایک عظیم صدمہ تھی-حضرت ام کلثوم کی وفات کے بعد حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میری کوئی اور بیٹی ہوتی تو اس کی شادی بھی عثمان سے کردیتا-روایات میں آتا ہے کہ انبیا کی تاریخ میں حضرت عثمان وہ واحد شخص ہیں جن کے نکاح میں کسی نبی کی یکے بعد دیگرے دو صاحبزادیاں آئی ہوں، یہ اعزاز صرف اور صرف حضرت عثمان کے حصے میں آیا ہے-

ازواج اور اولاد امجاد:

جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ حضرت عثمان کے عقد میں یکے بعد دیگرے حضور اکرم ﷺ کی دو شہزادیاں آئیں، ان کے علاوہ بھی مختلف اوقات میں مختلف خواتین آپ کے عقد میں رہیں اور ان سے اولاد بھی ہوئی، جن کے ذریعے نسل عثمانی آگے چلی-

ماہرین انساب نے آپ کی مندرجہ ذیل ازواج کا تذکرہ کیا ہے-

(۱) شہزادئ رسول حضرت سیدہ رقیہ

(۲) شہزادئ رسول حضرت سیدہ ام کلثوم

(۳) ام البنین فزاریۃ

(۴) فاطمہ بنت الولید مخزومی

(۵) ام عمرو بنت جندب دوسی

(۶) رملہ بنت شیبہ الاموی

(۷) نائلہ بنت الفرافصہ -(۱۵)

آپ کے نو صاحبزادوں کا ذکر تاریخ وسیر کی کتابوں میں ملتا ہے-

(۱) عبداللہ (اکبر) آپ بنت رسول حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے تھے کم سنی ہی میں وفات ہوئی-

(۲) عبداللہ (اصغر)

(۳) سعید- آپ فاطمہ بنت الولید کے بطن سے ہیں-

(۴) عمرو- آپ ام عمرو بنت جندب کے بطن سے ہیں-

(۵) عمر- آپ کی والدہ بھی ام عمرو بنت جندب ہیں-

(۶) آبان- آپ کی والدہ ام عمرو بنت جندب دوسی ہیں-

(۷) ولید بن عثمان بن عفان

(۸) خالد بن عثمان

(۹) عبدالملک بن عثمان (۱۶)

سخاوتِ عثمانی:

حضرت عثمان کے بے شمار ذاتی اور شخصی فضائل وکمالات میں آپ کی سخاوت اور دریادلی ایک خاص مقام رکھتی ہے، جب جب اسلام اور مسلمانوں پر کوئی ایسا وقت آیا جب اللہ کے دین کو مالی قربانی کی ضرورت ہوئی تو حضرت عثمان اپنی بے پناہ دولت کے ساتھ شان سخاوت دکھاتے ہوئے نظر آتے ہیں، آپ کی سخاوت اور غنا آپ کے ایسے اوصاف ہیں جن میں آپ منفرد شان سے نظر آتے ہیں- یوں تو حضور اکرم ﷺ کی ظاہری حیات مبارکہ، آپ کے پردہ فرمانے

کے بعد عہد صدیقی و فاروقی میں اور پھر حضرت عثمان غنی کے عہد خلافت میں ایسے بے شمار مواقع آئے، جن میں آپ نے اللہ کی راہ میں اپنا مال بے دریغ قربان کیا، لیکن ان میں چند مواقع خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں، ان میں بئر رومہ کو خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کرنا اور غزوہ تبوک کے موقع پر جیش عسرت کو ساز و سامان سے آراستہ کرنا بہت اہمیت رکھتے ہیں- یہاں ہم ان دونوں مواقع کا تذکرہ کریں گے-

غزوۂ تبوک اور سخاوت عثمانی:

غزوہ تبوک حضور اکرم ﷺ کی ظاہری حیات مبارکہ میں ہونے والا آخری غزوہ تھا، یہ غزوہ مدینہ طیبہ سے سیکڑوں میل دور تبوک کے مقام پر رومیوں کی فوج کے مقابلے میں ماہ رجب سنہ ۹ ہجری میں وقوع پذیر ہوا- یہ جنگ کن حالات اور کن دشوار گزار مراحل کے بعد پیش آئی اس کی تصویر کشی کرتے ہوئے پیر کرم شاہ ازہری رقم طراز ہیں:

> تبوک کی جنگ عام قسم کی جنگ نہ تھی، بلکہ ہر پہلو سے یہ بے مثال جنگ تھی، مدینہ طیبہ سے میدان جنگ دس بیس یا پچاس ساٹھ میل کی مسافت پر نہ تھا بلکہ سات سو کلومیٹر اور ایک روایت کے مطابق نو سو کلومیٹر پر تبوک کا شہر واقع تھا، جہاں یہ جنگ لڑی جانے والی تھی اور یہ فاصلہ لق و دق صحراؤں اور بے آب و گیاہ میدانوں سے ہو کر گزرتا تھا۔ مجاہدین اسلام کے پاس نہ خورد و نوش کے اطمینان بخش ذخائر تھے اور نہ مجاہدین کی سواری کے لیے معقول انتظام تھا۔(۱۷)

حالات کا ایک رخ یہ تھا جو آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ دوسری طرف موسم بھی اتنا سخت تھا کہ ایسے موسم میں صحرا کا سفر کرنا خود ایک بہت دشوار گزار مرحلہ تھا، پیر کرم شاہ ازہری کے الفاظ میں:

> وہ موسم جس میں یہ جنگ پیش آئی تھی سخت گرمیوں کا موسم تھا گرم لو چلتی تھی تو جسم کی کھال کو جلا کر رکھ دیتی تھی، صحرائے عرب کا سورج سارا دن ایسی آتشیں کرنیں برساتا تھا کہ زمین تانبے کی طرح تپ جایا کرتی تھی۔(۱۸)

اس کے علاوہ اس جنگ کی اہمیت اور اس معرکے کی دشواریوں کا ایک تیسرا پہلو بھی تھا، پیر کرم شاہ اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

www.Qadri.info

لشکر اسلام کا مقابلہ کسی صحرائی قبیلے سے نہ تھا جس کے جوانوں کی تعداد چند سو یا چند ہزار تھی بلکہ یہاں مقابلہ سلطنت روم سے تھا جو اس وقت کی دو عالمی طاقتوں میں سے ایک طاقت تھی، جس نے ابھی ابھی اپنی حریف عالمی طاقت (سلطنت ساسان) کو زبردست شکست دی تھی۔ جس کے پاس جدید اسلحے کے انبار تھے اور فوج کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی۔(۱۹)

جنگ کی تیاری شروع ہوئی، حضور اکرم ﷺ نے اعلان عام فرمایا کہ مسلمان اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اللہ کی راہ میں اپنا مال قربان کرتے ہوئے اس لشکر کی تیاری اور اس کو ساز وسامان سے آراستہ کرنے کے لیے آگے بڑھیں۔ اس اعلان نبوی کو سنتے ہی صحابہ نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق بڑھ چڑھ کر دست تعاون دراز کیا۔ اس موقع پر حضرت عثمان غنی نے بے مثال قربانی کا ثبوت دیا اور زبان نبوی سے بے مثال خوش خبری پائی۔

امام ترمذی سنن میں اور امام احمد بن حنبل مسند میں حضرت عبدالرحمن سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضور اکرم ﷺ صحابہ کو جیش عسرت کی تیاری کی خاطر مال دینے کی ترغیب فرما رہے تھے تو حضرت عثمان کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ سو اونٹ مع ساز وسامان کے میرے ذمے ہیں، حضور ﷺ اس پر خوش ہوئے اور صحابہ کو مزید ترغیب فرمانے لگے، حضرت عثمان غنی پھر کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ۲۰۰/ اونٹ مع ساز وسامان کے میرے ذمے ہیں، حضور اکرم ﷺ لوگوں کو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی مزید ترغیب فرماتے رہے تو حضرت عثمان نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ تین سو اونٹ مع ساز وسامان کے میں پیش کروں گا، حضرت عثمان کی یہ پیش کش سن کر حضور سرور کائنات ﷺ منبر سے نیچے تشریف لائے اور دو مرتبہ فرمایا کہ اب اس کے بعد عثمان جو کچھ بھی کریں ان سے کوئی مؤاخذہ نہیں ہے۔

تین سو اونٹ مع ساز وسامان کے اللہ کی راہ میں دینے کے بعد بھی حضرت عثمان کا جذبۂ ایثار وقربانی سرد نہ پڑا، بلکہ آپ ایک ہزار دینار اور لے کر آئے اور ان دیناروں کو حضور اکرم ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا۔ امام ترمذی کی روایت کے مطابق حضور اکرم ﷺ اپنے

دونوں مبارک ہاتھوں سے ایک ہزار دینار کے اس ڈھیر کو الٹ پلٹ رہے تھے اور ارشاد فرما رہے تھے کہ **لا یضر عثمان ما فعل بعدھا** (اس کے بعد عثمان کا کوئی عمل ان کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔)

حافظ ابن عبد البر نے 'الاستیعاب' میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عثمان نے نو سو پچاس اونٹ اور پچاس گھوڑے جیش عسرت کے لیے پیش کیے تھے۔(۲۰)

ابونعیم نے 'حلیۃ الاولیا' میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان نے ایک ہزار اونٹ، پچاس گھوڑے اور دس ہزار دینار جیش عسرت کے لیے نذر کیے تھے (۲۱) ابونعیم کی روایت کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان غنی کی اس قربانی سے خوش ہو کر ارشاد فرمایا:

ما ضر عثمان ما عمل به بعد الیوم اللھم ارض عن عثمان فانی عنه راض

ترجمہ: آج کے بعد عثمان کا کوئی کام انہیں نقصان نہیں پہنچائے گا، اے پروردگار! مَیں عثمان سے راضی ہوں تو بھی عثمان سے راضی ہو جا۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ''عثمان نے اللہ کے رسول سے دو مرتبہ جنت خریدی ہے، ایک مرتبہ اس وقت جب آپ نے بئر رومہ خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف فرما دیا تھا اور دوسری مرتبہ اس وقت جب آپ نے جیش عسرت کے لیے ساز و سامان کا انتظام فرمایا۔

بئر رومہ:

مدینہ منورہ میں ایک یہودی کا کنواں تھا، وہ یہودی مسلمانوں کو اس کا پانی فروخت کرتا تھا اور لوگوں کو پریشان کیا کرتا تھا، لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں اس بات کی شکایت کی، آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مسلمانوں کے لیے بئر رومہ کو خریدے گا تو اس کنویں کے بدلے جنت میں نہر دی جائے گی۔ یہ سن کر حضرت عثمان غنی اس یہودی کے پاس گئے اور کنواں خریدنے کا ارادہ ظاہر فرمایا، کافی مول بھاؤ کے بعد وہ آدھا کنواں بیچنے پر راضی ہو گیا، یعنی ایک دن حضرت عثمان اس سے پانی لیں گے اور ایک دن وہ یہودی اس سے پانی نکالے گا۔ یہ آدھا کنواں بارہ ہزار درہم میں خرید کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! مَیں نے بئر رومہ خرید لیا ہے اور مَیں جنت کے بدلے اس کو مسلمانوں

کے لیے وقف کرر ہا ہوں- یہ سن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان کے حق میں دعا فرمائی-

کنویں سے ایک دن مسلمان پانی بھرتے اور ایک دن وہ یہودی اس کو اپنے استعمال میں لاتا، مسلمان اپنے دن میں اتنا پانی جمع کر لیتے کہ انہیں دوسرے دن اس یہودی سے پانی خرید نے کی حاجت ہی نہ ہوتی، جب یہودی نے یہ معاملہ دیکھا تو حضرت عثمان کو کنویں کا باقی آدھا حصہ بھی بیچنے کے لیے تیار ہو گیا، چنانچہ حضرت عثمان نے باقی آدھا حصہ ۸/ ہزار درہم میں خرید کر پورے کنویں کو مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا-(۲۲)

حضرت عثمان کی دس خصوصیات:

ابن عساکر نے حضرت ابوثور سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا میں حضرت عثمان کے پاس آیا اس وقت آپ محصور تھے، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں میری دس خصلتیں محفوظ ہیں:

(۱) میں اسلام لانے والا چوتھا شخص ہوں-

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کی شادی مجھ سے کی-

(۳) جب ان کی وفات ہوگئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی میرے نکاح میں دی-

(۴) میں نے کبھی گانا بجانا نہیں کیا-

(۵) میں نے کسی برائی کی تمنا اور خواہش نہیں کی-

(۶) جب سے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی ہے اپنا دایاں ہاتھ شرم گاہ کو نہیں لگایا-

(۷) اسلام لانے کے بعد میں نے ہر جمعے کو غلام آزاد کیا، اگر میرے پاس اس دن کوئی چیز نہیں ہوتی تو اس کے بعد آزاد کر دیتا-

(۸) زمانہ جاہلیت اور مابعد اسلام میں نے کبھی بدکاری نہیں کی-

(۹) میں نے کبھی چوری نہیں کی، نہ زمانہ جاہلیت میں نہ اسلام لانے کے بعد-

(۱۰) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کے مطابق میں نے قرآن جمع کیا-(۲۳)

www.Qadri.info

صلح حدیبیہ اور عثمانی سفارت:

سنہ ٦ ہجری ماہ ذی قعدہ میں حضور اکرم ﷺ نے عمرے کا ارادہ فرمایا، مسلمانوں نے مدینہ منورہ سے مکہ کوچ کرنے کی تیاری شروع کردی، آس پاس کے مسلمان قبائل کو بھی خبر کردی گئی کہ حضور اکرم ﷺ اپنے جاں نثار صحابہ کے ساتھ مکے شریف کا قصد کرنے والے ہیں، لہٰذا یہ خبر سن کر قرب وجوار کے مسلم قبائل کے بہت سے افراد بھی سفر کے لیے تیار ہوگئے، بالآخر ایک ذی قعدہ کو یہ کاروان شوق بیت اللہ کے قصد سے روانہ ہوا، اہل سیر نے لکھا ہے اس قافلے کے شرکا کی تعداد ۱۴ر سو سے کم نہیں تھی اور ۱۵ر سو سے زیادہ نہیں تھی، چوں کہ اس سفر سے مسلمانوں کا مقصد محض عمرہ کرنا تھا، اس کے علاوہ اور کوئی مقصد مکہ جانے کا نہ تھا، لہٰذا مسلمانوں کے پاس سامان جنگ بھی برائے نام ہی تھے، ان کے ساتھ قربانی کے جانور بھی تھے، ذوالحلیفہ پہنچ کر حضور اکرم ﷺ نے عمرے کا احرام باندھا- راہ میں حضور اکرم ﷺ نے حضرت بشر بن سفیان کو مکہ روانہ کیا کہ وہ وہاں جا کر قریش کے حالات کا جائزہ لیں اور واپس آ کر حضور اکرم ﷺ کو مکہ کے حالات سے باخبر کریں-

ادھر جب مشرکین مکہ کو یہ خبر ملی کہ حضور اکرم ﷺ ۱۵ر سو جاں نثاروں کا قافلہ لے کر مکہ کی طرف آرہے ہیں تو انہوں نے یہ گمان کیا کہ کہیں مسلمانوں کا مقصد مکہ پر قبضہ کرنے کا نہ ہو، اور کہیں یہ کوئی جنگی چال تو نہیں کہ بہ ظاہر عمرے کا بہانہ ہے مگر مسلمانوں کا حقیقی مقصد ہمیں شکست دے کر مکہ پر قبضہ کرنا ہے۔ اس خیال سے قریش مکہ میں تشویش کی لہر دوڑ گئی، باہم مشورت کی گئی اور بالاتفاق طے کیا گیا کہ ہم مسلمانوں کو عمرہ نہیں کرنے دیں گے- مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے قریش نے اپنے طور پر کچھ انتظامات بھی کر لیے-

ادھر بشر بن سفیان اہل مکہ کے اس ارادے کی خبر لے کر حضور اکرم ﷺ سے جا ملے اور آپ کو حالات سے باخبر کیا، مسلمانوں کا قافلہ مکہ کے قریب حدیبیہ کے مقام پر فروکش ہوا، جب قریش کو خبر ہوئی کہ اسلامی لشکر حدیبیہ کے مقام تک پہنچ چکا ہے تو انہوں نے اپنے بعض ذمہ داروں کو مسلمانوں سے گفتگو کرنے کے لیے بھیجا، مسلمانوں نے ان سفیروں کو لاکھ سمجھایا کہ ہم یہاں لڑائی کے لیے نہیں آئے ہیں بلکہ ہم محض عمرے کی نیت سے آئے ہیں، ہمارے پاس ہتھیار

بھی نہیں ہیں اور قربانی کے جانور ہمارے ساتھ ہیں، تم ہمیں مکے میں داخل ہو کر عمرہ کرنے کی اجازت دے دو، عمرہ کر کے ہم واپس چلے جائیں گے، لیکن قریش کو کچھ ایسی بدگمانی تھی کہ وہ کسی طور مطمئن نہ ہوتے تھے، جب قریش کی یہ سفارت ناکام ہوئی تو مسلمانوں نے طے کیا کہ ہم میں سے کوئی سفیر مکہ جا کر قریش کو سمجھائے تاکہ کوئی درمیانی صورت نکل سکے۔

اس مہم کے لیے حضرت عمر فاروق کا انتخاب ہوا، مگر آپ نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ میرے دل میں مشرکین مکہ کے لیے جو بغض وعداوت ہے وہ اس سے اچھی طرح باخبر ہیں، میرے خاندان بنی عدی کا کوئی آدمی وہاں موجود نہیں جو آڑے وقت میں میری مدد کرے، مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے نقصان پہنچائیں گے، میری تجویز یہ ہے کہ حضور اگر حضرت عثمان کو اپنا سفیر بنا کر بھیجیں تو ان کی کامیابی کے امکانات زیادہ روشن ہیں، ان کے خاندان کے کافی افراد وہاں موجود ہیں اور وہ اثر ورسوخ کے مالک ہیں، ان پر کوئی دست درازی کرنے کی جرأت نہیں کرے گا، نیز وہ لوگ ان کی بات توجہ سے سنیں گے۔'' (۲۴)

چنانچہ حضرت عثمان غنی اس مہم پر روانہ ہوئے۔

حضرت عثمان کا عشق رسول:

آدمی مکہ مکرمہ میں موجود ہو، خانہ کعبہ اس کے سامنے ہو تو کسی مسلمان کا دل کیسے گوارا کرے گا کہ وہ خانہ کعبہ کا طواف کیے بغیر واپس آ جائے، جب حضرت عثمان مکے میں قریش سے گفتگو فرما رہے تھے تو اہل مکہ نے کہا کہ ''عثمان جب تم مکہ تک آ ہی گئے ہو تو ہم تمہیں طواف کرنے سے نہیں روکیں گے، تم اگر چاہو تو بیت اللہ کا طواف کر سکتے ہو''، قریش کی اس پیش کش کے جواب میں حضرت عثمان نے بڑا ایمان افروز جواب دیا۔ آپ نے فرمایا:

ما کنت لافعل حتیٰ یطوف بہ رسول اللہ ﷺ (۲۵)

ترجمہ: میں اس وقت تک طواف نہیں کر سکتا جب تک اللہ کے رسول ﷺ کعبے کا طواف نہیں کر لیتے۔

یہاں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ اُدھر حضرت عثمان مشرکین مکہ کو یہ جواب

دے رہے تھے، اِدھر بعض صحابہ کے دل میں یہ بات آئی کہ حضرت عثمان کتنے خوش نصیب ہیں کہ انہیں بیت اللہ کے طواف کا موقع میسر آ گیا، جب حضرت عثمان سفارت کاری کی مہم سے واپس حدیبیہ کے مقام پر تشریف لائے تو بعض صحابہ نے کہا کہ اے عثمان! آپ نے تو طواف ادا کرلیا ہوگا؟ اس سوال کے جواب میں حضرت عثمان نے جو بات ارشاد فرمائی وہ علامہ ابن قیم کے الفاظ میں یہ ہے:

بئسما ظننتم بی والذی نفسی بیدہ لو مکثت بھا سنۃ و رسول اللہ ﷺ مقیم بالحدیبیۃ ما طفت بھا حتیٰ یطوف بھا رسول اللہ ﷺ

ترجمہ: تم نے میرے بارے میں بہت برا گمان کیا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر مَیں مکہ میں ایک سال بھی رہتا اور حضور ﷺ حدیبیہ میں تشریف فرما رہتے تو مَیں ہرگز کعبے کا طواف نہ کرتا جب تک کہ میرے آقا علیہ السلام طواف نہ کر لیتے ۔(۲۶)

بیعت رضوان اور حضرت عثمان کا ایک امتیاز:

جب حضرت عثمان مکہ میں تھے، اسی دوران کسی طرح حدیبیہ میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ مشرکین مکہ نے حضرت عثمان کو شہید کر دیا ہے۔ مسلمانوں کو اس خبر سے سخت رنج وایذا لاحق ہوئی کہ ہم تو پرامن طریقے سے عمرے کے ارکان ادا کرنے آئے تھے مگر اہل مکہ نے شرارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ ہمیں عمرہ کرنے سے روک دیا بلکہ ہمارے سفیر کو بھی شہید کر دیا، حضور اکرم ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ ہم عثمان کے خون کا بدلہ لیے بغیر یہاں سے نہ جائیں گے، آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ سب لوگ میرے ہاتھ پر جہاد کی بیعت لیں۔ چنانچہ صحابہ جوق در جوق حاضر ہوئے اور آپ کے دست اقدس پر بیعت کی، ان بیعت کرنے والوں کو اللہ رب العزت کی جانب سے ''مرتبۂ رضوان'' سے سرفراز فرمایا گیا، یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان مؤمنین سے راضی ہوگیا جنہوں نے (حدیبیہ کے مقام پر) درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی (۲۷)، اسی وجہ سے اس بیعت کو ''بیعت رضوان'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ تمام جاں نثار صحابہ جب حضور اکرم کے دست اقدس پر بیعت کر چکے تو

حضور سرور عالم ﷺ نے اپنا داہنا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا اور خود حضرت عثمان غنی کی جانب سے بیعت لی- گویا حضور نے اپنے ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دیا، یہ ایک بہت عظیم شرف ہے جو حضرت عثمان غنی کے حصے میں آیا-

عہد صدیقی وفاروقی میں شان عثمانی:

خلیفہ اول صدیق اکبر حضرت ابوبکر صدیق اور خلیفہ دوم فاروق اعظم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہد خلافت میں حضرت عثمان غنی ان دونوں حضرات کے معتمد علیہ، راز دار، جنگی اور انتظامی معاملات میں ان کے مشیر خصوصی اور دست راست کی حیثیت سے اسلام اور مسلمانوں کی مخلصانہ خدمات انجام دیتے رہے- عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں جب بھی کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا اور اس کے لیے ان حضرات کو صائب مشورے کی ضرورت ہوتی تو اجلہ صحابہ سے رائے طلب کی جاتی، ان میں حضرت عثمان غنی کو ضرور شامل کیا جاتا- اسلام میں آپ کی اولیت، مسلمانوں کے لیے بے مثال مالی قربانیوں، رسول اللہ ﷺ کے قرابت، ذاتی عقل وتدبر اور فہم وفراست کی بنیاد پر ہر دو خلفا آپ کی رائے کو بڑی اہمیت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے- آپ کی جود وسخا اور بذل وعطا کا سلسلہ ان دونوں حضرات کے عہد خلافت میں بھی اسی شان وشوکت سے جاری رہا جیسے آپ حضور اکرم ﷺ کے سامنے اسلام اور مسلمانوں کے لیے قربانیاں پیش کرتے تھے-

ایک مرتبہ عہد صدیقی میں سخت قحط پڑا، انسان وحیوان سب پریشان ہوگئے، کھیتیاں سوکھ گئیں، خشک سالی کی وجہ سے ہر آدمی پریشان حال تھا، اسی دوران آپ کا ایک تجارتی قافلہ کہیں باہر سے آیا جو اشیائے خورد ونوش سے لدا ہوا تھا، جب خبر مدینے میں عام ہوئی کہ حضرت عثمان کا تجارتی قافلہ آیا ہے اور اس میں وافر مقدار میں اشیائے خورد ونوش موجود ہیں تو مدینے کے تاجر آپ کے پاس آئے اور قافلے کے تمام سامان کو خریدنے کی پیش کش کرتے ہوئے اس سامان کی بہت مناسب قیمت لگائی- آپ نے فرمایا کہ قیمت کم ہے اور اضافہ کرو کیوں کہ مجھے ایک جگہ سے اس سے زیادہ قیمت مل رہی ہے، ان تاجروں نے موقع کی نزاکت کو محسوس کیا کہ اس وقت قحط کا سامنا ہے، ہر آدمی ہر یشان ہے لہٰذا ایسے وقت میں ہم اس سامان کو منھ مانگی قیمت پر

فروخت کر سکتے ہیں- یہ سوچ کر ان تاجروں نے سامان کی قیمت اور بڑھا دی، حضرت عثمان نے فرمایا کہ یہ بھی کم ہے، مجھے ایک جگہ سے اس سے بھی زیادہ قیمت مل رہی ہے۔ ان تاجروں نے قیمت اور بڑھا دی، مگر حضرت عثمان نے پھر یہی فرمایا کہ یہ قیمت بھی کم ہے مجھے اس سے بھی زیادہ قیمت مل رہی ہے، آخر ان تاجروں نے کہا کہ مدینے میں ہمارے علاوہ اور ایسا کون تاجر ہے جو آپ کو اتنی قیمت دے رہا ہے، کیوں کہ مدینے کے جتنے نامور تجار ہیں سب یہیں موجود ہیں- آپ نے فرمایا کہ میں نے یہ سارا مال اللہ کی راہ میں دے دیا ہے اور وہ مجھے اس کی بیش بہا قیمت عطا فرمائے گا- یہ فرما کر آپ نے قافلے کا سارا سامان مدینے کے فقرا کے لیے مخصوص کر دیا اور اعلان کروا دیا کہ لوگ آئیں اور اپنی ضرورت کے لیے سامان خورد ونوش یہاں سے مفت لے جائیں

یہی وہ ادائے سخاوت اور شان غنا ہے جس کی وجہ سے دنیا آج بھی آپ کو عثمان غنی کہہ کر یاد کرتی ہے اور جود وسخا کے باب میں آپ کا نام ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے-

خلافت عثمانی:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ کے انتخاب کے لیے ۶/ اجلہ صحابہ کرام پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ تشکیل دی اور فرمایا یہ ۶/ افراد باہم مشورہ کر کے مسلمانوں کا خلیفہ منتخب کریں گے- مجلس شوریٰ مندرجہ ذیل صحابہ کرام پر مشتمل تھی:

(۱) حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالی عنہ

(۲) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالی عنہ

(۳) حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالی عنہ

(۴) حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالی عنہ

(۵) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ

(۶) حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ

حضرت عمر نے فرمایا:

ان یرد اللہ بکم خیراً یجمعکم علی خیر ھؤلاء کما جمعکم علی خیر کم

بعد نبیکم ﷺ (۲۸)

ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمایا تو ان میں سے سب سے بہتر کے اوپر تمہیں جمع فرمادے گا، جیسا کہ تمہارے نبی کے بعد تم میں سے سب سے بہتر کے اوپر تمہیں جمع کر دیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت صہیب رومی کو وصیت فرمائی کہ وہ ان کے بعد تین روز تک نماز کی امامت فرمائیں، ان تین روز میں خلیفہ کا انتخاب عمل میں آجائے گا۔

آخر کار حضرت عمر کا وقت موعود آگیا، حضور اکرم ﷺ نے آپ کو شہادت کی بشارت دی تھی، حضور کا فرمان ہو کر رہا اور آپ ایک بدبخت کے ہاتھوں زخمی ہو کر درجہ شہادت سے بہرہ ور ہوئے۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت صہیب رومی نے پڑھائی۔ آپ کی تدفین سے فراغت کے بعد مجلس شوریٰ کا اجلاس منعقد ہوا۔ حضرت مقداد بن اسود نے حضرت مسور بن مخرمہ کے مکان پر اصحاب شوریٰ کو جمع کیا، بعض روایات کے مطابق یہ اجلاس حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرے میں ہوا، بعض نے کہا کہ بیت المال میں جمع ہوئے، بعض روایات کے مطابق ضحاک بن قیس کی بہن حضرت فاطمہ بنت قیس کے مکان میں جمع ہوئے۔ صلاح و مشورے کے بعد مجلس شوریٰ کے تین حضرات باقی تین حضرات کے حق میں دست بردار ہو گئے۔ حضرت زبیر بن عوام نے اپنا حق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو تفویض کر دیا، حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت عبدالرحمن بن عوف کے حق میں دست بردار ہو گئے اور حضرت حضرت طلحہ نے حضرت عثمان کو اپنا حق دے دیا۔ اب ان تین حضرات یعنی حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان خلیفہ کا انتخاب ہونا قرار پایا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ خلافت کے معاملے سے خود کو بھی دست بردار کرتا ہوں، اب آپ دونوں (یعنی حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما) میں سے جو افضل ہو گا اس کو خلیفہ چن لیا جائے گا۔ آپ نے ان دونوں حضرات کو مخاطب کر کے ان کے فضائل اور خصائص پر تفصیلی روشنی ڈالی اور ان دونوں حضرات سے عہد و میثاق لیا کہ اگر ان میں سے کسی کو خلیفہ چنا گیا تو وہ عدل و انصاف سے کام لیں گے اور اگر ان کے غیر کو خلیفہ چنا گیا تو وہ اس کی اطاعت کریں گے۔ (۲۹)

طبری کی روایت ذرا مختلف ہے، وہ کہتے ہیں کہ اہم شوریٰ نے متفقہ طور پر خلیفہ کے انتخاب کا معاملہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کر دیا کہ مسلمانوں میں جو بہتر ہو اس کو خلیفہ نامزد کر دیں۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہم شوریٰ اور دیگر اصحاب رائے سے صلاح ومشورہ کیا، تمام لوگوں کا رجحان حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب ہی معلوم ہوا۔ حضرت عمار بن یاسر اور حضرت مقداد نے حضرت علی کے حق میں رائے دی۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے تنہائی میں خود حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ اگر آپ کے علاوہ کسی اور کو خلیفہ بنانا ہو تو آپ کس کی طرف اشارہ کریں گے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ عثمان کی جانب۔ یہی سوال حضرت ابن عوف نے تخلیے میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''علی کی جانب۔'' حضرت عمر کے وصال کے بعد تین دن گزر کر جو چوتھا دن طلوع ہوا تو حضرت عبدالرحمن بن عوف نے مسلمانوں کو مسجد میں جمع کیا، منبر رسول پر تشریف لے گئے، حمد وثنا کے بعد کافی دیر تک دعا کرتے رہے، اس کے بعد آپ نے حضرت عثمان کو آگے بلا کر ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی، آپ کی بیعت کے فوراً بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کی، اس کے بعد لوگ جوق در جوق آتے گئے اور حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت ہوتے گئے۔ (۳۰)

اس طرح بلا کسی اختلاف کے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۃ المسلمین منتخب کیے گئے۔

خلافت عثمانی کے بعض اہم واقعات:

حضرت عثمان کی خلافت محرم سنہ ۲۴ھ سے لے کر آپ کی شہادت ذی الحجہ سنہ ۳۵ھ تک رہی، ان ۱۲/ برسوں میں سے ابتدائی چھ برس نہایت سکون واطمینان، ترقی، خوش حالی، فتوحات اور امن وامان سے گزرے، بعد کے چھ برسوں میں سبائی فتنے اور یہودی سازشوں کی وجہ سے انتشار واضطراب رونما ہوا جو بالآخر حضرت عثمان غنی کی شہادت پر ختم ہوا۔ ابتدائی چھ برسوں میں اور بعد میں بھی اسلام کی عزت وشوکت میں اضافہ ہوا، اسلامی فتوحات کا دائرہ بڑھا اور متعدد

پہلوؤں سے متعدد تعمیری کام انجام پائے۔عہد خلافت عثمانی کے بعض اہم واقعات درج ذیل ہیں:

۲۴ ہجری/ خلافت کا پہلا سال: خلافت کے پہلے سال یعنی سنہ ۲۴ھ میں ''رے'' فتح ہوا۔اس سال ایک عجیب بیماری پھیلی جس میں ناک سے خون جاری ہوجاتا تھا، خود حضرت عثمان بھی اس مرض کا شکار ہوئے، جس کے سبب آپ نے حج کا ارادہ ملتوی کردیا۔اسی سال حضرت عثمان نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کو کوفے کے گورنر کے منصب سے معزول کیا اور ان کی جگہ حضرت سعد بن ابی وقاص کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔

۲۵ ہجری/ خلافت کا دوسرا سال: اس آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو معزول کر کے کوفے کے گورنر کی حیثیت سے حضرت ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو مقرر کیا۔یہ بھی صحابئ رسول تھے اور والدہ کی جانب سے حضرت عثمان کے بھائی تھے۔

۲۶ ہجری/ خلافت کا تیسرا سال: حجاج کی کثرت کو دیکھتے ہوئے مسجد حرام میں توسیع واضافے کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی تھی، سنہ ۲۶ ہجری یعنی اپنی خلافت کے تیسرے سال آپ نے مسجد حرام کے اردگرد کے کئی مکانات خریدے اور ان کو مسجد حرام میں شامل کر کے مسجد کی توسیع فرمائی۔

۲۷ ہجری/ خلافت کا چوتھا سال: اس سال حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں اسلامی لشکر نے قبرص پر حملہ کیا، یہ لشکر سمندری راستے سے گیا تھا، یہ پہلا اسلامی لشکر تھا جو سمندری جہاز کے ذریعے جہاد پر نکلا تھا۔

۲۹ ہجری/ خلافت کا چھٹا سال: اس سال اصطخر، فسا اور بعض دیگر ممالک فتح ہوئے۔اسی سال حضرت عثمان نے مسجد نبوی کی توسیع کروائی۔اس توسیع کے بعد مسجد نبوی کی لمبائی ۱۶۰ رگز اور چوڑائی ۱۵۰ رگز ہوگئی۔

۳۰ ہجری/ خلافت کا ساتواں سال: اس سال کئی اہم شہر فتح ہوکر مملکت اسلامیہ میں داخل ہوئے، طوس، مرو سرخس، خراسان اور نیشاپور وغیرہ فتح ہوئے، ان فتوحات سے بے پناہ مال غنیمت حاصل ہوا، لہٰذا مسلمانوں میں خوش حالی کا دور شروع ہوا۔

۳۲ ہجری/ خلافت کا نواں سال: اس سال کئی جلیل القدر صحابہ نے وصال فرمایا، حضرت

عباس بن عبدالمطلب، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابوالدردا رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اسی سال وفات پائی۔

۳۳ہجری/ خلافت کا دسواں سال: اس سال حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی قیادت میں لشکر اسلام نے حبشہ پر حملہ کیا۔(۳۱)

اوّلیات عثمان:

امام سیوطی نے عسکری کی کتاب الاوائل سے ان چند امور کا ذکر کیا ہے، جو حضرت عثمان کے عہد خلافت کی اوّلیات قرار دیے جا سکتے ہیں، ان میں بعض یہ ہیں:

(۱) آپ نے لوگوں کے لیے جاگیریں مقرر فرمائیں۔

(۲) آپ نے جانوروں کے چرنے کے لیے چراگاہیں مقرر کیں۔

(۳) آپ نے حکم دیا کہ تکبیر کے وقت آواز نیچے رکھی جائے، اذان کی طرح بلند آواز سے نہ دی جائے۔

(۴) مسجدوں میں بخورات جلانے کا رواج شروع ہوا۔

(۵) جمعے کے دن خطبے کی اذان سے پہلے ایک اور اذان کا اضافہ کیا۔

(۶) سب سے پہلے آپ ہی نے مؤذنین کی تنخواہ مقرر فرمائی۔

(۷) سب سے پہلے آپ ہی نے لوگوں کو از خود زکاۃ نکالنے کا حکم دیا۔

(۸) آپ سب سے پہلے ایسے خلیفہ ہیں جو اپنی والدہ کی حیات میں خلیفہ منتخب ہوئے۔(۳۲)

عہد عثمانی کا اہم کارنامہ جمع قرآن:

حضرت عثمان غنی کا سب سے اہم کارنامہ جمع قرآن ہے، آپ نے پوری امت کو بلا اختلاف ایک مصحف پر جمع کر دیا، یہ کارنامہ ایسا مہتم بالشان ہے کہ پوری امت آپ کو ''جامع القرآن'' کے لقب سے یاد کرتی ہے۔

جمع قرآن کی تفصیلات مختلف مصنفین نے شرح و بسط کے ساتھ اپنی کتب میں بیان کی ہیں، علامہ عبدالعظیم زرقانی نے مناہل العرفان فی علوم القرآن (۳۳) میں اس پر بہت تحقیقی بحث کی ہے، ہم وہیں سے اختصار و تلخیص کے ساتھ اس کی کیفیت نقل کر رہے ہیں:

www.Qadri.info

جمع وتدوین قرآن پہلی مرتبہ خود عہد رسالت میں عمل میں آئی ،لیکن اس وقت یہ تدوین وجمع کسی مصحف کی شکل میں نہیں تھی بلکہ زمانے کے مطابق جو قابل کتابت اشیا تھیں ان پر متفرق طور پر قرآن لکھا گیا تھا- اس کے علاوہ قرآن کریم حفاظ صحابہ کے سینوں میں محفوظ تھا- اس کے بعد عہد صدیقی میں دوسری مرتبہ تدوین قرآن عمل میں آئی، اس وقت حضرت صدیق اکبر نے ان تمام متفرق لکھی ہوئی آیات اور سورتوں کو یکجا کروادیا-

حضرت عثمان غنی کا عہد آتے آتے اسلامی فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا تھا، مختلف تہذیب وثقافت اور مختلف زبانوں اور لہجوں کے حامل افراد اور قبیلے داخل اسلام ہو چکے تھے، ان لہجوں اور زبانوں کے اختلاف کی وجہ سے قرآن کریم کی تلاوت میں بہت ساری غلطیاں واقع ہوجاتی تھیں- چوں کہ قرآن کریم کا نزول ''سات حروف'' پر ہوا ہے، اس کی مختلف قراء تیں ہیں، جس نے جس صحابی سے جس قراءت اور لہجے کے مطابق قرآن سنا تھا وہ اسی طرح تلاوت کرتا تھا، ایسے حالات میں اندیشہ ہوا کہ کہیں قرآن کریم کے سلسلے میں امت میں اختلاف واقع نہ ہوجائے- ابن ابوداؤد نے ابوقلابہ کے طریقے سے روایت کی ہے کہ ایک معلم بچوں کو کسی صحابی کی قراءت کے مطابق قرآن پڑھاتا تھا، دوسرا معلم کسی دوسرے صحابی کی قراءت کے مطابق پڑھایا کرتا تھا، یہاں تک کہ جب لڑکے آپس میں ملتے تھے تو ایک دوسرے کی تغلیط کرتے تھے، یہ معاملہ معلمین تک جاتا تو خود معلم آپس میں اختلاف کر بیٹھتے، جب یہ معاملات حضرت عثمان تک پہنچے تو آپ نے خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا:

انتم عندی تختلفون فمن نأی عنی من الامصار اشد اختلافاً (۳۴)

ترجمہ: تم میرے پاس رہ کر اس طرح اختلاف کر رہے ہو تو جو دیار وامصار مجھ سے دور ہیں ان میں تو بہت زیادہ اختلاف ہوگا-

اس کے بعد اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس کی جانے لگی کہ قرآن کریم کو جمع وتدوین کے عمل سے گزار کر ایک مصحف میں لکھ کر امت اسلامیہ کو اسی مصحف پر جمع کردیا جائے، تاکہ امت میں قرآن کریم کے سلسلے میں کسی قسم کا انتشار واختلاف واقع نہ ہو- حضرت عثمان نے دیگر اہل الرائے صحابہ کرام سے صلاح ومشورے کے بعد اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا

عزم مصمم کرلیا۔

۲۴ھ کے اواخر اور ۲۵ھ کے اوائل میں یہ کام شروع کیا گیا، اس کام کے لیے حضرت عثمان نے ۴؍صحابہ پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی، جس میں مندرجہ ذیل حضرات شامل تھے:

(۱) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۲) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۳) حضرت سعید بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۴) حضرت عبدالرحمن بن حارث بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مجلس تدوین قرآن ۱۲؍حضرات پر مشتمل تھی۔

عہد صدیقی میں قرآن کریم جن صحائف میں جمع کیا گیا تھا وہ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھے، حضرت عثمان نے ان سے وہ صحائف منگوائے اور جمع قرآن کا کام شروع ہوا۔ اس میں کمال احتیاط برتی گئی، آیات لکھنے سے پہلے صحابہ سے مشورہ کیا جاتا تھا، جب وہ فرماتے تھے کہ ہم نے یہ آیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح سنی تھی، جب اس کو لکھا جاتا تھا۔

علامہ زرقانی نے اس مصحف کی پانچ خصوصیات بیان کی ہیں:

(۱) جو آیات یا قراءت تواتر سے ثابت ہوئیں وہی اس مصحف میں درج کی گئیں۔

(۲) جن آیات کی تلاوت منسوخ ہو چکی تھی ان کو اس میں درج نہیں کیا گیا۔

(۳) آیات اور سورتوں کو مرتب کیا گیا جیسا کہ آج ہمارے سامنے موجودہ مصاحف میں ہے، مصحف صدیقی میں آیات تو اسی ترتیب سے تھیں مگر سورتوں کی یہ ترتیب نہیں تھی۔

(۴) اس میں نقطے اور اعراب لگانے سے گریز کیا گیا تاکہ عبارت مختلف وجوہ قراءت کی متحمل ہو سکے۔

(۵) قرآن کریم کے علاوہ کسی اور لفظ کے درج کرنے سے گریز کیا گیا مثلاً بعض صحابہ کے مصاحف میں کسی لفظ کی شرح یا ناسخ و منسوخ کا بیان درج تھا۔ (۳۵)

اس طور پر جب مصحف تیار ہو گیا، تو حضرت عثمان نے اس کی مختلف نقول کروائیں اور ان

نقول کومختلف بلاد میں اس حکم کے ساتھ روانہ فرمادیا کہ اب اسی مصحف کے مطابق تلاوت کی جائے-اس مصحف پر تمام صحابہ کا اجماع ہوگیااور آج تک پوری امت اسلامیہ شرق سے غرب تک اسی مصحف پر متفق ہے-اس امت پر یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایسا احسان ہے جس کی قیمت نہیں چکائی جاسکتی-

فتنے کا آغاز اور اسباب:

ہم نے ابتدا میں کہیں لکھا تھا کہ حضرت عثمان کی خلافت کے ابتدائی ۶/ برس نہایت امن وامان اور اسلام کی شان وشوکت کے تھے اور آخری ۶/ برسوں میں سبائی اور مروانی سازشوں کے نتیجے میں اختلاف وانتشار پیدا ہوگیا اور بالآخر یہ فتنہ وفساد حضرت عثمان کی شہادت پر منتج ہوا-

اس پورے معاملے کی تفصیلات طوالت کا باعث ہیں اور دوسرے یہ کہ ان معاملات و واقعات کی پیش کش میں ذراسی بے احتیاطی اس امت کی افضل ترین جماعت یعنی صحابہ کرام کے بارے میں سوئے ظنی کا سبب بن سکتی ہے، لہٰذا اس سلسلے میں ہم نہایت اختصار سے کام لیتے ہوئے صرف چند بنیادی امور کا ذکر کریں گے جن سے اس فتنے اور فساد کے اسباب سمجھنے میں آسانی ہو-

حضرت عثمان کے بعض فیصلوں سے کچھ حضرات ناخوش ہوئے، ان فیصلوں میں بعض وہ تھے جو حکومتی اور انتظامی عہدوں پر لوگوں کے تقرری اور معزولی کے سلسلے میں تھے-لوگوں کا خیال تھا کہ ان اہم حکومتی عہدوں پر زیادہ تر ایسے افراد کا تقرر کیا جارہا ہے جو حضرت عثمان کے قریبی رشتہ دار ہیں-جب یہ شکایت حضرت عثمان سے کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اس طرح وہ صلہ رحمی کے قرآنی حکم پر عمل کررہے ہیں-بنوامیہ کے جن افراد کو اہم حکومتی عہدوں پر فائز کیا گیا تھا ان میں سے بعض نے حضرت عثمان کی نرمی کا غلط فائدہ اٹھانا شروع کیا-اس سلسلے میں حضرت عثمان کے پاس متعدد شکایات آئیں-آپ نے شکایات کو رفع کرنے اور اس بے راہ روی کے سدباب کے لیے جو مناسب قدم چاہا وہ اٹھایا-

مصر میں ابن سبا یہودی نے حضرت علی کی محبت کے نام پر لوگوں کے درمیان فتنہ پھیلانا شروع کیا اور لوگوں کو خلیفۃ المسلمین کی جانب سے بدظن کرنے کی سازشیں رچنے لگا-اس کے

نتیجے میں مصر کے نوجوانوں میں ایک باغی اور سرکش گروہ پیدا ہو گیا۔
دوسری طرف دربار خلافت میں مروان بن حکم کا اثر ورسوخ بہت زیادہ ہو گیا، اس شخص نے بھی متعدد مشکلات پیدا کیں۔

حضرت عثمان نے اپنے ایک قریبی عزیز عبداللہ ابن ابی سرح کو مصر کا گورنر مقرر کیا، ابن ابی سرح کے بعض رویوں سے اہل مصر کو اختلاف ہوا، انہوں نے دربار خلافت میں اس کی شکایتیں بھیجیں، حضرت عثمان نے شکایات سن کر فوری اقدام کرتے ہوئے ابن ابی سرح کو تنبیہی مکتوب روانہ کیا، اس مکتوب سے ابن ابی سرح نے سبق حاصل کرنے کی بجائے اپنے رویے کو اور سخت کر لیا، جو حضرات اس کی شکایت لے کر دربار خلافت تک گئے تھے ان کے ساتھ اس نے بڑا جارحانہ رخ اختیار کیا۔ جب صورت حال زیادہ بگڑ گئی تو مصر سے ایک قافلہ ابن ابی سرح کی معزولی کی درخواست لے کر مدینہ منورہ پہنچا، اجلہ صحابہ حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت عائشہ وغیرہ نے اس پورے معاملے پر غور وفکر کر کے حضرت عثمان کو مشورہ دیا کہ آپ ابن ابی سرح کو مصر کی گورنری سے معزول کر کے کسی اور کو وہاں کا گورنر مقرر کریں تاکہ یہ معاملہ رفع ہو۔ آپ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے تم لوگ کسی شخص کا انتخاب کرو، جس کو مصر کا گورنر مقرر کیا جائے۔ زیادہ تر لوگوں کی رائے محمد بن ابوبکر کے بارے میں ہوئی کہ ان کو ابن ابی سرح کی جگہ مصر کا گورنر مقرر کر دیا جائے۔ حضرت عثمان نے ابن ابی سرح کے نام معزولی کا پروانہ لکھا اور ساتھ ہی محمد بن ابو بکر کی تقرری کا پروانہ لکھ کر ان کو دیا۔ اس طرح مصریوں کا یہ قافلہ محمد بن ابوبکر کی قیادت میں مصر کی جانب روانہ ہوا، اس قافلے میں بعض مہاجرین وانصار صحابہ بھی شامل تھے۔

ابھی یہ قافلہ مدینہ منورہ سے چند ہی منزل کا فاصلہ طے کر پایا تھا کہ ان کو ایک حبشی نوجوان تیز رفتار اونٹنی پر سوار گزرتا ہوا نظر آیا، اس سے گفتگو کر کے ان حضرات کو شک ہوا، جب اس کی جامہ تلاشی کی گئی تو اس کے پاس حضرت عثمان کی مہر لگا ہوا ایک خط برآمد ہوا، یہ خط مصر کے گورنر ابن ابی سرح کے نام تھا، خط میں ابن ابی سرح کو مخاطب کر کے لکھا گیا تھا کہ تمہارے پاس محمد بن ابوبکر اور فلاں فلاں لوگ آئیں گے ان کو کسی ترکیب سے قتل کر دینا اور تم اپنے عہدے پر برقرار رہو، یہاں تک کہ میرا حکم تم تک نہ پہنچ جائے۔ یہ خط پڑھ کر صحابہ میں ایک عجیب بے چینی کی لہر

دوڑ گئی، حیرت کی بات یہ تھی کہ یہ غلام حضرت عثمان کا تھا، جس اونٹی پر یہ سوار تھا وہ بھی حضرت عثمان کی تھی اور خط پر مہر بھی حضرت عثمان کی تھی۔

یہ قافلہ وہیں سے واپس مدینہ منورہ لوٹ آیا، تشویش اور بے چینی اپنی انتہا پر پہنچ گئی، اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت حسن تدبر اور حکمت وبصیرت سے کام لیتے ہوئے کبار صحابہ، مثلاً حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جمع کیا اور مشورہ کر کے غلام، خط اور اونٹنی کو لے کر حضرت عثمان سے ملاقات کی، حضرت علی نے پوچھا کہ امیر المؤمنین کیا یہ غلام آپ کا ہے؟ حضرت عثمان نے فرمایا ہاں، پھر آپ نے پوچھا کہ کیا یہ اونٹی آپ کی ہے؟ حضرت عثمان نے جواب دیا ہاں یہ اونٹنی بھی میری ہے، پھر حضرت علی نے سوال کیا کہ کیا یہ مہر آپ کی ہے؟ حضرت عثمان نے جواب دیا کہ ہاں یہ مہر بھی میری ہے، حضرت علی نے فرمایا تو پھر یہ خط بھی آپ کا ہے؟ حضرت عثمان نے فرمایا کہ نہ یہ میرا خط ہے نہ مَیں نے کسی دوسرے کو ایسا خط لکھنے کا حکم دیا، نہ مَیں نے اس غلام کو مصر بھیجنے کا حکم دیا۔ جب اس پر گفتگو بڑھی تو حضرت عثمان نے حلف اٹھایا کہ یہ خط انہوں نے نہیں لکھا، اس پر کبار صحابہ تو مطمئن ہو گئے اور سمجھ گئے کہ یہ کسی اور کی سازش ہے، مگر مصری قافلے کو لوگ مطمئن نہیں ہوئے۔ جب خط کو بہ غور دیکھا گیا تو یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ مروان بن حکم کا خط ہے اور غلام نے بھی اس بات کا اقرار کر لیا کہ مروان نے ہی اس کو یہ خط مصر لے جانے کا حکم دیا تھا۔

اس پر حضرت عثمان سے مطالبہ ہوا کہ مروان کو ہمارے حوالے کر دیں تا کہ اس کی اس شرارت پر اس سے مواخذہ کیا جائے، لیکن حضرت عثمان اس پر راضی نہ ہوئے، اس سے شورش بہت زیادہ بڑھ گئی، فتنہ وفساد کی ہوا پھیل گئی، مصری نوجوانوں کے گروہ نے حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کر لیا، آپ پر پانی بند کر دیا گیا۔ جب حضرت علی کو یہ خبر ملی کہ باغیوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر کے آپ پر پانی بند کر دیا ہے اور آپ کے اہل وعیال پیاس کی شدت سے بے چین ہو رہے ہیں تو آپ نے تین مشک پانی کا بندوبست کر کے حضرت عثمان کے گھر بھیجا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ کی پیش کش:

امام احمد نے حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت کی ہے کہ جب محاصرہ سخت ہو گیا اور یقین

www.Qadri.info

ہوگیا کہ یہ باغی حضرت عثمان کو شہید کردیں گے تو حضرت مغیرہ بن شعبہ نے حضرت عثمان سے عرض کی کہ اے امیر المؤمنین! ہم آپ کے سامنے تین تجاویز رکھتے ،آپ ان میں سے جو مناسب سمجھیں اختیار فرمائیں:

(۱) آپ گھر سے باہر آکر ان فسادیوں سے لڑائی کریں، یہاں بہ کثرت آپ کے معاونین اور جاں نثار موجود ہیں اور پھر آپ حق پر ہیں اور وہ لوگ باطل پر۔

(۲) یا پھر آپ کسی دوسرے راستے سے ایک تیز رفتار اونٹنی پر سوار ہو کر مکہ مکرمہ چلے جائیے ،حرم کعبہ میں داخل ہونے کے بعد آپ امان میں ہوجائیں گے۔

(۳) یا تیسری تجویز یہ ہے کہ آپ شام کی طرف روانہ ہوجائیں وہاں حضرت امیر معاویہ ہیں، وہ آپ کو اپنی حفاظت میں لے لیں گے۔

حضرت عثمان نے ان تجاویز کو سن کر فرمایا کہ اے مغیرہ! خلیفۃ المسلمین ہو کر میرے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ مَیں مسلمانوں سے قتال کروں۔ دوسرے یہ کہ اس وقت مکہ جانا مجھے اس لیے مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ مَیں نے حضور اکرم سے سنا ہے کہ جو حرم کعبہ میں قتل و غارت گری اور خوں ریزی کا موجب اور سبب بنے گا اس کو سخت عذاب دیا جائے گا۔ ملک شام جانے کی جو تجویز ہے وہ مجھے اس لیے منظور نہیں کہ مَیں اپنے شہر ہجرت اور رسول خدا ﷺ کے جوار و ہمسایہ گی کو نہیں چھوڑنا چاہتا۔(۳۶)

شہادت عثمان:

محاصرہ طویل ہوتا گیا، یہ بات واضح ہوگئی کہ کچھ فسادی اور شرارتی عناصر حضرت عثمان کے قتل کے درپے ہیں، حضرت علی نے ان خبروں کو سن کر اپنے شہزادوں حضرت امام حسن مجتبیٰ اور حضرت امام حسین کو حکم دیا کہ تم دونوں تلوار لے کر حضرت عثمان کے دروازے پر پہرہ دو تا کہ کوئی شخص برے ارادے سے گھر میں داخل نہ ہو سکے، مگر کوئی تدبیر کام نہ آئی اور بالآخر باغیوں کے ہاتھوں حضرت عثمان غنی نہایت مظلومیت کی حالت میں مرتبہ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کی شہادت ۳۵ھ میں ہوئی ، تاریخ میں اختلاف ہے، مگر یہ بات متحقق ہے کہ وہ ذوالحجہ کا مہینہ تھا۔ حضرت زبیر نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔

امام زہری سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت سعید بن مسیب سے پوچھا کہ حضرت عثمان کن حالات میں شہید کیے گئے تو آپ نے جواب ارشاد فرمایا:

قتل عثمان مظلوماً و من قتله كان ظالماً و من خذله كان معذوراً

ترجمہ: حضرت عثمان مظلوم شہید کیے گئے، جن لوگوں نے ان کو قتل کیا وہ ظالم تھے اور جن لوگوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا وہ معذور ہیں۔

حضرت کعب بن مالک کا مرثیہ:

حضرت عثمان کی شہادت پر حضرت کعب بن مالک نے ایک دردانگیز مرثیہ نظم کیا۔ امام سیوطی نے حاکم کے حوالے سے شعبی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''حضرت عثمان کے مرثیوں میں کعب بن مالک کے مرثیے سے عمدہ کوئی مرثیہ سننے میں نہیں آیا۔'' (۳۷)

ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں لکھا ہے کہ حضرت مصعب نے اس مرثیے کو حضرت حسان بن ثابت کی جانب منسوب کیا ہے، عمر بن شبہ کہتے ہیں کہ یہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط کا ہے (۳۸)

ہم اس مضمون کا اختتام اس مرثیے کے بعض اشعار پر کر رہے ہیں:

فكف يديه ثم اغلق بابه

وايقن ان الله ليس بغافل

ترجمہ: آپ (عثمان غنی) نے (قتال سے) اپنا ہاتھ روک لیا اور پھر دروازہ بند کر لیا اور یقین کر لیا کہ اللہ تعالیٰ (ان حالات سے) غافل نہیں ہے۔

وقال لاهل الدار لا تقتلوهم

عفا الله عن ذنب امرء لم يقاتل

ترجمہ: آپ نے گھر والوں سے فرمایا کہ تم ان (بلوائیوں اور فسادیوں) سے قتال نہ کرو، ہر وہ شخص جو قتال نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمائے گا۔

فكيف رأيت الله القى عليهم

العداوة والبغضاء بعد التواصل

ترجمہ: (اے مخاطب) پھر تو نے دیکھا کہ آپ کی شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ نے

ان (فسادیوں اور بلوائیوں) کے درمیان کیسی بغض وعداوت پیدا کر دی-

وکیف رأیت الخیر ادبر بعدہ

عن الناس ادبار الریاح الجوافل

ترجمہ: (اے مخاطب) پھر تو نے دیکھا کہ آپ کے بعد ان لوگوں کے درمیان سے بھلائی اور نیکی ایسے گزر گئی جیسے آندھیاں گزر جاتی ہیں-

(سال نامہ اہل سنت کی آواز، مارہرہ، ۲۰۱۲ء)

مصادر

(۱) جامع ترمذی/ابواب المناقب/باب فی مناقب عثمان/حدیث نمبر ۳۶۹۷

(۲) مرجع سابق: حدیث نمبر ۳۷۰۱

(۳) مرجع سابق: حدیث نمبر ۳۶۹۸

(۴) مرجع سابق: حدیث نمبر ۳۷۰۹

(۵) مسلم/کتاب فضائل الصحابة/باب من فضائل عثمان بن عفان

(۶) بحار الانوار: للمجلسی، ج ۲۶/ص ۳۰، طہران، بحوالہ نظرۃ آل البیت، ص ۸، دار انبار بغداد، ۱۹۹۸

(۷) تاریخ القرآن: ص ۲۶، بحوالہ نظرۃ آل البیت، ص ۱۱، دار انبار بغداد، ۱۹۹۸

(۸) عیون اخبار الرضا: ابن بابویہ قمی، ج ۱/ص ۳۰۳، طہران، بحوالہ نظرۃ آل البیت، ص ۱۲، دار انبار بغداد، ۱۹۹۸

(۹) الکافی فی الفروع: ج ۸/ص ۲۰۹، بحوالہ نظرۃ آل البیت، ص ۱۳، دار انبار بغداد، ۱۹۹۸

(۱۰) نظرۃ آل البیت، ص ۱۸، دار انبار بغداد، ۱۹۹۸

(۱۱) ملخصاً از الاستیعاب بمعرفة الاصحاب: ابن عبد البر، ج ۲/ص ۴۷۴، دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد، ۱۳۳۶ھ

(۱۲) تاریخ الخلفا: جلال الدین سیوطی، ص ۱۰۶۔ مطبع قیومی کانپور، ۱۹۲۵ء

(۱۳) الاصابة فی تمییز الصحابة: ابن حجر عسقلانی، ج ۴/ص ۳۰۴، مطبعۃ السعادۃ، مصر ۱۳۲۸ھ

(۱۴) تاریخ الخلفا: جلال الدین سیوطی، ص ۱۰۶۔ مطبع قیومی کانپور، ۱۹۲۵ء

(۱۵) (ملخصاً از النسب والمصاهرۃ بین اهل البیت والصحابة: علاء الدین المدرس، ص ۳۳۲، مؤسسہ المختار، قاہرہ ۲۰۰۵ء

(۱۶) مرجع سابق: از ص ۱۹۴ تا ۱۹۹

(۱۷) ضیاء النبی: ج ۴/ص ۵۸۶، اسلامک پبلشر دہلی

(۱۸)مرجع سابق:ص۸۷-۵۸۶

(۱۹)مرجع سابق:ص۵۸۷

(۲۰)الاستیعاب بمعرفة الاصحاب:ابن عبدالبر،ج۲/ص۴۷۵،دائرۃ المعارف النظامیہ،حیدرآباد،۱۳۳۶ھ

(۲۱)حلیۃ الاولیا:ابونعیم،ج۱/ص۵۹

(۲۲)الاستیعاب بمعرفة الاصحاب:ابن عبدالبر،ج۲/ص۴۷۴،دائرۃ المعارف النظامیہ،حیدرآباد،۱۳۳۶ھ

(۲۳)تاریخ الخلفا:جلال الدین سیوطی،ص۱۱۴،مطبع قیومی کانپور،۱۹۲۵ء

(۲۴)السیرۃ الحلبیۃ:دحلان مکی،بحوالہ ضیاء النبی ج۴/ص۱۳۸/۱۳۹،اسلامک پبلشر دہلی

(۲۵)مرجع سابق:ج۴/ص۱۴۰

(۲۶)زادالمعاد لابن قیم بحوالہ ضیاء النبی:ج۴/ص۱۴۱،اسلامک پبلشر دہلی

(۲۷)الفتح:آیت:۱۸

(۲۸)البدایہ والنہایہ:ابن کثیر دمشقی،ج۱۰/ص۲۰۸،قاہرہ۱۹۹۸ء

(۲۹)مرجع سابق:ص۲۰۹/۲۱۰

(۳۰)مرجع سابق:ص۲۱۲/۲۱۳

(۳۱)بہ اختصار وتلخیص از تاریخ الخلفا سیوطی:۱۰۹/۱۱۰،فقہ السیرہ:بوطی:ص۳۶۴،دارالسلام قاہرہ۱۹۹۷

(۳۲)تاریخ الخلفا:جلال الدین سیوطی،ص۱۱۶۔مطبع قیومی کانپور،۱۹۲۵ء

(۳۳)مناہل العرفان فی علوم القرآن:محمد عبدالعظیم زرقانی،ج۱/ازص۲۰۳رتا۲۴۲،دارالحدیث قاہرہ،۲۰۰۱

(۳۴)مرجع سابق:ج۱/ص۲۱۶

(۳۵)مرجع سابق:ج۱/ص۲۲۰

(۳۶)تاریخ الخلفا:جلال الدین سیوطی،ص۱۱۴،مطبع قیومی کانپور،۱۹۲۵ء

(۳۷)مرجع سابق:ص۱۱۶

(۳۸)الاستیعاب بمعرفة الاصحاب:ابن عبدالبر،ج۲/ص۴۸۰،دائرۃ المعارف النظامیہ،حیدرآباد،۱۳۳۶ھ

❑❑❑

www.Qadri.info

ابوریحان البیرونی

ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی

ایک بہت مشہور لطیفہ ہے کہ ''ایک دکان پر مختلف قوموں کے دماغ فروخت ہو رہے تھے۔ایک صاحب دکان پر پہنچے اور دکان دار سے دماغوں کی قیمت معلوم کی۔اس نے جواب دیا کہ ہمارے پاس عیسائی کا دماغ ۱۰۰ روپے کا ہے، یہودی کا ۲۰۰ روپے کا، امریکن دماغ ۵۰ روپے کا، یورپین دماغ ۲۰ روپے کا اور مسلمان دماغ ایک ہزار روپے کا۔خریدار نے حیرت سے پوچھا کہ باقی اقوام کے دماغ سستے اور مسلمان کا دماغ اتنا مہنگا؟ دکاندار نے جواب دیا کہ دراصل ان قوموں نے اتنا دماغی، علمی اور فکری کام کیا ہے کہ ان کے دماغ کا اکثر حصہ خرچ ہو گیا جب کہ مسلمانوں نے آج تک سوائے الجبرا ایجاد کرنے کے اور کچھ کیا ہی نہیں ہے، اس لیے ان کا پورا کا پورا دماغ باقی ہے۔''

اس لطیفے پر آپ ہنس رہے ہوں گے، حالاں کہ یہ ہنسنے کا موقع نہیں، رونے کا مقام ہے۔ رونا اس بات پر نہیں کہ ہماری قوم نے آج تک کچھ کیا ہی نہیں ہے بلکہ آپ کی اس سادگی پر کہ آپ کو معلوم ہی نہیں کہ آپ کی قوم نے کیسے کیسے عظیم الشان کارنامے انجام دیے ہیں۔

علامہ اقبال کے خیال میں کسی قوم کے زوال کی انتہا یہ ہے کہ اس کے ''متاعِ کارواں'' کے ساتھ ساتھ ''احساسِ زیاں'' بھی جاتا رہے۔ بالفاظ دگر کسی قوم کے زوال کا پہلا مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ''شمشیر و سناں'' چھوڑ کر ''طاؤس و رباب'' میں مشغول ہو جاتی ہے اور آخری مرحلہ یہ ہے کہ اس کی خوبیاں بھی دوسروں کے کھاتے میں لکھ دی جاتی ہیں اور اس کو اس فریب کاری کا

www.Qadri.info

احساس تک نہیں ہوتا۔ بدقسمتی سے ہماری قوم زوال وپستی کی اسی بدترین اور الم ناک صورت حال کا شکار ہے۔ میرے خیال سے یہ لطیفہ کسی بہت ہی زیرک اور چالاک آدمی نے گڑھا ہے جو مسلمانوں سے سخت عدوات رکھنے کے ساتھ ساتھ ہماری سادہ لوحی سے بھی واقف تھا۔ ہم نے اس لطیفے کو قبول کرلیا اور رات دن یہ اور اس قسم کے لطیفے ایک دوسرے کو سنا کر قہقہے لگاتے ہیں۔

ہمارے اس قہقہے پر لطیفہ گڑھنے والا بھی اپنے فریب کی کامیابی کا قہقہہ لگاتا ہوگا اور یہ دونوں قہقہے ان سیکڑوں مسلمان علما، سائنسدانوں، ماہرین فلکیات وجغرافیہ، اطبا اور فلاسفہ وحکما کی روحوں کو اذیت پہنچاتے ہوں گے، جنہوں نے اپنی ساری زندگی علوم وفنون کی اشاعت اور تحقیقات وایجادات میں صرف کردی۔ ہمارا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ ہم نے اپنی تاریخ بھی مغرب کے متعصب اور تنگ نظر مؤرخین کی کتابوں میں پڑھی ہے اور اس پر من وعن ایمان لے آئے ہیں، جب کہ ان متعصب مؤرخین کا زاویہ نگاہ (بقول ڈاکٹر مصطفی السباعی) یہ تھا کہ اولاً تو مسلمانوں میں کوئی خوبی ہی نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو وہ دبستان روم ویونان کی خوشہ چینی کا نتیجہ ہے۔

اگر تاریخ کا مطالعہ حقیقت پسندی کے اجالے میں کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بغداد کے مدرسہ نظامیہ اور بیت الحکمۃ سے لے کر قرطبہ اور اشبیلیہ کی یونیورسٹیوں تک اور خوازم، طوس، قزوین، غزنی کی درسگاہوں سے لے کر سمرقند وبخارا کی علمی مجلسوں تک ہماری داستان علم وحکمت بکھری ہوئی ہے اور ہم اس باوقار قوم کے فرد ہیں جس نے ایک زمانے کو تہذیب وتمدن، حکمت وفلسفہ اور جہاں رانی وجہاں بانی کے آداب سکھائے ہیں۔ جس وقت مسلمان سائنسداں اور ماہرین فلکیات (Astronomers) اپنی رصدگاہوں میں بیٹھ کر شکار ماہ، تسخیر آفتاب اور پروین وکہکشاں کو زیر کمند لانے کی تدبیریں کر رہے تھے اس وقت مغرب تہذیب وتمدن اور علم وحکمت کی الف، ب سے ناآشنا جہالت کی تاریکیوں میں گم تھا۔ اندلس کی سرزمین پر وہ ہمارے ہی اسلاف تھے جن کی بارگاہوں میں آکر اہل مغرب نے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور ان کی علمی خیرات سے اپنے یہاں علم وحکمت کی شمعیں روشن کیں ؎

لے گئے تثلیث کے فرزند میراث خلیل
خشت دیوار کلیسا بن گئی خاک حجاز

www.Qadri.info

زیر نظر مقالے میں ہم اپنے انہی اسلاف میں سے ایک بلند و بالا شخصیت اور ان کی کتب کا تعارف کرانا چاہتے ہیں، یہ شخصیت ہے پانچویں صدی ہجری کے بلند پایاں عالم، ماہر فلکیات، ریاضی داں، ادیب، حکیم، مؤرخ، طبیب، ماہر علوم عمرانیات و اخلاق اور بے شمار کتابوں کے مصنف ابوریحان محمد بن احمد البیرونی کی، آیئے ہمارے ساتھ اس دبستان علم و فن کی سیر کیجیے اور آغاز میں دیے گئے لطیفے کی حقیقت پر غور کیجیے۔

حالات زندگی:

البیرونی کی ولادت ۲/ذوالحجہ ۳۶۲ھ (۴/ستمبر ۹۷۳ء) کو شمال مشرقی ایران کے صوبہ خوارزم کے ایک گاؤں میں ہوئی جو نہر جیجون کے کنارے پر واقع تھا۔ البیرونی کے ابتدائی حالات نہیں ملتے اور نہ ہی یہ پتا چلتا ہے کہ ان کی تعلیم کا آغاز کب، کس کی درسگاہ میں اور کس طریقے پر ہوا، بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ خوارزم میں ایک یونانی عالم تھا، البیرونی اس کے پاس مختلف قسم کی جڑی بوٹیاں لے جاتے تھے اور ان کے خواص مع ان کے یونانی اسماء کے معلوم کر کے ایک جگہ لکھتے جاتے تھے۔ ۲۰/سال کی عمر میں البیرونی جرجان آگئے جہاں ان کو جرجان کے والی قابوس بن وشمکیر الزیاری (م ۴۰۳ھ ۱۰۱۲ء) کی سرپرستی حاصل ہوگئی۔ جرجان ہی میں البیرونی کو طبیب اور ماہر فلکیات و نجوم ابوسہل عیسیٰ سے استفادہ کا موقع ملا، یہیں انہوں نے اپنی مشہور کتاب الاثار الباقیہ تصنیف کی، اس وقت ان کی عمر صرف ۲۷/سال تھی۔ ۴۰۰ھ میں البیرونی واپس اپنے وطن خوارزم لوٹ آئے اور محمود غزنوی کے خوارزم فتح کرنے تک یہیں رہے۔ انہی ایام میں شیخ الرئیس بوعلی سینا سے ان کی مراسلت ہوئی۔ اس مراسلت کے نتیجے میں حکمت و فلسفہ میں ان کی نظر اور بھی گہری ہوگئی۔ ۴۰۸ھ میں سلطان محمود غزنوی نے خوارزم فتح کیا تو البیرونی کو اپنے ساتھ اپنے دارالحکومت غزنی (افغانستان) لے گئے۔ البیرونی غزنوی کی تمام جنگی مہمات میں ساتھ رہے۔ اس کے نتیجے میں انہیں ہندوستان میں کافی وقت گزارنے کا موقع ملا۔ اسی زمانے میں انہوں نے سنسکرت زبان پر عبور حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ہندوستانی علوم کو بھی حاصل کیا اور ہندو مذہب کی بنیادی کتب کا براہ راست سنسکرت میں مطالعہ کیا۔ نیز انہوں نے ہندوستانی اقوام کی تہذیب و تمدن، معاشرت، اخلاق اور نفسیات کا بڑی باریک بینی سے

مطالعہ کیا، جس کے بعد انہوں نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''تحقیق ماللھند'' تصنیف کی۔ اس کتاب پر ہم آگے چل کر تفصیلی تبصرہ کریں گے۔ ۴۲۱ھ میں محمود غزنوی کی وفات کے بعد ان کے فرزند مسعود غزنوی ان کے جانشین ہوئے۔ مسعود نے بھی اپنے والد کی طرح البیرونی کی عزت افزائی اور قدر و منزلت میں کوئی کمی نہیں کی۔ مسعود کے بعد ان کے بیٹے مامون بن مسعود نے بھی البیرونی کو اپنے دربار میں خاص مقام دیا۔ ۳؍رجب ۴۴۰ھ (۱۳ دسمبر ۱۰۴۸ء) کو غزنی میں البیرونی کی وفات ہوئی۔

البیرونی کے علوم وفنون:

مؤرخین اور سوانح نگار اس بات پر متفق ہیں کہ البیرونی اپنے زمانے میں رائج تمام علوم و فنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ تاریخ، جغرافیہ، ادب، طبعیات، ریاضیات، فلکیات، معدنیات، طبقات الارض اور طب و ہندسہ پر البیرونی کی تصانیف سوانح نگاروں کی اس رائے کی صداقت پر شاہد عدل ہیں۔ اس کے علاوہ البیرونی کو عربی، فارسی، یونانی اور سنسکرت زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ عربی لغت، بلاغت اور نحو و صرف میں البیرونی کی دقت نظر اور مہارت کے ثبوت کے لیے اتنا لکھنا کافی ہوگا کہ امام سیوطی نے لغوی اور نحوی علما کے تذکرہ پر مشتمل اپنی کتاب '' بغیة الوعاة'' میں البیرونی کے تذکرہ کو نمایاں جگہ دی ہے، صلاح الدین الصفدی نے '' الوافی بالوفیات'' میں البیرونی کے چند عربی قصائد کے اقتباسات درج کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس شخص کے اشعار پڑھنے کے بعد شدید حیرت ہوتی ہے کہ نہ اس کا یہ میدان ہے نہ کبھی اس نے خود کو شاعر کی حیثیت سے متعارف کرایا، پھر بھی ایسے بلند پایہ شعر کہتا ہے۔ عربی ادب پر البیرونی کی گہری نظر کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب ''الجماھر فی الجواھر'' میں تقریباً ۸۰ قدیم شعرائے عرب کے اشعار سے جا بجا استشہاد پیش کیا ہے۔ انہوں نے زیادہ تر عربی کو ہی وسیلہ اظہار بنایا ہے۔ چنانچہ ان کی اکثر کتب عربی میں ہیں، اس کی دو وجوہات ہیں: اولاً تو یہ کہ فارسی کے مقابلے عربی پڑھنے والوں کا دائرہ زیادہ وسیع ہے اور دوسری خود البیرونی کے الفاظ میں یہ کہ فارسی زبان کسریٰ کے تذکروں اور لب و رخسار کی حکایتوں کے لیے تو ٹھیک ہے، مگر اس میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ علوم و فنون میں وسیلۂ اظہار

www.Qadri.info

بنائی جائے۔البیرونی کے خیال میں عربی میں کسی غلطی پران کی ہجو کی جائے، یہ ان کے لیے اس سے بہتر ہے کہ فارسی دانی پران کی مدح سرائی ہو۔

البیرونی کوحصول علم کا اس قدر شوق تھا کہ ان کی وفات سے کچھ دیر پہلے فقیہ ابوالحسن الولوالجی ان سے ملاقات کرنے گئے۔اس وقت البیرونی سخت تکلیف میں تھے مگر اس کے باوجود انہوں نے فقیہ ابوالحسن سے ذوی الارحام کی میراث کا ایک نہایت پیچیدہ مسئلہ پوچھا۔ فقیہ مذکور نے حیرت سے کہا''کہ اس حالت میں؟''اس پر البیرونی نے جواب دیا کہ میں اس حالت میں دنیا کو الوداع کہوں کہ مجھے اس پیچیدہ سوال کا حل معلوم ہو، یہ اس سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ میں اس کو بغیر جانے دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔ابھی فقیہ ابوالحسن، البیرونی کو اس مسئلے کا جواب بتا کر باہر نکلے ہی تھے کہ البیرونی کی روح پرواز کر گئی۔

البیرونی ساری زندگی بادشاہوں کی سرپرستی میں رہے،مگر اس کے باوجود دنیاوی عیش و آرام اور مال و دولت سے استغنا کا یہ عالم تھا کہ جب سلطان مسعود نے ان کی معرکۂ آرا کتاب ''القانون المسعودی'' کی تالیف پر ان کو کثیر انعام واکرام سے نوازا تو انہوں نے یہ کہہ کر ساری دولت واپس کر دی کہ ''انا أخدم العلم للعلم لا للمال'' میں علم کی خدمت صرف علم کے لیے کرتا ہوں، مال کے لیے نہیں۔

بعض تصانیف کا مختصر تعارف:

یاقوت الحموی نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے البیرونی کی تالیفات کی ایک فہرست دیکھی تھی جو ساٹھ صفحات پر مشتمل تھی۔اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ البیرونی نے تصنیف و تالیف کا کتنا بڑا ذخیرہ چھوڑا تھا۔مگر اس میں سے اکثر کتابیں ضائع ہو گئیں، جو فہرست عام طور پر تذکرہ نویسوں نے نقل کی ہے اس میں بھی اکثر کتابیں مفقود ہیں اور سیکڑوں کتابیں مع اپنے نام کے مفقود ہو گئیں۔یہاں ہم البیرونی کی بعض مشہور اور مطبوع کتب کا تعارف کروائیں گے:

(۱) الآثار الباقية عن القرون الخالية:

۳۹۰ھ میں البیرونی اس کتاب کی تالیف سے فارغ ہوئے۔اس وقت ان کی عمر ۲۷ برس تھی، جیسا کہ ہم نے گزشتہ اوراق میں ذکر کیا تھا کہ یہ زمانہ قیام جرجان کی تصنیف ہے۔اس

www.Qadri.info

کتاب میں البیرونی نے فلکیاتی تقاویم پر گفتگو کی ہے اور فلکی تقویم کے اعتبار سے مختلف قوموں کے تیوہار اور مذہبی مراسم کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔اس کے ساتھ مختلف اقوام کی تہذیبی اور ثقافتی اقدار بھی زیر بحث لائی گئی ہیں-جن مذاہب اور اقوام کا اس میں تذکرہ ہے ان میں مسلمان، دور جاہلیت کے عرب، قبطی (مصری) ایرانی، یونانی، رومی، صغدی، خوارزمی، اور حرانی قابل ذکر ہیں-اس کتاب کی ایک خاص بات یہ ہے کہ ان اقوام کی مختلف تہذیبی اور مذہبی اقدار کا براہ راست البیرونی نے مشاہدہ کر کے ان کو قلم بند کیا ہے۔دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ قدیم اقوام کا تذکرہ جن مراجع اور مآخذ سے لیا گیا ہے، وہ اب مفقود ہیں-اس پہلو سے اس کتاب کی علمی اور تاریخی وقعت میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔شاید اسی لیے اغناطیوس کراچکوسکی نے اپنی کتاب "**تاریخ الادب الجغرافی العربی**" میں لکھا ہے کہ "مشرق وسطیٰ کے پورے تاریخی ادب میں اس کتاب کی کوئی مثال نہیں ہے۔" اس کتاب کو پہلی مرتبہ ایڈورڈ سیخاؤ (Edward Sachau) نے لیپزیغ (جرمنی) سے ۱۸۷۸ء میں شائع کیا اور پھر خود ہی اس کا انگریزی ترجمہ Chronology of Ancient Nation کے عنوان سے کر کے لندن میں ۱۸۷۹ء میں شائع کیا، اس کتاب کی دوسری اشاعت لیپزیغ ہی میں ۱۹۲۳ء میں O.Harrassowitoz نے کی-

(۲) تحدید نهایة الأماکن لتصحیح مسافات المساکن:

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ کتاب جغرافیہ کے مختلف مسائل پر مشتمل ہے، یہ کتاب ۴۱۶ھ میں تصنیف کی گئی ہے، مقدمہ میں ایک اصولی بحث کر کے بتایا ہے کہ عرب علما جغرافیہ نے مختلف مقامات کی ایک دوسرے سے مسافت اور ان کی توقیتی تقویم کے لیے تین طریقوں سے استفادہ کیا ہے (۱) بطلیموس کے جغرافیائی حسابات سے (۲) بطلیموس کے ایجاد کردہ قواعد سے استخراج واستنباط کے ذریعے (۳) سیاحوں اور خود ذاتی مشاہدوں کے ذریعے-

البیرونی نے ان سب پر ناقدانہ نظر ڈالتے ہوئے جا بجا اپنا ذاتی تبصرہ اور موقف ظاہر کیا ہے۔اس کتاب کی ایک قابل ذکر خوبی یہ بھی ہے کہ البیرونی نے دوران بحث جا بجا یونانی ماہرین جغرافیہ پر مسلمان علما جغرافیہ کی فوقیت ثابت کی ہے اور مسلمان علما نے علم جغرافیہ میں جو تحقیقات

واضافے کئے ہیں، ان کو یونانی ماہرین جغرافیہ کے مقابلے میں زیادہ دقیق اور گہرا ثابت کیا ہے۔ شاید اس کتاب کا یہی سب سے بڑا جرم تھا کہ کسی مستشرق نے البیرونی کی دیگر کتابوں کی طرح اس کو نہ شائع کیا، نہ اس کا ترجمہ کیا۔ مشہور جغرافی اور مؤرخ المقریزی نے اس کتاب کے کثرت سے حوالے دیے ہیں۔

(۳) القانون المسعودی فی الهیئة والنجوم:

یہ کتاب ۴۲۱ھ (۱۰۳۰ء) میں تالیف کی گئی، یہی محمود غزنوی کی سن وفات ہے، محمود غزنوی کے بعد ان کے فرزند سلطان مسعود غزنوی تاج وتخت کے وارث ہوئے۔ چنانچہ البیرونی نے ان کی طرف اس کتاب کو منسوب کرتے ہوئے ''القانون المسعودی'' نام رکھا۔ یہ کتاب ۱۲ فصول اور ایک سو تینتالیس ابواب پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب دراصل علم فلکیات ونجوم، ہیئت وہندسہ، علم مثلث وریاضی اور توقیت وجغرافیہ کا ایک انسائیکلوپیڈیا ہے۔ اس میں البیرونی نے بطلیموس کی کتاب ''المجسطی'' سے استفادہ کیا ہے، ساتھ ہی علماء عرب کی تحقیقات واضافات کا بھی جا بجا ذکر کیا ہے۔ یاقوت الحموی نے لکھا ہے کہ فلکیات ونجوم کے سلسلے میں یہ کتاب تمام دوسری کتب سے مستغنی کر دیتی ہے۔ جرمن مستشرق کراؤس (Krause) نے اس کو پہلی مرتبہ شائع کیا۔ اس کی مختلف فصول کے ترجمے دنیا کی مختلف زندہ زبانوں مثلاً فارسی، انگریزی، فرنچ، اسپینش اور جرمن میں ہو کر شائع ہو چکے ہیں۔

(۴) التفهیم لاوائل صناعة التنجیم:

یہ کتاب ۴۲۰ھ ۱۰۲۹ء میں تالیف کی گئی۔ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صرف علم نجوم پر مبنی ہے، حالاں کہ یہ بھی دراصل فلکیات وہیئت، ریاض وہندسہ اور جغرافیہ کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ اس کتاب کی ایک اہم بات یہ ہے کہ البیرونی نے اپنی دیگر کتب کی طرح اس کا انتساب کسی والی ریاست کی طرف کرنے کی بجائے خوارزم کی ایک خاتون ریحانہ بنت الحسین کی طرف کیا ہے۔ اس بات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہ خاتون خود بھی ان علوم وفنون میں یقینا درک رکھتی ہوں گی، کیوں کہ کسی بے علم شخصیت (جب کہ والی ریاست یا صاحب دولت وثروت بھی نہ ہو) کی طرف کسی علمی کتاب کا انتساب کرنا کم از کم البیرونی جیسے شخص سے متوقع نہیں ہے،

www.Qadri.info

چنانچہ یہ بات فخر سے کہی جا سکتی ہے کہ جس وقت مغرب میں عورتوں کو بھیڑ بکریوں سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی تھی، اس وقت ایک صالح اسلامی معاشرے میں ایک عام مسلمان عورت فلکیات و نجوم اور ہیئت و ہندسہ جیسے دقیق علوم میں بھی نظر رکھتی تھی۔ اس کتاب کو رمسائی رائٹ (Ramsay wright) نے ۱۹۳۴ء میں مع انگریزی ترجمہ کے لندن سے شائع کیا۔

(۵) الجماهر فی معرفة الجواهر:

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب نگینوں اور جواہرات کے بیان پر مشتمل ہے۔ اس میں مصنف نے پچاس فصلیں قائم کی ہیں۔ ہر فصل میں ایک نگینہ پر بحث کی ہے۔ بحث کے دوران تمام جواہر کی علامات، پہچان، نجومیوں کے نزدیک ان کے خواص اور ان کے پائے جانے کے مقامات وغیرہ سب پر روشنی ڈالی ہے، جس سے علم نجوم کے ساتھ علم طبقات الارض (جیولوجی) اور علم جغرافیہ پر البیرونی کی گہری نگاہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کتاب کو جرمن نژاد برطانوی مستشرق فریٹز کرینکو (Fritz Krenkow) نے اپنی تحقیقات و تعلیمات کے ساتھ ۱۹۳۷ء میں حیدر آباد دکن سے شائع کیا۔ (مستشرق مذکور بعد میں دولت اسلام سے مشرف ہو گئے تھے اور ان کا اسلامی نام محمد سالم کرنیکو رکھا گیا تھا۔)

(۶) الصیدنہ فی الطب:

یہ کتاب البیرونی نے بالکل آخری زمانے میں تالیف کی۔ ابھی اس کی تالیف مکمل نہیں ہو پائی تھی کہ البیرونی کی وفات ہو گئی۔ یہ کتاب جڑی بوٹیوں کے طبی خواص کے بیان پر مشتمل ہے۔ کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کا فارسی ترجمہ ۶۰۷ھ (۱۲۱۱ء) میں ابوبکر بن عثمان الاصفر الکاسانی نے کیا۔ اس کتاب کا مقدمہ مشہور مستشرق میکس مائرہوف (Max Meyerhaf) نے شائع کیا۔ اپنی تحقیق کے دوران مائرہوف لکھتا ہے کہ چاہے وہ فکری گہرائی ہو یا اسلوب تحقیق کی متانت، کسی بھی چیز میں پورے قرون وسطیٰ میں البیرونی کا کوئی نظیر و مثیل نظر نہیں آتا۔

(۷) تحقیق ماللھند:

اس کتاب کا پورا نام "تحقیق ماللھند من مقولہ مقبولة فی العقل أو مرذولہ" ہے۔

غالباً البیرونی کی تصنیفات میں سب سے زیادہ شہرت ومقبولیت اسی کتاب کو حاصل ہوئی۔ یہ کتاب ہندوستان کی مختلف اقوام کے تعارف، ان کے مذہب، فلسفہ، علوم، تہذیب وثقافت، رسم ورواج اور ان کے مذہبی ایام ورسوم کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی سب سے خاص بات یہ ہے کہ اس میں البیرونی نے زبردست علمی دیانت وامانت کا ثبوت دیا ہے۔ ہندوؤں کے مذہبی عقائد، ان کے فلسفۂ الوہیت اور ان کی مذہبی تاریخ میں کسی قسم کی تحریف سے مکمل اجتناب کیا ہے اور کسی بات کو اپنی طرف سے کوئی ایسا معنی پہنانے کی کوشش نہیں کی ہے جس سے خود علمائے ہنود راضی نہ ہوں۔ کسی دوسرے کے مذہب اور اس کی تہذیبی وتمدنی تاریخ لکھنے کے سلسلے میں البیرونی کی یہ کتاب ایک ایسا نمونہ ہے جس سے ان مستشرقین کو سبق لینا چاہیے جن کے اعلیٰ تحقیقی معیار، غیر جانبداری اور علمی دیانت کا ڈھنڈھورا پیٹا جاتا ہے، اس کے باوجود انہوں نے اسلام اور اہل اسلام کی تاریخ لکھتے وقت وہ خیانتیں کی ہیں کہ اسلام کی صورت مسخ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

اس کتاب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ البیرونی نے اس میں ہندوؤں کے تصور الٰہ اور ان کے مختلف علوم وفنون کے ساتھ ساتھ متعلقہ موضوعات پر یونانی عقائد وتصورات کا بھی ذکر کر دیا ہے اور کہیں کہیں ان کی بعض آراو افکار کا تقابل اہل تصوف، یہود اور فارس کے مانی فرقہ کے ساتھ بھی کیا ہے۔

صوفیہ کے عقیدۂ وحدۃ الوجود کا جو تقابل البیرونی نے ہندوؤں کی مذہبی کتاب ''پاتنجلی'' کے بعض عقائد سے کیا ہے، اس سے صوفیہ خود کتنے متفق ہیں، یہ ایک الگ بحث ہے، مگر ہم یہاں ایک بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں جو دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ آج تک لفظ تصوف کے ماخذ کو لے کر بحث ہوتی آئی ہے کہ یہ ''صوف'' ہے یا ''صفہ'' سے یا ''صفا'' سے؟ مگر البیرونی نے اس سلسلے میں ایک چوتھی اور سب سے مختلف بات کہی ہے، ان کا کہنا ہے کہ ''السوفیہ'' در اصل ''حکما'' کو کہتے ہیں، کیوں کہ یونانی زبان میں ''سوف'' حکمت کے معنی میں ہے۔ جب مسلمانوں میں ایک طبقہ اپنے بعض افکار واعمال میں ان حکمائے یونان سے مشابہت اختیار کر گیا تو اس کو صوفیہ کہا جانے لگا۔ البیرونی کی اس تحقیق پر اہل تصوف اور تاریخ تصوف کے ماہرین کا

کیا ردعمل ہے یہ تو ہمیں نہیں معلوم، البتہ یہ بات قابل غور ضرور ہے، یہ الگ بات ہے کہ اس سے ذاتی طور پر ہمارا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

تحقیق ماللھند کو ایڈورڈ سیخاؤ (Edward Saehau) نے لندن سے ۱۸۸۷ء میں شائع کیا، پھر ۱۸۸۸ء میں لندن ہی سے اس کا انگریزی ترجمہ مع اپنی تعلیقات وحواشی کے "Al-Bironi's India" کے نام سے شائع کیا۔ ۱۹۵۸ء میں دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن سے یہ کتاب دوبارہ شائع کی گئی۔ ایڈورڈ سیخاؤ کا انگریزی ترجمہ آج بھی ہندوستان میں دستیاب ہے۔ اس مسلمان عالم کی داستان علم وفن پڑھنے کے بعد اب تو آپ کو یقین آ ہی گیا ہوگا کہ آغاز میں دیا گیا لطیفہ ہماری قوم کو احساس کمتری میں مبتلا کرنے کی ایک سازش کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

نوٹ: اس مقالے کی تیاری میں ہم نے دائرۃ المعارف الاسلامیہ، مقدمہ **تحقیق ماللھند** اور الوافی بالوفیات سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ البیرونی کے مزید حالات کے لیے مندرجہ ذیل کتب کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے:

(۱) ارشاد الادیب الی معرفۃ الادیب: یاقوت الحموی الرومی
(۲) عیون الأنباء فی طبقات الأطباء: ابن ابی أصیبعہ
(۳) الوافی بالوفیات: صلاح الدین خلیل الصفدی
(۴) تاریخ مختصر الدول: ابن العبری
(۵) بغیۃ الوعاۃ: امام جلال الدین السیوطی
(۶) ظهر الاسلام: احمد امین
(۷) الأعلام: خیر الدین الزرکلی
(۸) تاریخ الادب العربی الجغرافی: اغناطیوس کرچکوسکی (عربی ترجمہ) صلاح الدین هاشم
(۹) دائرۃ المعارف الاسلامیۃ
(۱۰) مقدمہ تحقیق ماللھند: ڈاکٹر محمود علی مکی

(ماہنامہ جامِ نور، دہلی، جون ۲۰۰۴ء)

❑❑❑

شمس مارہرہ اور رسالہ 'آداب السالکین'

ولادت باسعادت:

شمس مارہرہ شمس الدین ابوالفضل آل احمد اچھے میاں مارہروی قدس سرہ کی ولادت باسعادت ۲۸ ررمضان المبارک ۱۱۶۰ھ کو مارہرہ مطہرہ میں ہوئی، تاریخی نام ''سلطان مشائخ جہاں'' ہے۔

لقب اور عرفیت:

آپ کو ''شمس مارہرہ'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، جو آپ پر من کل الوجوہ صادق آتا ہے، اچھے میاں عرفیت ہے۔

والد ماجد:

آپ کے والد ماجد اور پیرومرشد اسد العارفین سید الکاملین سیدنا شاہ حمزہ ابن شاہ آل محمد مارہروی قدس سرہ ہیں۔

صاحب البرکات کی بشارت:

آپ کے پر دادا صاحب البرکات سیدنا شاہ برکت اللہ مارہروی قدس سرہ نے بشارت دی تھی کہ ''ہماری اولاد میں ایک صاحبزادے ہوں گے، جن سے رونق خاندان دو چند ہو جائے گی''، اور اپنا ایک خرقہ اپنی بھتیجی اور بہو (والدہ حضرت سیدنا شاہ حمزہ) کو عنایت فرما کر حکم دیا تھا کہ یہ ان صاحبزادے کے واسطے ہے۔ جس وقت شمس مارہرہ کی عمر شریف چار سال کی تھی، آپ کے جد امجد حضرت سیدنا شاہ آل محمد قدس سرہٗ نے آپ کو اپنی گود میں بٹھا کر ارشاد فرمایا کہ ''وہ صاحبزادے یہی ہیں، جن کی حضور والد ماجد نے بشارت دی تھی۔''

آگے جا کر زمانے نے دیکھا کہ حضور صاحب البرکات کی زبان فیضِ ترجمان سے نکلا ہوا یہ جملہ کیسا صادق آیا کہ حضور شمس مارہرہ کی ذات والا صفات سے خانوادۂ برکاتیہ کی رونق دوچند ہوئی، فیضان برکاتیت آپ کے ذریعے عرب وعجم میں عام ہوا اور فیض غوثیت مآب کے دریا سے حضور شمس مارہرہ کے غلام سیراب ہوئے اور ایک جہاں کو سیراب کیا۔

تعلیم وتربیت اور بیعت:

آپ نے علوم ظاہری اور باطنی کے تمام ترفیوض اپنے والد ماجد حضور اسد العارفین سے حاصل کیے، اس کے علاوہ فن طب علماً اور عملاً حکیم نصر اللہ مارہروی صاحب سے حاصل کیا، آپ کی روحانی تعلیم وتربیت براہ راست بارگاہ غوثیت سے ہوئی، اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ آپ کے روحانی معلم واستاذ خود جناب غوث الثقلین ہیں۔ والد ماجد سے شرف بیعت حاصل کیا اور اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔

سجادہ نشینی:

والد ماجد حضور اسد العارفین سید نا شاہ حمزہ قدس سرہ کے وصال (۱۱۹۸ھ) کے بعد آپ خاندانی دستور کے مطابق مسند نشینِ سجادۂ برکاتیہ ہوئے اور اپنے وصال ۱۲۳۵ھ تک کامل ۳۷ برس اس مسند زریں کو زینت ورونق بخشی، ان ۳۷ برسوں میں خانقاہ برکاتیہ کے تمام معمولات کو بحسن وخوبی انجام دیا، ایک عالم آپ کے چشمہ صافی سے فیض یاب ہوا۔ ہزاروں گم کردہ راہ آپ کی ایک نگاہ ارشاد سے صراط مستقیم پر گامزن ہوئے، اور سیکڑوں تاریک دلوں کو نورِ عرفان سے منور کیا۔

عقد مسعود اور اولاد امجاد:

حضور شمس مارہرہ کا عقد مسعود سید شاہ غلام علی بلگرامی کی صاحبزادی سے ہوا۔ آپ سے ایک صاحبزادے حضرت سائیں میاں اور ایک صاحبزادی تولد ہوئیں، ان دونوں نے عہد طفولیت ہی میں پردہ فرمایا۔ حضرت سائیں میاں مادرزاد ولی تھے، جو زبان سے نکل جاتا پورا ہوتا، آپ کا وصال ۱۳؍ربیع الاول ۱۱۹۶ھ کو ہوا اور آپ کے صرف ۲۸؍روز بعد ۱۱؍ربیع الثانی ۱۱۹۶ھ کو شہزادی صاحبہ رخصت ہوگئیں۔

حضور شمس مارہرہ کے والد ماجد اسد العارفین سیدنا شاہ حمزہ قدس سرہ نے ان حضرات کی وفات کے موقع پر مفتی اودھ کے نام ایک مکتوب تحریر فرمایا تھا،اس طویل مکتوب گرامی میں اولاد کی وفات پر جس انداز میں صبر وضبط اور راضی برضا ہونے کی تعلیم دی گئی ہے، وہ خاصے کی چیز ہے- اس مکتوب کو مولانا غلام شبر صاحب نے ''مدائح حضور نور'' [تذکرۂ نوری] میں نقل کر کے محفوظ کر دیا ہے- اس کی ایک نقل کتب خانہ قادریہ بدایوں میں بھی محفوظ ہے، جو ۱۲۷۰ھ میں نقل کی گئی ہے-

وصال مبارک:

آپ کا وصال ۱۷ربیع الاول شریف ۱۲۳۵ھ بروز جمعرات بوقت چاشت ہوا، اس وقت آپ کی عمر شریف ۷۵ سال تھی، درگاہ برکاتیہ مارہرہ شریف کے گنبد میں حضور صاحب البرکات کے پہلو میں آپ کا مزار اقدس مرجع انام اور فیض بخش خاص وعام ہے-

شمس مارہرہ کا عہد:

شمس مارہرہ کا عہد مبارک (از ۱۱۶۰ھ/ ۱۷۴۷ءتا ۱۲۳۵ھ/ ۱۸۱۹ء) میں مسلمانوں کی سیاسی شان وشوکت اگر چہ اپنے آخری عہد میں تھی، مگر علم وفضل اور فقر وتصوف کے میدان میں ایسی ایسی عظیم المرتبت ہستیاں موجود تھیں کہ اس عہد کو برصغیر کے چند زریں عہد میں سے ایک کہا جا سکتا ہے- سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنے بھائیوں شاہ عبدالقادر محدث دہلوی اور شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کے ساتھ مدرسہ رحیمیہ دہلی کی مسند درس پر جلوہ افروز تھے، بیہقیٔ وقت قاضی ثناءاللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ) اور حضرت شاہ احمد انوار الحق فرنگی محلی (م ۱۲۳۶ھ) ظاہر و باطن دونوں میں فیض کے دریا بہا رہے تھے، دہلی میں مولانا فضل امام خیر آبادی (م ۱۲۴۳ھ) لکھنؤ میں ملا مبین لکھنوی (م ۱۲۲۵ھ) اور بدایوں میں بحر العلوم ملا محمد علی عثمانی (م ۱۱۹۷ھ) کی درس گاہیں شمع علم کے پروانوں سے آباد تھیں- دہلی کی حکومت کمزور تھی اور دن بدن کمزور تر ہوتی جا رہی تھی، شمس مارہرہ کے عہد میں دہلی کے تخت کو ۴ر بادشاہوں نے زینت بخشی، احمد شاہ (از ۱۱۶۱ھ تا ۱۱۶۷ھ)، عالمگیر ثانی (از ۱۱۶۷ھ تا ۱۱۷۳ھ) شاہ عالم ثانی (از ۱۱۷۳ھ تا ۱۲۲۱ھ) اور اکبر شاہ ثانی (از ۱۲۲۱ھ تا ۱۲۵۳ھ)- ان میں سے شاہ عالم ثانی کے

www.Qadri.info

بارے میں سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ آپ کا معتقد تھا اور اس نے والی اودھ نواب آصف الدولہ کے ذریعے چند دیہات ۱۱۹۸ھ میں بطور جاگیر آپ کو نذر کیے تھے- آپ کے عہد میں جیسا کہ عرض کیا گیا مسلمانوں کی حکومت کمزور سے کمزور تر ہوتی جارہی تھی اور رفتہ رفتہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا اثر و نفوذ بڑھتا جارہا تھا- فرنگیوں نے ۱۷۵۱ء میں ارکاٹ (صوبہ کرناٹک) پر قبضہ کیا- یہ ہندوستان پر انگریزوں کی پہلی فتح تھی- ۱۷۵۲ء میں ترچنا پلی فتح کیا، اسی زمانے میں نظام دکن انگریزوں کا دوست بن گیا، جس کے ذریعے انگریزوں کو دکن میں بھی کامل اقتدار حاصل ہوگیا- جنوب ہند میں اقتدار مستحکم کرنے کے بعد انگریزوں کو بنگال، بہار، اڑیسہ کی فکر ہوئی، ۱۷۵۶ء میں کلکتہ کے قلعہ پر حملہ کیا اور اس کے ایک سال بعد ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی جنگ ہوئی، نواب سراج الدولہ کو میر جعفر کی غداری کے سبب شکست ہوئی، ۱۷۶۴ء میں بکسر کے میدان میں ہندستانی فوج کو شکست ہوئی، جس کے بعد اودھ پر انگریزوں کا اقتدار مستحکم ہوگیا- ۱۷۶۵ء میں مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی انگریزوں کے فریب میں آگیا اور تقریباً ایک تہائی ہندستان فرنگیوں کے حوالے کردیا- ۱۷۹۹ء میں شیرِ میسور ٹیپو سلطان کو شکست ہوئی- انگریزوں کی فتوحات اور ہندستانیوں کی شکست وریخت کا یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی لڑی گئی جس کو ''غدر'' کا نام دیا گیا اور اس میں انگریزوں کی فتح کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت ختم کر کے ہندستان کا اقتدار براہِ راست ملکہ وکٹوریہ کے زیر فرمان ہوگیا-

مرجع اکابر:

اپنے عہد کے اکابر و مشائخ میں آپ کو جو ممتاز مقام حاصل تھا اس نے آپ کو مرجع خلائق بنا دیا تھا، بڑے بڑے اکابر اور اولیا مسائل حال وقال میں آپ کی طرف رجوع فرماتے تھے- صاحب آثار احمدی نے لکھا ہے کہ ایک صاحب نے بغداد شریف میں نقیب الاشراف صاحب سجادہ غوثیہ سے عرض کیا کہ مجھے مسئلہ وحدت الوجود میں کچھ اشکال ہے، وہ دور فرمادیں- آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہندستان میں ہمارے گھر کی دولت تقسیم ہورہی ہے، وہاں جاؤ، حسب ارشاد یہ ہندوستان آئے- یہ وہ زمانہ تھا جب دہلی میں سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا شمس فضل و کمال عروج پر تھا اور ہر جگہ آپ کے فیضان علمی کا ڈنکا بج رہا تھا- یہ صاحب شاہ

صاحب کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ، مدعا عرض کیا، شاہ صاحب نے مسئلہ سمجھایا، مگر ان کی تشفی نہ ہوئی، شاہ صاحب سمجھ گئے کہ یہ مسئلہ قال سے نہیں بلکہ کسی صاحب حال سے حل ہوگا، آپ نے فرمایا کہ مارہرہ چلے جاؤ وہاں ہمارے بھائی اچھے میاں ہیں، وہ تمہاری تسکین کر دیں گے، یہ مارہرہ شریف حاضر ہوئے، جس وقت یہ پہنچے اس وقت حضرت درگاہ سے خانقاہ کی طرف جا رہے تھے راستہ میں انھوں نے قدم بوسی کی، آپ وہیں ٹھہر گئے اور ان کا حال دریافت کیا انھوں نے مختصراً اپنے آنے کا مقصد اور مسئلے کے سلسلے میں اپنے اشکال عرض کیے، وہیں قریب میں ایک پھونس کا چھپر تھا، حضرت نے اس پر سے کچھ تنکے اٹھائے اور ان کو توڑتے ہوئے فرمایا کہ آپ کے اشکالات ایسے ہی ہیں، جیسے یہ تنکے، پھر ایک ایسی نگاہ توجہ ڈالی کہ اسی وقت ان پر اس مسئلے کی حقیقت منکشف ہوگئی۔

اہل نظر جانتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیز جیسے جامع شریعت وطریقت کا کسی شخص کو حضور اچھے صاحب کی بارگاہ میں تسکین باطنی کے لیے بھیجنا کوئی معمولی بات نہیں ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اکابر زمانہ کی نظر میں آپ کا کیا مقام تھا۔

مجدد سلسلۂ نظامیہ، فخر پاک حضرت مولانا خواجہ فخر دہلوی کے ایک مرید کسی وجہ سے گرفتار ہوگئے اور جائداد بھی ضبط کر لی گئی، بہت پریشان تھے، اپنے مرشد گرامی کی طرف لو لگائی، شب کو خواب میں آپ نے خواجہ فخر پاک کو دیکھا کہ انھوں نے نواب صاحب کا ہاتھ ایک بزرگ کے ہاتھ میں دے دیا اور فرمایا میں تمھیں ان کو سونپتا ہوں، جو مشکل پیش آئے ان سے رجوع کرنا، نواب صاحب نے عرض کیا کہ حضور یہ کون ہیں اور کہاں ہیں؟ فرمایا کہ یہ سید آل احمد قادری ہیں اور مارہرہ میں جلوہ افروز ہیں۔ یہ خواب سے بیدار ہوئے اور قاصد کو مارہرہ شریف روانہ کیا کچھ ہی عرصہ میں حضرت شمس مارہرہ کی دعا سے رہائی نصیب ہوئی۔ (تنبیہ الخلوق، ص:۵۵)

ان دونوں واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر ایک طرف شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جیسا محدث وعالم مسائل کے حل کے لیے لوگوں کو شمس مارہرہ کی طرف رجوع ہونے کی ہدایت کر رہا ہے تو دوسری طرف حضرت خواجہ فخر پاک جیسا ولی کامل اور صاحب تصرف مشکلات کے دفعیہ کے لیے اپنے مرید کو حضرت شمس مارہرہ کے سپرد کر کے ان کی طرف رجوع کا حکم فرما رہا

ہے- ان کے علاوہ آپ کے حالات میں بے شمار ایسے واقعات ملتے ہیں کہ بغداد شریف، بخاریٰ، شام اور ہندستان کے دور دراز مقامات سے علما و صوفیہ سفر کر کے آپ کی بارگاہ میں اپنے مسائل کی گتھی سلجھانے کے لیے حاضر ہوتے تھے-

خلفاے کرام:

حضور شمس مارہرہ کی عنایت سے وابستگان کی ایک بڑی تعداد نے آپ سے اجازت و خلافت حاصل کی- آپ کے خلفا میں اپنے وقت کے جید علما و فضلا، مفتیان کرام، اہل درس و تدریس، فقرا و صوفیہ، اہل خانوادہ اور خود آپ کے پیر خانہ کالپی شریف کے عظیم المرتبت افراد شامل ہیں- سوانحی کتب کا گہرا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے کم از کم ۸۴؍ افراد کو اجازت و خلافت سے نوازا، آپ کے خلفا کو ہم تین حصوں میں تقسیم کریں گے (۱) اہل خاندان، (۲) بدایونی خلفا، (۳) عام خلفا

خلفاے خانوادہ:

(۱) حضرت سید شاہ آل برکات عرف ستھرے میاں قدس سرہ (برادر اصغر)

(۲) سلطان التارکین حضرت سید شاہ آل حسین سچے میاں

(۳) خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ

(۴) سید العابدین سید شاہ اولاد رسول صاحب قدس سرہ

(۵) شمس العرفا حضرت سیدنا شاہ غلام محی الدین امیر عالم قدس سرہ

بدایونی خلفا:

بدایوں کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس پر حضور شمس مارہرہ کی بہت خاص نظر عنایت رہی ہے- بدایوں کو آپ اپنی جاگیر فرمایا کرتے تھے- ہماری معلومات کی حد تک بدایوں کے ۲۴؍ خوش نصیب افراد ایسے ہیں جن کو شمس مارہرہ نے اجازت و خلافت سے نوازا (یہ ہمارا ناقص مطالعہ ہے، ورنہ تعداد زیادہ بھی ہوسکتی ہے) آپ کے بدایونی خلفا میں بعض حسب ذیل ہیں:

(۱) افضل العبید شاہ عین الحق عبدالمجید قادری بدایونی (۲) مولانا شاہ عبدالحمید عثمانی بدایونی (۳) مولانا فخر الدین عثمانی بدایونی (۴) مولانا ذکر اللہ شاہ فرشوری بدایونی (۵) مولانا

www.Qadri.info

غلام جیلانی عثمانی بدایونی (۶) مفتی ابوالحسن عثمانی بدایونی (۷) مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی بدایونی ثم کانپوری (۸) مولوی محمد افضل صدیقی بدایونی (۹) مولوی نصیر الدین عثمانی بدایونی (۱۰) شیخ عبدالصمد متولی بدایونی (۱۱) قاضی ظہیر الدین صدیقی بدایونی۔

عام خلفا:

خانوادہ برکاتیہ اور بدایونی حضرات کے علاوہ شمس مارہرہ کے باقی خلفا میں تقریباً ۵۴ نام اب تک ہمارے مطالعے میں آئے ہیں، ان میں سے بعض کے اسماے گرامی درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت پیر بغدادی صاحب صاحبزادۂ حضور غوثیت (۲) حضرت سید شاہ خیرات علی صاحب نبیرہ وسجادہ نشین شاہ فضل اللہ کالپوی (۳) حافظ سید شاہ غلام علی شاہجہانپوری (۴) سید احمد شاہ صاحب شاہجہانپوری (۵) سید شاہ میرن صاحب بریلوی (۶) سید محمد علی صاحب الملقب غلام درویش لکھنوی (۷) مولانا فضل امام صاحب رائے بریلوی (۸) میاں حبیب اللہ صاحب قندھاری (مدفون درگاہ قادری بدایوں) (۹) مولوی غلام عباس بردوانی (۱۰) خواجہ کلن قاضی سرونج (۱۱) مولانا بدر الدین بخاری (۱۲) مولانا شیخ احمد دہلوی (۱۳) مولانا عبدالجبار شاہ جہاں پوری (۱۴) مولانا عبدالقادر صاحب داغستانی (۱۵) خواجہ غلام نقش بند خاں دہلوی۔

علوم وفنون کا انسائیکلو پیڈیا 'آئین احمدی':

حضرت اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے زمانے کے جید علما کا ایک بورڈ تشکیل دے کر اپنی نگرانی میں فقہ حنفی کا ایک انسائیکلو پیڈیا مرتب کروایا تھا جو ''فتاویٰ عالمگیری'' کے نام سے معروف ہے۔ تاریخی طور پر یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ ہندستان میں اس کے بعد علما کی ایک جماعت نے مل کر اگر کوئی انسائیکلو پیڈیا ترتیب دیا ہے تو وہ ''آئین احمدی'' ہے، جو حضور شمس مارہرہ کے حکم پر آپ کے مریدین، خلفا، علما اور فضلا کی ایک جماعت نے مل کر ترتیب دیا، عالمگیری انسائیکلو پیڈیا اور آل احمدی انسائیکلو پیڈیا میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ حضرت عالمگیر نے صرف فقہ حنفی کے مسائل وجزئیات پر مشتمل کتاب ترتیب دلوائی، جب کہ شمس مارہرہ کے حکم سے ترتیب دی گئی اس انسائیکلو پیڈیا کی شان یہ ہے کہ علوم متداولہ میں سے کوئی علم وفن ایسا نہیں ہے جو اس میں درج نہ ہو۔ اس طرز پر اور بھی کتابیں لکھی گئی ہیں، جو علوم متداولہ کی

www.Qadri.info

بہت سی شاخوں کو محیط ہوں، ان میں علامہ قطب الدین شیرازی کی ''درة التاج لغرة الدیباج'' علمی حلقوں میں معروف ہے۔ ''آئین احمدی'' کی تالیف کے سلسلے میں مولانا غلام شبر قادری لکھتے ہیں:

''خلفا و مریدین سے ایک جماعت علما حاضر ہے، ارشاد ہوا کہ اگر کتب خانہ سرکار مارہرہ کو کوئی مکمل دیکھنا چاہے (تو) ایک بڑا وقت درکار ہوگا۔ مناسب ہے کہ آپ لوگ کوشش کریں اور کتب خانہ سے متفرق علوم وفنون کی کتب انتخاب کریں پھر ہر فن کا خلاصہ جو امور ضروریہ کا حامل ہو مرتب کریں، جو اس خلاصے کو دیکھ لے گویا بہت سی کتابوں اور مصنفوں کی تحقیقات سے مطلع ہوگیا۔ حسب الحکم ایک جماعت نے تعمیل کی اور ایک مجموعہ جو قریباً تیس اور بروایتے ساٹھ جلد پر مشتمل تھا، مکمل ہوا، اس کا نام آئین احمدی رکھا گیا۔ اس میں بیشتر اکابر کے متون اور چھوٹے بڑے رسالے مستقل نقل ہیں۔ بعض مضامین بطور خلاصہ نقل ہیں، اصل مسودۂ اذکار و اشغال کی اس عاجز نے زیارت کی ہے، جو کہیں کہیں حضرت کے دستخط سے بھی مزین اور ہدایات سے آراستہ ہے، متعدد جلدیں صاف شدہ بھی دیکھی ہیں جو کلام وعقائد اور سلوک وسیر میں ہیں۔ چند جلدیں اس کی صاحبزادوں کے پاس ہیں چند مدرسہ قادریہ میں ہیں، کچھ اور حضرات کے قبضے میں ہیں، افسوس یہ سلک درر منتشر ہوگیا، ورنہ عجب نعمت تھی۔'' (مدائح حضور نور، ص: ۶۴، ۶۵)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ''آئین احمدی'' صرف ایک کتاب نہیں بلکہ اپنے اندر ایک مکمل کتب خانہ ہے۔ مگر افسوس کہ علوم وفنون کا یہ عظیم انسائیکلوپیڈیا محفوظ نہ رہ سکا، اس کی مختلف جلدوں کے بارے میں جو بات سابقہ اقتباس میں کہی گئی ہے تقریباً وہی بات حضرت تاج العلما نے بھی فرمائی ہے، آپ فرماتے ہیں:

''اس کی بہت سی جلدیں تلف ہوگئیں، اب فقیر کے کتب خانے میں چند جلدیں ہیں، جن میں سے ایک عقائد وفقہ میں بطور متکلمین وصوفیہ اور بقیہ اشغال و اوراد و اذکار وغیرہ میں ہیں۔'' (تاریخ خاندان برکات، ص: ۲۴، ۲۵)

www.Qadri.info

غالباً یہ وہی جلدیں ہیں جن کی مولانا غلام شبر صاحب نے زیارت کی ہے اور ان پر حضور شمس مارہرہ کی تحریر و ہدایات کا درج ہونا بیان کیا ہے- حضرت تاج العلما آگے لکھتے ہیں:

''کچھ جلدیں اس کی چچا صاحب سید مہدی حسن صاحب کے کتب خانے میں بھی تھیں اور کچھ جلدیں سنا جاتا ہے کہ استاذی مولانا مولوی عبدالمقتدر صاحب بدایونی کے کتب خانہ میں ہیں-'' (مرجع سابق)

تقریباً تمام سوانح نگاروں نے اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ آئین احمدی کی چند جلدیں کتب خانہ قادریہ بدایوں میں موجود ہیں- کتب خانہ قادریہ میں موجود مطبوعات کی ترتیب جدید ہو چکی ہے اور ان کا ایک کیٹلاگ (Catalogue) بھی تیار کیا جا چکا ہے، مگر ابھی مخطوطات پر کام نہیں ہوا ہے، جو ایک اندازے کے مطابق ۸۰۰ اور ۱۰۰۰ کے درمیان ہوں گے، آئین احمدی کی مذکورہ جلدیں اسی حصہ مخطوطات میں کہیں ہیں، جلد ہی ارادہ ہے کہ حصہ مخطوطات کی فہرست سازی کا کام شروع کیا جائے- فہرست سازی کے عمل کے دوران ان شاءاللہ یہ جلدیں برآمد ہوں گی- کچھ سال قبل مخطوطات کی ایک الماری کو سرسری طور پر دیکھ رہا تھا اسی دوران ایک ضخیم کتاب برآمد ہوئی، جس پر شمس مارہرہ کی تحریر اور دستخط تھے- اس کو میں نے الگ کر لیا اور عرصے تک اس کو میں ''آئین احمدی'' گمان کرتا رہا، مگر ایک بار فرصت میں اس کا بغور مطالعہ کیا تو معلوم ہوا یہ ''آئین احمدی'' نہیں ہے- مولانا غلام شبر صاحب نے لکھا ہے کہ:

''حضور شمس مارہرہ نے اپنے کتب خانے سے عمدہ عمدہ کتابیں منتخب فرما کر مدرسہ قادریہ کو جو اس وقت مدرسہ محمدیہ کہا جاتا تھا، مرحمت فرمائیں-''

(مدائح حضور نور، ص:۶۶)

اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب بھی انہی کی عطا کردہ کتابوں میں سے ایک ہے-

تصانیف:

معمولات ذکر و فکر، اشغال باطنی، مریدین و سالکین کی تربیت اور مخلوق خدا کی اصلاح و ہدایت میں مصروفیت کی وجہ سے آپ نے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ نہیں فرمائی، جس موضوع پر تصنیف کی ضرورت محسوس فرمائی اپنے خلفا اور خدام کو حکم دے کر کتاب تصنیف کروالی، آئین

احمدی کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے۔

مولانا غلام شبر صاحب لکھتے ہیں:

''حضور اقدس کو تصنیف و تالیف سے دلچسپی نہ تھی، بیشتر مسائل اور استفسارات و شبہات کا جواب خود سائلوں پر منکشف ہو جاتا، کبھی نوازش ناموں سے تسکین فرما دیتے، اس عاجز نے بعض کرامت نامے حضور کے دیکھے ہیں جن میں فوائد عجیبہ اور تحقیق مقام کے سوا خدام کی حفاظت و پرورش کا خاص پتہ چلتا ہے، افسوس اس زمانے میں کسی نے ان کے جمع کرنے کی کوشش نہیں کی اور اب بہت دشوار ہے۔''

(مدائح حضور نور، ص: ٦٥)

بعض معاصر اہل قلم نے حضرت کی مندرجہ ذیل تصانیف کا تذکرہ کیا ہے:

(١) آئین احمدی ٣٤ جلد، (٢) بیاض عمل و معمول دوازدہ ماہی، (٣) آداب السالکین مطبوعہ، (٤) مثنوی تصوف، (٥) دیوان شعر فارسی، (٦) وصیت نامہ (اہل سنت کی آواز، ص: ١٦٤، مارہرہ شریف ١٩٩٩ء)

ہم نے شمس مارہرہ کی تصانیف کے حوالے سے جب سوانحی کتب کا مطالعہ کیا تو بعض قابل توجہ امور سامنے آئے، جن کی روشنی میں صرف 'آداب السالکین' اور 'بیاض عمل و معمول' کو ہی حضرت کی تصانیف کے ذیل میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

'آئین احمدی' کی تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں کہ دراصل یہ حضور شمس مارہرہ کے حکم اور نگرانی میں ترتیب دیا جانے والا ایک عظیم انسائیکلو پیڈیا ہے جیسا کہ مولانا غلام شبر صاحب کے بیان سے واضح ہے، مگر اس کو شمس مارہرہ کی تصنیف قرار دینا ذرا محل نظر ہے، ایک طرف تو اکثر سوانح نگار یہ لکھ رہے ہیں کہ اوراد و اشغال کی مصروفیت کی وجہ سے آپ کو تصنیف و تالیف سے دلچسپی نہیں تھی اور دوسری طرف آپ نے ٣٠، ٣٤ یا ٦٠ ''ضخیم جلدیں'' تصنیف فرما دیں۔ مولانا غلام شبر صاحب جنھوں نے اس کی متعدد جلدوں کی زیارت کی ہے، ان کا بیان ہے کہ ''اس میں بیشتر اکابر کے متون اور چھوٹے چھوٹے رسالے مستقل نقل ہیں، بعض مضامین بطور خلاصہ نقل ہیں''، مزید یہ کہ ''کہیں کہیں حضور کے دستخط سے مزین اور ہدایات سے آراستہ ہے''

ان اشارات کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرنے کی گنجائش ہے کہ آئین احمدی شمس مارہرہ کے حکم سے ان کے خلفا و خدام نے ترتیب دی، ہاں کہیں کہیں آپ نے بھی اس میں بطور ہدایات اپنے قلم حق رقم سے کچھ تحریر فرما دیا، بہر حال جب تک آئین احمدی کی باقی ماندہ جلدیں سامنے نہیں آتیں، اس وقت تک یقین سے کوئی بات نہیں کہی جا سکتی۔

'دیوان فارسی' کو بھی یقینی طور پر حضرت شمس مارہرہ کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا، خود حضرت تاج العلما سید اولاد رسول نے بھی جزم و یقین کے ساتھ اس کو حضرت کا دیوان قرار نہیں دیا ہے، آپ فرماتے ہیں ''ایک مختصر دیوان اشعار فارسی کی نسبت بھی گمان کیا جاتا ہے کہ حضرت کا ہے۔'' (خاندان برکات، ص: ۲۵)

یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ شمس مارہرہ کے حالات میں جتنے بھی قدیم مآخذ اب تک ہماری نظر سے گزرے، کسی میں آپ کے شعری ذوق کے بارے میں کوئی اشارہ موجود نہیں ہے، عشقی یا عینی کی طرح آپ کے تخلص کا بھی کہیں کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا ہے، اگر آپ نے میدان شعر وسخن کو عزت بخشی تھی اور اس حد تک شعری ذوق تھا کہ ایک مکمل دیوان مرتب ہو گیا تو یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جو سوانح نگاروں کو اپنی جانب متوجہ نہ کرتی، ہاں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ غلبۂ حال کے وقت یا کسی مخصوص کیفیت کے وقت برجستہ کچھ اشعار نظم ہو جاتے ہیں، غالباً ایسے ہی کسی موقع پر تصوف کے اسرار و رموز کے سلسلے میں حضرت نے مثنوی کے طرز پر کچھ اشعار نظم کیے ہوں گے، مگر یہ کوئی ایسی طویل اور مکمل مثنوی نہ ہوگی جس کو مستقل ایک تصنیف قرار دیا جا سکے، حضرت تاج العلما نے بھی اس کو 'ایک چھوٹی سی مثنوی'' فرمایا ہے اور پھر یہ کہ یہ ''مثنوی ایک بدایونی صاحب کو حفظ تھی جوان سے فقیر (حضرت تاج العلما) نے بھی سنی تھی''، یہ خود اس بات کا اشارہ ہے کہ وہ کوئی دو چار سو اشعار پر مشتمل مثنوی نہیں ہوگی ورنہ ایک بدایونی صاحب کو زبانی یاد ہونا اور ایک ہی نشست میں سنا دینا ذرا عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔ وصیت نامے کو بھی ''تصنیف'' کے زمرے میں شامل کرنا محل نظر ہے، یہ دو صفحات کا وصیت نامہ ہے جس کو غلام شبر صاحب نے 'مدائح حضور نور' اور حضرت تاج العلما نے ''بہترین کملا کی وصیتیں'' میں نقل فرما دیا ہے۔

ہاں البتہ 'بیاض عمل و معمول' کو حضرت کی تصنیف کہا جا سکتا ہے، حضرت تاج العلما کے

بقول ''اس میں مارہرہ کے متعلق جو اعمال و اوراد و اذکار و اشغال و اعراس و فواتح خاندان عالی شان برکاتیہ میں معمول ہیں مندرج ہیں یہ بھی مبسوط کتاب ہے-'' (خاندان برکات، ص: ۲۵)

یہ بیاض یقیناً کتب خانہ سرکار مارہرہ میں موجود ہوگی-

دوسرا رسالہ '' آداب السالکین'' ہے، جسے حضرت شمس مارہرہ کی تصانیف میں شمار کیا جا سکتا ہے- یہ راہ سلوک اور اذکار و اشغال پر ایک مختصر مگر جامع رسالہ ہے، اس رسالے کو سب سے پہلی مرتبہ شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری قدس سرہٗ نے ترجمہ کر کے شائع فرمایا (مطبع ادبی لکھنو ۱۹۳۵ء)، ہم تمام آل احمدیوں کو حضرت کا احسان مند ہونا چاہیے کہ آپ نے ترجمہ اور اشاعت کے ذریعے شمس مارہرہ کا یہ مبارک رسالہ محفوظ فرمادیا، ورنہ ممکن ہے یہ بھی مفقود ہو جاتا- حضرت تاج العلما نے ترجمہ کے ساتھ اصل فارسی متن بھی شائع کیا تھا، رسالہ کا دوسرا ایڈیشن اراکین بزم قاسمی برکاتی کان پور کے زیرِ اہتمام شائع ہوا، اس ایڈیشن میں صرف ترجمہ شائع کیا گیا، متن شامل اشاعت نہیں کیا گیا- امین ملت پروفیسر سید محمد امین میاں برکاتی نے ۱۹۸۷ء میں از سر نو ترجمہ کیا اور آپ کے گراں قدر مقدمہ کے ساتھ یہ رسالہ برکاتی پبلشرز کراچی نے شائع کیا، یہی اشاعت ہمارے پیش نظر ہے-

آداب السالکین:

چوں کہ آپ کی تصانیف میں یہی رسالہ '' آداب السالکین'' محفوظ ہے، لہٰذا ہم یہاں اس کا قدرے تفصیلی تعارف کرانا چاہتے ہیں- یہ رسالہ تین ابواب پر مشتمل ہے، پہلا باب آداب و فنا کے بیان میں، دوسرا باب ذکر کی ترتیب کے بیان میں اور تیسرا باب ذکر یا شغل اور حضوری قلب سے دفع خطرات کے فوائد کے بیان میں- پہلے باب میں ان آداب کا بیان ہے کہ اگر سالک مرشد کی موجودگی میں اپنی عقل کے مطابق ان پر عمل کرتا رہے تو اس کی صلاحیت میں اضافہ ہو- اس باب میں ۱۲؍آداب کا بیان ہے-

پہلا ادب: یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کچھ نہ مانگو، کیوں کہ جب اللہ ہی اس کا ہوگا تو ساری مخلوق اس کی ہوگی-

دوسرا ادب: سالک کبھی ایسا حرف بھی زبان پر نہ لائے جو عاجزی، مسکینی، تابعداری اور

انکساری سے خالی ہو۔

تیسرا ادب: وہ نعمتیں ہرگز ظاہر نہ کرے جو سلوک کی منزلیں طے کرتے وقت اسے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہوں۔

چوتھا ادب: اللہ تعالیٰ کی ذات کو اپنے ظاہر و باطن کے جملہ احوال پر مطلع جانے۔

پانچواں ادب: ہر چھوٹے بڑے کام میں سرور عالم ﷺ کی پیروی ضروری سمجھے، محبوبی کا درجہ ملنے کا یہی ایک راستہ ہے۔

چھٹا ادب: سادات کرام، مشائخ عظام اور علماے دین کو رسول اللہ ﷺ کا نائب سمجھے اور دل و جان سے ان کی تعظیم کرے۔

ساتواں ادب: اپنے پیرو مرشد کو اپنے حق میں دنیا کے تمام شیوخ سے افضل سمجھے۔

آٹھواں ادب: مرشد کے سامنے سالک کو ایسے رہنا چاہیے جیسے غسل دینے والے کے ہاتھ میں میت ہوتی ہے۔

نواں ادب: راہ سلوک میں مشاہدہ تجلیات سے باطنی جوش پیدا ہوتا ہے، سالک کو لازم ہے کہ اس مقام پر اپنی حد سے باہر نہ جائے اور اپنے مرتبہ سے قدم آگے نہ بڑھائے۔

دسواں ادب: اپنے سارے کام خواہ وہ نفس کے بہکانے سے ہوں یا قلب و روح کے قوت دینے سے، ان سب کو اور خود کو خدا کے حوالے کر دینا چاہیے۔

گیارھواں ادب: خلق سے تنہائی اختیار کرے اور اپنے نفس سے غرور کو باہر نکال دے۔

بارھواں ادب: جس قدر ہو سکے کم کھائے اور کم سوئے۔

یہ آداب لکھنے کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ ان آداب سے بھی زیادہ فائدہ مرشد کے پاس رہنے سے ہوگا، اس لیے کہ مرشد کی موجودگی میں ایک ہی مجلس میں ہزاروں رکاوٹیں اور ہزاروں الجھنیں دور ہو جاتی ہیں۔ سلوک کی منزلیں طے کرنے میں جس حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے وہ فنا سے حاصل ہوتا، اس لیے آپ نے فنا کی تفصیل اور اس کی تینوں قسموں کا بیان فرمایا ہے۔

فنا کی پہلی قسم: فنافی الشیخ یعنی اپنے آپ کو مرشد کے خیال میں ایسا گم کر دے کہ خود کو بھول جائے اور اپنے آپ کو مرشد سے الگ نہ سمجھے۔

دوسری فنا: فنا فی الرسول ہے، یہ مرتبہ فنا فی الشیخ کے بعد حاصل ہوتا ہے، سالک کو جو کچھ مشاہدات تجلیات ہوں ان سب کو رسول اکرم ﷺ کا کرم سمجھے۔

تیسری فنا: فنا فی اللہ ہے۔ جب سالک فنا فی اللہ کے آخری درجے تک پہنچتا ہے تو وہیں سے بقا کی ابتدا ہوتی ہے۔

اس کے بعد آپ نے تفصیل سے ان اوراد واشغال اور نوافل وتلاوت کا بیان فرمایا ہے جو راہ سلوک میں ضروری ہیں۔

دوسرا باب ذکر کی ترتیب کے بیان میں ہے، اس میں آپ نے ذکر نفی واثبات کا طریقہ اور تعداد بیان فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ ذکر دو وقت کرنا چاہیے، ایک تو تہجد کے وقت کہ اس وقت رحمت خداوندی جوش میں ہوتی ہے، دوسرا مغرب کے وقت کہ رات میں جاگنے والوں کا دن اسی وقت شروع ہوتا ہے۔

تیسرے باب میں دفع خطرات کے طریقے بیان کیے ہیں، جب سالک ذکر وشغل کرتا ہے تو اس کے قلب پر وسوسے اور خطرات گزرتے ہیں اور یہ وسوسے حضوری قلب میں مانع ہوتے ہیں، ان کو دفع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے بائیں طرف غصے سے تھوک دے اور یہ سوچے کہ میں نے شیطان کے منہ پر تھوک دیا اور وہ ملعون میرے تھوکنے سے بھاگ گیا۔ پھر اگر شیطان بہکائے تو تین گہری سانسیں لے اور پھر دونوں نتھنوں سے ناک سنکنے کی طرح سانس نکالے گویا دماغ سے گندگی نکل گئی۔ اگر اب بھی کوئی اندیشہ ہو تو پوری قوت کے ساتھ تین مرتبہ ذکر نفی واثبات کرے یعنی پوری طاقت سے لا الہ کہنے کے بعد دل پر الا اللہ کی ضرب لگائے اور اپنے ذکر میں مصروف ہو جائے۔

ذکر کرنے کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وضو کرکے کعبہ کی طرف منہ کرکے دوزانو یا چار زانوں بیٹھے اور اپنے حواس مجتمع کرکے ایک بار آیت الکرسی اور چاروں قل پڑھ کر اپنے اوپر دم کرے اور اپنے قلب کو مخلوق سے غافل کرکے ساری توجہ حق تعالیٰ کی جانب لگالے۔

رسالے کے خاتمے میں فرماتے ہیں کہ جو سالک ان آداب پر عمل کرے گا وہ ان شاء اللہ تعالیٰ بزرگان دین متین کی ارواح کریمہ کی برکت سے فیض یاب ہوگا، مرتبہ شریعت سے مرتبۂ

www.Qadri.info

طریقت پر پہنچ جاے گا اور اپنے سوالوں کو فرشتوں کے جواب سے دریافت کر لے گا- ان دونوں مرتبوں کو حاصل کرنے والا مرتبۂ علم الیقین اور مرتبۂ عین الیقین بھی حاصل کرے گا-

(ماہ نامہ جامِ نور، دہلی، جون ۲۰۱۰ء)

کتابیات

۱-آثار احمدی (قلمی): حکیم عنایت حسین مارہروی

۲-آداب السالکین: سید شاہ آل احمد اچھے میاں، ترجمہ ڈاکٹر سید محمد امین میاں برکاتی، برکاتی پبلشرز کراچی ۱۹۸۷ء

۳-اہل سنت کی آواز ۱۹۹۹ء: خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف

۴-تاریخ خاندان برکات: تاج العلما شاہ اولاد رسول محمد میاں مارہروی، برکاتی پبلشر کراچی ۱۹۸۷ء

۵-تنبیہ الخلوق (قلمی): مجاہد الدین ذاکر بدایونی

۶-مدائح حضور نور: مولانا غلام شبر قادری بدایونی، امیر الاقبال پریس بدایوں ۱۳۳۴ھ

۷-ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ: ثروت صولت، مرکزی مکتبہ اسلامی نئی دہلی، ۲۰۱۲ء

❑❑❑

شمس مارہرہ اور سراج الہند
علمی اور روحانی روابط

صاحب البرکات سیدنا شاہ برکت اللہ مارہروی قدس سرہ (وفات: ۱۱۴۲ھ/ ۱۷۲۹ء) اور مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (وفات: ۱۱۷۶ھ/ ۱۷۶۲ء) کے خانوادوں میں ایک سے زیادہ عناصر مشترک نظر آتے ہیں، مثلاً شریعت وطریقت اور ظاہر و باطن کی جامعیت، تصنیف وتالیف، درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ کی مخلصانہ جدوجہد، مجاہدات وریاضات اور فقرو توکل کے ایمان افروز مظاہر، یہی وہ عناصر ترکیبی ہیں جن کی بنیادوں پر ان دونوں خاندانوں کی علمی وروحانی عمارت قائم ہے، ان کے علاوہ علمی، روحانی، دعوتی اور اصلاحی خدمات کی صدیوں پر محیط روشن وتابناک تاریخ اور مریدین ومتوسلین اور تلامذہ وخلفا کا طویل سلسلہ بھی ان دونوں خاندانوں میں قدر مشترک ہے۔

خانوادۂ ولی اللہی میں شاہ ولی اللہ کے بعد ان کے صاحبزادے سراج الہند حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی شخصیت مرکزی اہمیت کی حامل ہے۔ اسی طرح خانوادۂ برکات میں شمس مارہرہ، ابوالفضل آل احمد حضور اچھے میاں کی ذات گرامی کو ارباب نظر اور اصحاب دل نے فخر خاندان برکات تسلیم کیا ہے۔ یہ بھی عجیب حسن اتفاق ہے کہ اپنے خاندانوں کے یہ دونوں فخر خاندان چشم وچراغ ایک ہی عہد وزمانے کے ہیں، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی ولادت رمضان ۱۱۵۹ھ/ ۱۷۴۶ء میں ہوئی، اس کے ٹھیک ایک سال بعد رمضان ۱۱۶۰ھ/ ۱۷۴۷ء میں حضور شمس مارہرہ تولد ہوئے۔ دونوں حضرات کے زمانہ وصال میں تقریباً ۴ رسال کا فرق ہے۔

www.Qadri.info

شمس مارہرہ کا وصال ربیع الاول ۱۲۳۵ھ/ ۱۸۲۰ء میں ہوا، اس کے چار برس بعد ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۴ء میں شاہ عبدالعزیز دہلوی نے وصال فرمایا- اس معاصرت کے نتیجے میں دونوں حضرات ایک دوسرے کے علم وفضل اور باطنی وروحانی کمالات کے معترف، قدرداں اور رتبہ شناس تھے-

ان دونوں شخصیات پر الگ الگ کافی کچھ لکھا گیا ہے، مگر غالباً اب تک مؤرخین ومحققین نے ان دونوں حضرات کے باہمی تعلقات وروابط کو موضوع بنا کر تاریخ کا مطالعہ نہیں کیا ہے، جس کے نتیجے میں تاریخ کی بہت سی اہم کڑیاں بے ربط ہوگئیں اور بعض تاریخی حقائق کا سراغ ہم نے کھو دیا- زیر نظر مضمون میں تاریخ کی انہی گمشدہ کڑیوں کی بازیافت کی ایک طالب علمانہ کوشش کی جارہی ہے-

سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور شمس مارہرہ ابوالفضل آل احمد حضور اچھے میاں مارہروی یہ دونوں عظیم شخصیتیں علوم ظاہر وباطن سے آراستہ اور شریعت وطریقت کی جامع تھیں- یہ الگ بات ہے کہ شمس مارہرہ کے یہاں ہمیں علوم ظاہر پر تصوف وروحانیت کا غلبہ نظر آتا ہے، جب کہ شاہ صاحب نے اپنے باطنی کمالات پر علم ظاہر کا پردہ ڈال لیا تھا، یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب خانقاہی اور صوفی ہونے کے باوجود درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مصروف نظر آئیں گے اور شمس مارہرہ علم معقول ومنقول کا سمندر سینے میں رکھتے ہوئے بھی اپنی خانقاہ میں طالبین وسالکین کی تربیت وتزکیہ میں مشغول نظر آتے ہیں-

مجلس عزیزی میں تذکرۂ شمس مارہرہ:

یہ دونوں حضرات معاصر تھے، ایک دوسرے کے علمی اور روحانی مقام ومرتبے سے آشنا تھے، لہٰذا علمی مجالس اور نجی محافل میں ایک دوسرے کا ذکر خیر بھی ہوتا تھا، اس سلسلے میں چند واقعات تک ہماری رسائی ہوئی ہے-

''ملفوظات عزیزی'' [۱] میں جامع ملفوظات شاہ صاحب کی ایک مجلس کا احوال لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

> ''ایک مرتبہ (ایک مرید سے شاہ عبدالعزیز نے) فرمایا کہ تم نے اچھے صاحب مارہروی کو دیکھا ہے؟ اس مرید نے عرض کیا کہ میں ڈھاکہ سے لے کر دہلی تک

اکثر مشہور بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور ان کے ارشادات وتوجہات سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا ہے، ان میں سے ممتاز اکابر کے چند طبقات بھی مَیں نے قائم کیے ہیں- اس سلسلے میں کچھ احوال بزرگان ڈھاکہ نیز حضرت شاہ غلام علی کے بیان کر کے کہا کہ طبقہ ثانیہ میں شاہ اچھے صاحب کو باعتبار علم وعمل اس فن طریقت کا ماہر سمجھتا ہوں-'' [۲]

مجلس شمس مارہرہ میں تذکرۂ عزیزی:

جس طرح حضرت شاہ صاحب کی مجلس میں شمس مارہرہ کا ذکر ہوا کرتا تھا، اسی طرح شمس مارہرہ کی مجلس میں شاہ صاحب کا ذکر خیر ہوتا تھا- ایک مجلس میں جس میں شمس مارہرہ کے مخصوص خدام حاضر تھے، شاہ صاحب کے علم وفضل کا ذکر چھڑ گیا، حضور شمس مارہرہ نے ارشاد فرمایا کہ ''ان کا ظاہر ہمارے باطن کی مانند ہے اور ان کا باطن ہمارے ظاہر کی طرح ہے-'' یہ روایت ہمارے خاندان میں سینہ بسینہ چلی آ رہی ہے، مَیں نے اپنے بزرگوں سے سنی ہے- ابھی کچھ عرصے پہلے اس کا ایک معتبر حوالہ بھی مل گیا- اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ''مطلع القمرین'' [۳] میں حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہ کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے، فرماتے ہیں:

حدثنا المولیٰ ابو الحسین السید احمد النوری مد ظله العالی عمن حدثه عن المولیٰ العظیم سیدنا آل احمد اچھے میاں المارهروی رضی الله تعالیٰ عنه انه قال ظاهر الشاه عبدالعزیز یساوی باطنی و باطنه یعدل بظاهری[۴]

ترجمہ: ہم سے بیان کیا مولانا ابوالحسین سید احمد نوری مدظلہ العالی نے، انہوں نے روایت کیا اس شخص سے کہ جس نے ہمارے سردار اور آقا آل احمد اچھے میاں مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت شمس مارہرہ نے فرمایا کہ ''شاہ عبدالعزیز کا ظاہر میرے باطن کے مساوی ہے اور ان کا باطن میرے ظاہر کے مساوی ہے-''

شاہ عبدالعزیز اسلام کا ستون ہیں:

اسی مطلع القمرین میں حضرت فاضل بریلوی نے اپنے پیرومرشد خاتم الاکابر حضرت سیدنا شاہ آل رسول احمدی کے حوالے سے شاہ صاحب کے بارے میں حضور شمس مارہرہ کا ایک فرمان نقل کیا ہے، لکھتے ہیں:

> **سمعت حضرۃ شیخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول سمعت حضرت شیخنا رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول شاہ عبدالعزیز عماد الاسلام۔[۵]**
>
> مَیں (فاضل بریلوی) نے اپنے شیخ (حضرت خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول احمدی) کو فرماتے ہوئے سنا کہ مَیں (حضرت خاتم الاکابر) نے اپنے شیخ (حضور شمس مارہرہ) سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ ''شاہ عبدالعزیز اسلام کا ستون ہیں۔''

مریدین شمس مارہرہ درس گاہ عزیزی میں:

قدر دانی، رتبہ شناسی اور علم وفضل پر اعتماد کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ ہم شمس مارہرہ کے بعض مریدین وخلفا کو درس گاہ عزیزی میں زانوئے تلمذ تہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ایک سرسری تلاش کے بعد ہمیں کم از کم چار حضرات ایسے ملے جو حضور شمس مارہرہ سے نسبت بیعت وارادت رکھتے ہیں اور علوم ظاہر میں مدرسہ شاہ عبدالعزیز کے فیض یافتہ ہیں۔ان چار حضرات میں سے دو کے بارے میں یہ صراحت بھی ملتی ہے کہ ان کو خود حضرت اچھے میاں نے شاہ صاحب کی درس گاہ میں علوم حدیث وتفسیر کی تحصیل کے لیے بھیجا تھا۔

۱۔خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی قدس سرہ (وفات:۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء) حضرت شمس مارہرہ کے بھتیجے، مرید، خلیفہ اور جانشین تھے،شاہ عین الحق عبدالمجید قادری بدایونی اور شاہ سلامت اللہ کشفی بدایونی سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد حضرت شمس مارہرہ نے پہلے آپ کو فرنگی محل حضرت ملا نورالحق فرنگی محلی (وفات:۱۲۳۸ھ) کی خدمت میں تحصیل علم کے لیے بھیجا، وہاں سے معقول ومنقول میں فراغت کے بعد حضرت اچھے صاحب نے آپ کو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی درس گاہ میں علم حدیث کی تحصیل کے لیے روانہ فرمایا، مولوی طفیل احمد متولی بدایونی ''برکات مارہرہ'' میں لکھتے ہیں:

www.Qadri.info

تحصیل علوم ظاہری سے حضرت صاحب (خاتم الاکابر) نے فراغ حاصل کر کے دستار فضیلت ردولی شریف میں زیب سر فرمائی اور ۱۲۶۶ھ میں ارادہ وطن واپسی کا کیا، اس میں حضرت اچھے میاں صاحب قدس سرہ کا فرمان پہنچا کہ دہلی جا کر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ کو صحاح ستہ وغیر ہا کتب احادیث سنا کر سند حاصل کرو، چنانچہ آپ دہلی تشریف لے گئے اور شاہ صاحب کو جمیع کتب احادیث سنا کر ان سے سند حاصل کی۔[۶]

حضرت اچھے میاں کے اس فیصلے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی نظر میں درس گاہ عزیزی کی کیا اہمیت ووقعت تھی۔

۲۔ شاہ سلامت اللہ کشفی بدایونی ثم کانپوری (وفات: ۱۲۸۱ھ/ ۱۸۶۴ء) حضرت شمس مارہرہ کے مرید وخلیفہ ہیں، ابتدائی تعلیم کے بعد حضرت اچھے میاں نے مولانا کشفی کو پہلے مولانا مجد الدین عرف مولوی مدن کی خدمت میں بھیجا، وہاں سے فراغت کے بعد شمس مارہرہ کے حکم سے آپ حضرت شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہوئے، شاہ سلامت اللہ کشفی نے خود اپنے ''رسالۃ الاسناد''[۷] میں اس کا ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں:

''کتب درسیہ کی تحقیق وتدقیق کے بعد جناب پیرومرشد (شمس مارہرہ) قدس سرہ کے حکم کے مطابق مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی انار اللہ برہانہ کی خدمت بابرکت میں سعادت حاصل کی اور احادیث وتفاسیر کی کتابوں کی تحصیل وتحقیق وتنقیح میں مشغول ہوا اور اس خاندان سے فیض حاصل کیا۔''[۸]

۳۔مولوی کریم اللہ دہلوی کے بارے میں مصنف تذکرہ علمائے ہند نے لکھا ہے کہ وہ حضور شمس مارہرہ کے مرید وخلیفہ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے شاگرد تھے، لکھتے ہیں:

''مولوی کریم اللہ دہلوی بن مولوی لطف اللہ فاروقی نے مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی، مولانا رشید الدین خاں دہلوی اور مولوی محمد کاظم دہلوی کی خدمت میں رسمی علوم حاصل کیے اور حضرت آل احمد اچھے میاں مارہروی کے مرید ہوئے اور خلافت حاصل کی، کثیر الدرس والتصانیف تھے، ۱۲۹۱ھ/ ۷۵-۱۸۷۴ء میں نوے سال

کی عمر میں انتقال ہوا۔‘‘[۹]

۴-مولوی مجاہدالدین ذاکر بدایونی نے’’تنبیہ المخلوق‘‘[۱۰] میں حضرت اچھے میاں کے مرید مولوی احسان اللہ فرشوری بدایونی (خلیفہ حضور خاتم الاکابر) کے حوالے سے ایک واقعہ نقل کیا ہے، لکھتے ہیں:

’’جناب عالم علوم بے نہایت ، صاحب وعظ و ہدایت ، حقیقت آگاہ مولوی محمد احسان اللہ صاحب بدایونی فرماتے ہیں کہ جب مَیں برائے حصول سند حدیث خدمت فیض درجت میں جناب افتخار المحدثین شاہ مولانا محمد عبدالعزیز قدس سرہ کے حاضر ہوا وہاں خواجہ نقش بند خاں سے ملاقات ہوئی۔‘‘ الخ[۱۱]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی احسان اللہ بدایونی شاہ صاحب کے تلامذہ میں ہیں ، جب کہ ان کا رشتہ ارادت وبیعت حضرت اچھے میاں صاحب سے ہے۔

اس سلسلے میں اگر مزید تلاش وجستجو کی جائے تو اور بھی بہت سے افراد ایسے مل سکتے ہیں جو مشرباً آل احمدی اور تلمذاً عزیزی ہوں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور مجالس محرم:

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا معمول تھا کہ محرم کے مہینے میں پہلی تاریخ سے دس تاریخ تک آپ محفل وعظ کا اہتمام فرماتے ، ان محافل میں آپ فضائل حسنین کریمین بیان فرماتے ،عشرے کے دن صبح سے وقت زوال تک محفل جاری رہتی ، پھر تبرک تقسیم کیا جاتا۔ حضور شمس مارہرہ کی نظر میں چند وجوہ کی بنیاد پر یہ اہتمام وانصرام مناسب نہیں تھا۔ آپ کے بھتیجے، مرید اور خلیفہ حضرت خاتم الاکابر حضرت شاہ صاحب کے تلمیذ تھے، ایک مرتبہ حضور شمس مارہرہ نے حضرت خاتم الاکابر سے اس سلسلے میں گفتگو فرمائی۔ حضرت خاتم الاکابر کے پوتے اور جانشین نور العارفین سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ نے اپنی کتاب’’ سراج العوارف‘‘ میں یہ پوری گفتگو درج فرمائی ہے، آپ لکھتے ہیں کہ جدی ومرشدی حضرت خاتم الاکابر نے فرمایا کہ:

’’ایک دن اپنے پیر ومرشد یعنی حضور اچھے میاں کی بارگاہ میں مَیں نے عرض کیا کہ دہلی میں میرے استاذ محترم مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کو مَیں نے دیکھا ہے کہ

www.Qadri.info

ماہ محرم الحرام میں حضرات حسنین کریمین علی جدہما الکریم وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کی شہادت کے متعلق دس دن وعظ فرماتے ہیں اور دسویں محرم کو صبح سے لے کر وقت شہادت یعنی زوال تک شہادت کی فضیلت وغیرہ بیان کر کے تبرک تقسیم فرماتے ہیں، حضور (شمس مارہرہ) نے یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ شاہ صاحب بہت اچھا اور بہتر کرتے ہیں، لیکن اگر ہم سے ملاقات کا اتفاق ہوتا تو ہم کہتے کہ خاص اس مہینے میں اس طرح کا اہتمام مناسب نہیں ہے بلکہ قدر قلیل پر ان حضرات گرامی کی فاتحہ دلائیں اور کسی دوسرے مہینے میں اس طرح کے وعظ وغیرہ کا اہتمام کریں، کیوں کہ ہمارے دور میں اس قسم کی مجالس منعقد کرنا روافض کا شعار ہے، اس مہینے میں ان امور کا زیادہ اہتمام کرنا رفض کے دروازے کھولنے کے مترادف ہے- آگے آنے والی اولاد اپنے اجداد کے بارے میں جب یہ باتیں سنے گی تو یہی گمان کرے گی کہ یہ لوگ یقیناً رافضی تھے، تقیہ کرتے تھے (یعنی سنی بنے ہوئے تھے)- ہندوستان میں مسلمانوں کے دو گروہ ہیں، ایک سنی دوسرے شیعہ، ان دونوں گروہ میں کا کوئی بھی فرد شہادت یا فضائل حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا منکر نہیں ہے -لہٰذا اس دیار و بلاد میں اس قسم کے وعظ کے اہتمام کی چنداں حاجت نہیں ہے، ہاں البتہ اگر کہیں خوارج کا غلبہ ہو تو وہاں ایسی مجالس وعظ ضروری ہیں، مگر خوارج یہاں پائے نہیں جاتے-" [۱۲]

حضور اچھے صاحب کے اس فرمان سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کس بلند علمی مقام پر فائز ہیں کہ سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جیسے امام وقت کے ایک عمل پر اصلاحی اور تنقیدی نظر ڈال سکتے ہیں-

شمس مارہرہ اور مسئلہ وحدۃ الوجود:

حکیم عنایت احمد مارہروی (مرید خاص حضور شمس مارہرہ) نے آثار احمدی [۱۳] میں شمس مارہرہ اور حضرت شاہ صاحب کے درمیان تعلق و ربط کا ایک واقعہ لکھا ہے جس سے نہ صرف یہ کہ ان دونوں حضرات کے درمیان مخلصانہ تعلق خاطر کا پتا چلتا ہے بلکہ اس سے حضور شمس مارہرہ کی

شان مرجعیت ،علوم مرتبت اور علم تصوف وتوحید میں مقام ارفع کا بھی سراغ ملتا ہے-صاحب آثار احمدی لکھتے ہیں کہ:

''ایک صاحب نے بغداد شریف میں نقیب الاشراف صاحب سجادہ غوثیہ سے عرض کیا کہ مجھے مسئلہ وحدت الوجود میں کچھ اشکال ہے وہ دور فرما دیں- آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہندوستان میں ہمارے گھر کی دولت تقسیم ہو رہی ہے، وہاں جاؤ، حسب الارشاد یہ ہندوستان آئے- یہ وہ زمانہ تھا جب دہلی میں سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا شمس فضل وکمال عروج پر تھا اور ہر جگہ آپ کے فیضان علمی کا ڈنکا بج رہا تھا، یہ صاحب شاہ صاحب کی بارگاہ میں حاضر ہوئے مدعا عرض کیا، شاہ صاحب نے مسئلہ سمجھایا مگر ان کی تشفی نہ ہوئی، شاہ صاحب سمجھ گئے کہ یہ مسئلہ قال سے نہیں بلکہ کسی صاحبِ حال سے حل ہوگا- آپ نے فرمایا کہ مارہرہ چلے جاؤ وہاں ہمارے بھائی اچھے میاں ہیں وہ تمہاری تسکین کر دیں گے- یہ مارہرہ شریف حاضر ہوئے، جس وقت یہ پہنچے اس وقت حضرت درگاہ سے خانقاہ کی طرف جا رہے تھے، راستے میں انہوں نے قدم بوسی کی، آپ وہیں ٹھہر گئے اور ان کا حال دریافت کیا، انہوں نے مختصراً اپنے آنے کا مقصد اور مسئلے کے سلسلے میں اپنے اشکال عرض کیے، وہیں قریب میں ایک پھونس کا چھپر تھا، حضرت نے اس پر سے کچھ تنکے اٹھائے اور ان کو توڑتے ہوئے فرمایا کہ آپ کے اشکالات ایسے ہی ہیں جیسے یہ تنکے، پھر ایک ایسی نگاہ توجہ ڈالی کہ اسی وقت ان پر اس مسئلے کی حقیقت منکشف ہوگئی اور وہیں سے الٹے پاؤں دہلی کو واپس ہوئے ،اور شاہ صاحب کی خدمت میں پہنچ کر سب عرض حال کیا- شاہ صاحب نے دریافت کیا کہ اس قدر جلد کیوں واپس آئے؟ تھوڑے دنوں حضرت (اچھے میاں) کی خدمت میں حاضر رہ کر اور کچھ فیض کیوں نہ حاصل کیا؟ جواب دیا کہ جب کام ہوگیا پھر قیام کی کیا ضرورت تھی، جن کو دیتے دیر نہ لگے ان کو واپس کرتے کیا دیر لگتی، اگر واپس کر لیتے تو مَیں کیا کرتا، اس وجہ سے مَیں نے وہاں زیادہ ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا-''[۱۴]

اہل نظر جانتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیز جیسے جامع شریعت وطریقت کا کسی شخص کو حضور اچھے صاحب کی بارگاہ میں تسکین باطنی کے لیے بھیجنا کوئی معمولی بات نہیں ہے، اس سے حضور شمس مارہرہ کے علومقام کا پتا چلتا ہے۔

باہم روابط محبت کا ایک واقعہ:

جس طرح شاہ صاحب نے ایک معاملے میں تشفی خاطر کے لیے ایک شخص کو شمس مارہرہ کی خدمت میں بھیجا تھا، اسی طرح ایک مرتبہ شمس مارہرہ نے بھی ایک صاحب حاجت کو حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں روانہ کیا، شاہ صاحب نے اچھے میاں کے فرستادہ نوجوان پر خصوصی توجہ فرمائی اور اس کی دادرسی کی۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے مرید نواب مبارک علی خاں ''کمالات عزیزی''[۱۵] میں لکھتے ہیں کہ:

''ایک شخص بہ لباس عمدہ وصورت امیرانہ، پٹکہ زری کمر پر باندھے ہوئے عمدہ گھوڑے پر سوار قصبہ مارہرہ ضلع ایٹہ بخدمت حضرت عارف معارف میاں اچھے صاحب قدس اللہ سرہ العزیز حاضر ہوا اور نہایت بے قرار ومضطر تھا، حضرت (شمس مارہرہ) کے قدموں پر گر کر تڑپنے لگا، آپ نے بشفقت تمام متوجہ ہو کر اس سے حال پوچھا۔''[۱۶]

اس نوجوان نے اپنا مدعا بیان کیا کہ اس کے پڑوس میں ایک ساہوکار ہے، اس سے اس کو کوئی کام ہے، مگر وہ ساہوکار راضی نہیں ہوتا ہے، حضور شمس مارہرہ نے اس کا قصہ سن کر اس کو تسلی دی اور فرمایا:

''تم دہلی میں بحضور مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے جاؤ اور کچھ مت کہو، بلکہ آدمی واسطے پیشوائی کے تم کو دہلی سے اس طرف ملیں گے۔''[۱۷]

نواب مبارک علی خاں لکھتے ہیں:

''آخرش وہ شخص دہلی کو گیا، مقام شاہدرہ میں کئی آدمی بطور پیشوائی کے ملے، اور حضور میں مولانا (عبدالعزیز) صاحب کے لے گئے، حضرت بہت شفقت سے

www.Qadri.info

اس کے حال پر متوجہ ہوئے اور ایک شخص کو فرمایا کہ فلانے ساہوکار کو ہمارا سلام کہو، ساہوکار حاضر ہوا۔‘‘[۱۸]

شاہ عبدالعزیز اس ساہوکار کو کوٹھری میں لے گئے اور اس نوجوان کے معاملے میں اس سے بات کی، اب یہ شاہ صاحب کا کمال تسخیر ہے کہ حضور اچھے میاں کی کرامت کہ وہ ساہوکار فوراً معاملے کے لیے راضی ہوگیا اور وہ نوجوان شاد وخرم وہاں سے واپس ہوا۔

مولوی مجاہدالدین ذاکر بدایونی (متوفی: ۱۳۳۴ھ) نے بھی ’’تنبیہ الخلوق‘‘ میں اس واقعے کا ذکر کیا، لیکن واقعے کی جزئیات وتفصیلات میں قدرے تفاوت ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ حضور شمس مارہرہ نے اس جوان کو ایک ورد تعلیم فرمایا، وہ جوان واپس ہوا، دہلی پہنچا، اور ’’مدرسہ جناب فیض مآب عالم باعمل فاضل بے بدل ہادئ گمراہاں رہبر انس وجاں شارح شریعت احمدی عاشق صورت محمدی ماحئ کفر وظلام ستون دین اسلام قدوۃ الکاملین زبدۃ العارفین اغاث العلما تاج الفضلا حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب‘‘ میں حاضر ہوا، اور:

’’سب حال مفصل حضرت شاہ صاحب سے عرض کیا، شاہ صاحب نے جس وقت نام نامی حضور (شمس مارہرہ) کا سنا، اس جوان کی بہت تسکین فرمائی۔‘‘[۱۹]

آگے کا واقعہ تقریباً وہی ہے جو کمالات عزیزی میں مذکور ہے۔

خانقاہ برکاتیہ آل احمدیہ مارہرہ اور مدرسہ ولی اللہی عزیزی دہلی کے درمیان علمی وروحانی روابط اور باہم قدر دانی وعزت افزائی کے سلسلے میں یہ چند اہم نکات تھے جو ہماری دسترس میں آسکے، امید ہے کہ اگر اس موضوع پر مزید تلاش وتحقیق کی جائے، قدیم تذکروں، ملفوظات، مکاتیب اور سوانحی کتب کا مطالعہ کیا جائے تو اس سلسلے کے مزید تاریخی حقائق آشکارا ہوسکتے ہیں۔

(ماہنامہ جام نور، دہلی، مئی ۲۰۱۳ء)

حواشی

[۱] ملفوظات عزیزی فارسی زبان میں ہے، اس کو قاضی بشیرالدین صدیقی میرٹھی نے مطبع مجتبائی میرٹھ سے ۱۳۱۴ھ میں شائع کیا تھا۔ یہ ملفوظات ۱۳؍رجب ۱۲۳۳ھ سے شوال ۱۲۳۳ھ تک تقریباً تین ماہ کی مجالس صحبت سے نقل کیے گئے ہیں۔ جامع ملفوظات کی شخصیت ہنوز محققین کے نزدیک معمہ بنی ہوئی ہے، لیکن اس کے باوجود حکیم محمود احمد برکاتی،

ڈاکٹر ایوب قادری اور نسیم احمد فریدی امروہوی جیسے خاندان ولی اللہ کی تاریخ کے ماہرین نے ان کی نسبت وصحت کو تسلیم کیا ہے- دیکھیے: شاہ ولی اللہ اور ان کے اصحاب: حکیم محمود احمد برکاتی، ص ۵۸ - ۵۹، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی، ۲۰۰۶ء
تذکرہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی: نسیم احمد فریدی، ص ۴۱، الفرقان بک ڈپو لکھنؤ ۱۹۹۲ء-

[۲] فرمود کہ شما اچھے صاحب را دیدہ اید آں مرید عرض کرد کہ از ڈھاکہ تا دہلی در خدمت اکثر بزرگان مشاہیر حاضر شدہ وارشاد و توجیہ گرفتہ ام، خوبان آنہا را چند طبقہ متمیز ساختہ ام دریں ضمن قدرے احوال بزرگان ڈھاکہ و شاہ غلام علی صاحب بیان کردہ گفت در طبقہ ثانی شاہ اچھے صاحب را باعتبار علم و عمل اہل ایں میدانم- (ملفوظات عزیزی: ص ۸۸، مطبع مجتبائی میرٹھ، ۱۳۱۴ھ-)

[۳] فاضل بریلوی کی کتاب مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین اب سے دو سال پہلے تک غیر مطبوعہ تھی، پہلی مرتبہ ۲۰۱۱ء میں پاکستان سے شائع ہوئی، پھر ۲۰۱۲ء میں مولانا حنیف خاں رضوی کے زیر اہتمام امام احمد رضا اکیڈمی بریلی نے شائع کی ہے-

[۴] مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین: ص ۱۷۵/امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی، ۲۰۱۲ء-

[۵] مرجع سابق، نفس صفحہ-

[۶] برکات مارہرہ: طفیل احمد متولی، ص ۸۷، مطبع نول کشور لکھنؤ، غیر مؤرخ-

[۷] مولانا کشفی نے یہ رسالہ اپنے شاگرد رشید شاہ محمد عادل کو سند عطا فرماتے وقت فارسی زبان میں لکھ کر دیا تھا، اس میں آپ نے اپنے مختصر حالات بھی تحریر فرمائے ہیں، اس رسالے کا کچھ حصہ مولوی رحمان علی نے ''تذکرۂ علمائے ہند'' میں درج کیا ہے، یہ عبارت ہم نے وہیں سے نقل کی ہے-

[۸] تذکرہ علمائے ہند: مولوی رحمن علی، ترجمہ وترتیب: ایوب قادری، ص ۲۲۰، کراچی، ۱۹۶۱ء-

[۹] مرجع سابق: ص ۳۹۷-

[۱۰] تنبیہ المخلوق مولوی مجاہد الدین ذاکر بدایونی (متوفی: ۱۳۳۴ھ) کی تصنیف ہے، یہ خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول احمدی کے مرید وخلیفہ تھے، آپ کے والد مولوی مبارز الدین بدایونی حضرت اچھے میاں کے مرید وخلیفہ تھے- تنبیہ المخلوق دراصل ہدایت المخلوق (مصنفہ شاہ محمد افضل بدایونی مرید وخلیفہ حضرت اچھے میاں) کا اردو ترجمہ مع اضافات ہے، ہدایت المخلوق ۱۲۲۷ھ میں اور تنبیہ المخلوق ۱۲۷۴ھ میں تالیف کی گئی- دونوں کتابیں اب تک غیر مطبوعہ ہیں، ان کے مخطوطوں کے عکس کتب خانہ قادریہ بدایوں میں موجود ہیں-

[۱۱] تنبیہ المخلوق: ص ۳۷، قلمی مخزونہ کتب خانہ قادریہ، بدایوں

[۱۲] ترجمہ از فارسی: سراج العوارف فی الوصایا والمعارف: ص ۱۱۳، وکٹوریہ پریس بدایوں، غیر مؤرخ-

[۱۳] آثار احمدی حضور شمس مارہرہ کی اولین سوانح ہے جو خود آپ کے عہد حیات میں (یعنی ۱۲۳۵ھ سے قبل) آپ کے مرید خاص حکیم عنایت احمد مارہروی نے تصنیف کی تھی، یہ کتاب اب تک غیر مطبوعہ ہے، اس کے مخطوطے بھی بالکل

www.Qadri.info

نایاب ہیں، زیر حوالہ واقعہ آثار احمدی کے حوالے سے مولوی طفیل احمد متولی نے ''برکات مارہرہ'' میں نقل کیا ہے۔

[۱۴] برکات مارہرہ: طفیل احمد متولی، ص۶۹-۷۰، مطبع نول کشور لکھنؤ

[۱۵] نواب مبارک علی خاں (رئیس میرٹھ) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے مرید تھے، آپ نے شاہ صاحب کے حالات وکرامات ''کمالات عزیزی'' کے نام سے جمع کیے تھے، یہ کتاب سنہ ۱۲۸۹ھ/ ۱۸۷۲ء میں تصنیف کی گئی اور اسی سال مطبع ضیائی میرٹھ سے شائع ہوئی۔

[۱۶] کمالات عزیزی: ص۱۶

[۱۷] مرجع سابق: ص۱۷

[۱۸] مرجع سابق، نفس صفحہ

[۱۹] تنبیہ الخلوق: مولوی مجاہدالدین ذاکر بدایونی، ص۱۱۵-۱۱۶، قلمی مخزونہ کتب خانہ قادریہ، بدایوں۔

❑❑❑

مولانا حیدر علی فیض آبادی

تیرہویں صدی کی ایک گم نام شخصیت

جن مؤرخین کی نظر میں زمانہ وسطیٰ کے بغداد، دمشق، قاہرہ، شیراز اور قرطبہ کی علمی مجالس ہیں وہ تیرہویں صدی کو علمی انحطاط کا زمانہ قرار دیتے ہیں، ممکن ہے بعض مقامات اور شہروں کی حد تک یہ خیال درست ہو، مگر ہم جب تیرہویں صدی میں دہلی، اودھ، روہیل کھنڈ اور خطۂ پنجاب پر نظر ڈالتے ہیں تو عہد وسطیٰ کے اِن قدیم مراکز علم کی یاد تازہ ہوجاتی ہے-اس صدی میں ہمیں تفسیر وحدیث، فقہ وکلام، حکمت وفلسفہ، تصوف وروحانیت اور میدان شعر وادب کے ایسے ایسے اساطین نظر آتے ہیں جن کی نظیر نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم اسلام کے بہت سے مراکز علم وفن میں نظر نہیں آتی، لیکن ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے اسلاف کی تاریخ، ان کی خدمات اور ان کی علمی میراث سے اس حد تک غفلت برتی کہ ان میں سے بہت سی کوہ پیا شخصیات کی خدمات وتصانیف کا تذکرہ تو درکنار آج ہم ان کے نام تک سے واقف نہیں ہیں- کیسے کیسے عبقری اور فضلاے روزگار ہماری غفلتوں، اسلاف فراموشیوں اور مؤرخانہ ناانصافیوں کا شکار ہوکر پردۂ گم نامی میں چلے گئے:

وے لوگ ہم نے ایک ہی شوخی میں کھودیے
پیدا کیے تھے چرخ نے جو خاک چھان کر(۱)

ایسی ہی گم نام مگر نام ور شخصیات میں اپنے زمانے کے زبردست متکلم، مناظر، مفسر اور مصنف حضرت مولانا حیدر علی فیض آبادی کا بھی شمار ہوتا ہے-آپ سراج الہند حضرت شاہ

www.Qadri.info

عبدالعزیز محدث دہلوی کے تلمیذ رشید ہیں، استاذ مطلق علامہ فضل حق خیرآبادی کے معاصر اور مخلص دوست، شیعوں اور روافض کے رد میں سب سے زیادہ لکھنے والے ہندوستانی مصنف، مسئلہ امتناع نظیر، امکان کذب اور دیگر نزاعی مسائل میں اعلان حق کرنے والے مرد مجاہد اور ۲۷ر جلدوں پر مشتمل تفسیر قرآن کے مصنف ہیں- آپ کی بے شمار تصانیف ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں تلف ہوگئیں، باقی ماندہ تصانیف میں سے آج صرف ۵ر کتابیں ہماری دسترس میں ہیں، آپ کو یہ پڑھ کر حیرت ہوگی کہ ان ۵ر کتابوں کے صفحات کی مجموعی تعداد کم وبیش چھ ہزار (۶۰۰۰) ہے-

زیر نظر مضمون میں اسی عبقری مفسر ومصنف کے گم شدہ اوراق حیات تلاش کرنے کی طالب علمانہ کوشش کی گئی ہے-

سوانحی خاکہ:

مولانا حیدر علی فیض آبادی (بن محمد حسن بن محمد ذاکر بن عبدالقادر دہلوی ثم فیض آبادی) کی ولادت اودھ کے شہر فیض آباد میں ہوئی، سنہ ولادت کے سلسلے میں معلومات حاصل نہیں ہوسکیں، ایک اندازے کے مطابق آپ کی ولادت تیرہویں صدی کی دوسری یا تیسری دہائی میں ہوئی ہوگی- لکھنؤ اور گردونواح میں قدیم زمانے ہی سے اہل تشیع خاصی تعداد میں رہے ہیں، فیض آباد میں بھی ان کی آبادی تھی، وہاں چند نامور شیعہ علما رہتے تھے، مولانا حیدر علی فیض آبادی کی ابتدائی تعلیم انہی شیعہ علما کی درس گاہوں میں ہوئی، آپ کے اساتذہ میں مرزا فتح علی، سید نجف علی اور حکیم میر نواب کے نام ملتے ہیں، یہ تینوں حضرات شیعہ تھے، قدرت کی کرشمہ سازی دیکھیے کہ انہیں شیعہ علما کی درس گاہ سے علم حاصل کرنے والا بچہ جب جوان ہوتا ہے تو انہی کے افکار ونظریات کی تردید کرنے والا وقت کا سب سے بڑا مناظر بن کر میدان میں اترتا ہے-

ان علما سے علم حاصل کرنے کے بعد آپ اعلیٰ تعلیم وتکمیل کے لیے شاہ جہاں آباد (دہلی) کے لیے عازم سفر ہوئے، یہ وہ زمانہ تھا کہ سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا آفتاب درس وتدریس اپنی ضیا باریوں سے ایک عالم کو منور کر رہا تھا، دہلی میں مولانا فیض آبادی نے مولانا رشید الدین خاں دہلوی اور مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی سے تحصیل علم کی، ان دونوں

حضرات کے علاوہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے بھی استفادہ کیا اور ایک مدت تک ان کی درس گاہ فیض میں حاضر رہے- صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں:

واستفاض عن الشیخ عبدالعزیز ابن ولی اللہ الدھلوی ایضاً ولازمہ زماناً، حتی برع فی کثیر من العلوم والفنون (۲)

شاہ عبدالعزیز ابن شاہ ولی اللہ سے بھی آپ نے استفادہ کیا اور ایک زمانے تک ان کی صحبت اٹھائی، یہاں تک کہ بہت سے علوم وفنون میں مہارت حاصل ہوگئی-

مولانا حیدر علی فیض آبادی کی ایک کتاب ''ازالۃ الغین عن بصارۃ العین'' کے خاتمۃ الطبع میں آپ کے کچھ حالات درج کیے گئے ہیں، جامع حالات لکھتے ہیں:

''بلا واسطہ فیض صحبت علامہ دہلوی حضرت حجت بریہ صاحب تحفہ اثنا عشریہ نوراللہ مرقدہ مدتہا یافتہ وامروز کسے از مستفیدانش بلا واسطہ باقی نماندہ-'' (۳)

ترجمہ: ایک زمانے تک بلا واسطہ علامہ دہلوی حجتِ بریہ صاحبِ تحفہ اثنا عشریہ (شاہ عبدالعزیز) کی صحبت کا فیض اٹھایا، آج (۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں) حضرت شاہ صاحب سے بلا واسطہ استفادہ کرنے والا کوئی اور باقی نہیں ہے-

دہلی کے بعد مولانا نے کچھ عرصہ لکھنؤ میں قیام کیا، وہاں سے بھوپال تشریف لے گئے، اور آخر میں ریاست حیدر آباد میں قیام کیا، وہاں نواب مختار الملک نے عدالت وقضا کی ذمہ داریاں تفویض کیں، پھر آخر عمر تک حیدر آباد ہی میں قیام رہا، وہیں ۱۲۹۹ھ/ ۸۲-۱۸۸۱ء میں وفات ہوئی، اور حیدر آباد ہی میں دفن کیے گئے- (۴)

حکیم سید عبدالحی رائے بریلوی نزہۃ الخواطر میں لکھتے ہیں:

واقبل علی الجدل والکلام، فصار اوحد زمانہ، اقر بفضلہ الموافق والمخالف (۵)

ترجمہ: وہ علم مناظرہ وکلام کی طرف متوجہ ہوئے، پس اپنے زمانے میں یکتا ہوگئے، ان کے فضل کا اعتراف موافق ومخالف سب نے کیا ہے-

ہم عصر تذکرہ نگار مولوی رحمان علی ''تذکرہ علمائے ہند'' میں لکھتے ہیں:

www.Qadri.info

''علم مناظرہ اور کلام میں اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے، خصوصاً ہمارے زمانے میں شیعوں کے ساتھ مناظرہ کرنے میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، زیادہ تر فریق ثانی کی کتابیں ان کے پیش نظر رہتی تھیں۔'' (٦)

مولانا سید محمد حسین سید پوری ''مظهر العلما فی تراجم العلماء والکملا'' (سنہ تالیف حوالیٔ ١٣١٧ھ) میں لکھتے ہیں:

''مولوی حیدر علی صاحب فیض آبادی علم مناظرہ وکلام میں فائق الاقران تھے، یوں تو آپ ہر ایک علم وفن اور مذہب کی بحث میں مشہور تھے مگر بالخصوص ردشیعہ میں کمال حاصل تھا۔'' (٧)

سیر وتذکرے کی معروف ومتداول کتب میں مولانا فیض آبادی کے بارے میں اس سے زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں۔

علامہ فضل حق خیر آبادی سے روابط:

علامہ فضل حق خیر آبادی اور مولانا حیدر علی فیض آبادی ہم عصر تھے، علم وفضل کے اوج کمال پر فائز تھے، کلامی مباحث میں دونوں کے نقطہائے نظر ایک تھے، اس زمانے کے بعض مختلف فیہ اور نزاعی مسائل میں بھی دونوں حضرات کا موقف یکساں تھا، مولانا فیض آبادی کی تعلیم دہلی میں ہوئی تھی اور اس کے بعد بھی کچھ عرصہ آپ دہلی میں مقیم رہے، یہ وہ زمانہ ہے جب علامہ بھی دہلی میں قیام فرما تھے، انہی سب وجوہ کی بنیاد پر ان دونوں حضرات میں مخلصانہ تعلقات استوار ہوئے، جو آگے چل کر گہری دوستی میں تبدیل ہو گئے۔

مولانا حیدر علی فیض آبادی نے اپنی کتاب ''منتہی الکلام'' (اس کا ذکر آگے آرہا ہے) علامہ کی خدمت میں برائے ملاحظہ ارسال فرمائی، علامہ نے کتاب ملنے پر مولانا فیض آبادی کو ایک طویل خط ارسال فرمایا۔ ڈاکٹر سلمہ سیہول کی اطلاع کے مطابق یہ خط علامہ کی قلمی بیاض (مملوکہ حکیم محمود احمد برکاتی، کراچی) میں موجود ہے، اس خط کا کچھ حصہ مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی نے ''باغی ہندوستان'' میں بھی درج کیا ہے۔ (اس کا ایک اقتباس آگے آرہا ہے)

ڈاکٹر سلمہ سیہول لکھتی ہیں:

www.Qadri.info

''اس (خط) میں کتاب کی تعریف وتوصیف کے علاوہ اس شیعی عالم کی علمی بے بضاعتی اور اس کے دعوؤں کا ابطال بیان کیا ہے، جس کے رسالے (مصنفہ ۱۲۴۷ھ) کے جواب میں ۱۲۵۰ھ میں مولانا فیض آبادی نے منتہی الکلام تصنیف کی تھی۔

علامہ فضل حق خیرآبادی ان دنوں ریاست رامپور میں ملازم تھے، علامہ نے یہ جوابی خط ۵/ذی القعدہ ۱۲۶۱ھ کو مولانا فیض آبادی کی طرف سے ایک اور خط ملنے کے بعد بھجوایا اور لکھا کہ جواب میں تاخیر ملازمت میں کثرت مصروفیات کے باعث ہوئی۔

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ (فضل حق) اور مولانا (فیض آبادی) میں قریبی روابط تھے، بایں کہ علامہ نے انہیں اپنے تین قریبی رشتہ داروں کی وفات، درد قولنج میں ابتلا، بڑے بھائی فضل عظیم کے پاس سہارنپور جانے کے پروگرام اور دو ماہ بعد واپسی کے ارادے وغیرہ جیسی نجی مصروفیات سے بھی مطلع کیا۔'' (۸)

مسئلہ امتناع نظیر اور امکان کذب:

تقریباً ۱۲۶۵ھ کے آس پاس شاہ اسماعیل دہلوی کی حمایت ونصرت کا علم بلند کیے ہوئے مولانا سید حیدر علی رامپوری ثم ٹونکی نمودار ہوئے، انہوں نے علامہ فضل حق خیرآبادی کی کتاب ''تحقیق الفتویٰ'' کے جواب میں قلم اٹھایا، جس میں مسئلہ امتناع نظیر اور امکان کذب پر داد تحقیق دی، مگر اسی ضمن میں وہ بعض ایسی باتیں لکھ گئے جس کی بنیاد پر علمائے عصر نے ان کی گمراہیت بلکہ کفر کا فتویٰ صادر کیا، یہ فتویٰ مطبع ہدایہ دہلی سے ۱۲۶۹ھ میں شائع ہوا، قیاس ہے کہ یہ فتویٰ علامہ فضل حق خیرآدی یا کم از کم ان کے کسی شاگرد کا تھا، اس پر رامپور، مرادآباد اور دہلی وغیرہ کے ۴۳/علما ومفتیان کرام کے دستخط اور مہریں تھیں، (اس فتوے کی بعض تفصیلات ہم نے اپنی کتاب 'خیرآبادیات' میں ذکر کی ہیں) مولانا حیدر علی فیض آبادی نے اس فتوے کی تصدیق وتائید فرمائی جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ امتناع نظیر اور امکان کذب جیسے نزاعی مسائل میں علمائے اہل سنت بالخصوص علامہ فضل حق خیرآبادی کے موقف کے حامی تھے اور شاہ اسماعیل دہلوی اور ان کے ہم خیال علما کو وہ ان مسائل میں نہ صرف یہ کہ حق پر نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کی

www.Qadri.info

تضلیل وتکفیر میں بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔

مولانا فیض آبادی اس فتوے کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کسے کہ چنیں مقالاتِ بے ہودہ گوید ومیان اہل اسلام بابداع محدثات می جوید ومخالف کتب عقائد سخن سازی کند وہیچ آں چہ در اصول کلامیہ وفقہ قرار یافتہ انکار بکند البتہ کافر گشت، ومضل مسلمین اعاذنا اللہ تعالیٰ وجمیع المؤمنین منہ بطریق اولیٰ کافر است، وکفر او از اغلظ انحائے کفر است۔''(۹)

ترجمہ: جو شخص اس قسم کی بے ہودہ باتیں کہتا ہے، اور اہل اسلام کے درمیان نئی باتیں ایجاد کرتا ہے، کتبِ عقائد کے خلاف سخن سازی کرتا ہے، اور وہ امور جو اصول کلام وفقہ میں مقرر ہو چکے ہیں ان میں سے کسی کا انکار کرتا ہے وہ یقیناً کافر ہو گیا، مسلمانوں کو راہ راست سے بہکانے والا (اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اس سے اپنی پناہ میں رکھے) بطریق اولیٰ کافر ہے، اور اس کا کفر کفر کی بدترین اقسام میں سے ہے۔

مسئلہ امکان کذب اور مسئلہ امتناع نظیر میں شاہ اسماعیل دہلوی کی حمایت ودفاع کرنے والے کے خلاف مولانا فیض آبادی کا یہ دوٹوک فیصلہ ہے جس پر کسی تبصرے، حاشیے یا وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

مولانا شاہ فضل رسول بدایونی سے روابط:

جن امور کی بنیاد پر مولانا فیض آبادی اور علامہ فضل حق خیر آبادی کے درمیان روابط وتعلقات کی بنیاد پڑی تقریباً وہی ساری اقدار مشترکہ سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کے یہاں بھی موجود تھیں۔ معاصرت، علم وفضل اور احقاق حق وابطال باطل کا جذبہ مولانا فیض آبادی کو حضرت سیف اللہ المسلول کے بھی قریب لے آیا، ممکن ہے اس قربت میں علامہ فضل حق خیر آبادی سے دونوں حضرات کی دوستی بھی ایک عامل رہی ہو، مولانا فیض آبادی اور حضرت سیف اللہ المسلول کے درمیان مخلصانہ روابط وتعلقات کا اندازہ مولانا فیض آبادی کی اس تقریظ سے ہوتا ہے جو آپ نے حضرت کی کتاب **المعتقد المنتقد** پر رقم فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ

www.Qadri.info

ہماری معلومات کی حد تک مولانا فیض آبادی نے کم از کم حضرت کے دو فتوؤں پر تصدیقی دستخط فرمائے ہیں-

فتاویٰ اور کتب کی تصدیق:

سنہ ۱۲۶۸ھ/ ۱۸۵۲ء میں بادشاہ بہادر شاہ ظفر نے چند اختلافی مسائل کے تصفیے کے لیے حضرت سیف اللہ المسلول کی خدمت میں استفتا کیا، اس استفتا میں زیادہ تر سوالات انہیں جائز اور مستحب امور سے متعلق تھے جن پر تقویت الایمان کے مصنف نے شرک وکفر کا فتویٰ صادر کر دیا تھا، حضرت نے اس کا تفصیلی جواب قلم بند کیا، مفتی صدرالدین آزردہؔ صدر الصدور دہلی سمیت ۱۷ علمائے عصر نے اس فتوے کی تصدیق فرمائی، تصدیق وتائید کرنے والے علما میں مولانا حیدر علی فیض آبادی بھی شامل ہیں، یہ فتویٰ جمادی الاخریٰ ۱۲۶۸ھ/ مارچ ۱۸۵۲ء میں مطبع مفید الخلائق دہلی سے شائع ہوا، مولانا فیض آبادی فتوے کی تصدیق ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

واعظین نحلت وہابیہ بالیقین قدم از دائرہ سنت وجماعت بیروں نہادند ودادِ اعتزال ورفض وخروج دادند ولنعم ما قیل:

واعظ شہر کہ مردم ملکش می دانند

قول ما نیز ہمیں است کہ او آدم نیست

والحمد للہ کہ ہنوز در مذہب حق چنیں علما ہستند کہ باحقاق حق می پردانند-

حیدر علی عفی عنہ (۱۰)

ترجمہ: فرقۂ وہابیہ کے واعظین نے یقیناً اپنا قدم دائرۂ اہل سنت وجماعت سے باہر نکالا ہے، اور اعتزال ورفض وخروج کا اظہار کیا ہے، کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ترجمہ شعر: واعظ شہر کو لوگ فرشتہ سمجھتے ہیں، ہمارا بھی یہی کہنا ہے کہ وہ آدمی نہیں ہے-

الحمد للہ کہ اب بھی مذہب حق میں ایسے لوگ موجود ہیں جو احقاق حق کر رہے ہیں-

حیدر علی عفی عنہ

اس تائید وتصدیق سے نہ صرف یہ کہ شاہ اسماعیل دہلوی اور ان کی جماعت کے بارے

میں مولانا فیض آبادی کے خیالات پتہ چلتے ہیں بلکہ علمائے وقت کے نزدیک حضرت سیف اللہ المسلول کی اس تحریک کی پذیرائی اور علما کے آپ پر اعتماد واعتبار کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے۔

فصل الخطاب کی تصدیق:

حضرت سیف اللہ المسلول نے شاہ اسماعیل دہلوی کے عقائد ونظریات کا جائزہ لینے کے لیے ۱۲۶۸ھ میں ایک رسالہ ''فصل الخطاب بین السنی واحزاب عدو الوہاب'' تحریر فرمایا، اس رسالے کی ترتیب کچھ یوں ہے کہ آپ نے شاہ اسماعیل دہلوی کی کتاب تقویت الایمان اور صراط مستقیم سے ۱۰؍اقوال منتخب کر کے پیش کیے اور یہ ثابت کیا کہ یہ اقوال اہل سنت کے مخالف اور معتزلہ، خوارج یا شیعہ وغیرہ کے عقائد ونظریات کے موافق ہیں، ان عقائد ونظریات کی تردید میں آپ نے علمائے اہل سنت اور بالخصوص شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی کتب سے استدلال کیا ہے۔ پھر آپ نے اس پوری بحث کو استفتا کی شکل دے کر علما کی رائے طلب کی، اس وقت کے ۱۸؍جلیل القدر علما (جن میں اکثر مدرسۂ عزیزیہ کے فیض یافتہ ہیں) نے متفقہ طور پر اس بات کی تائید وتصدیق کی کہ ''قائل کی دسوں باتیں باطل ہیں، حق کے مخالف ہیں، ان اقوال کا قائل اور جو شخص ان اقوال کو حق سمجھے سب اہل سنت سے خارج ہیں''۔

ان تائید کرنے والے علما میں مولانا سید رحمت علی مفتی عدالت سلطانیہ دہلی، مولانا شاہ احمد سعید نقش بندی وغیرہ علمائے دہلی کے ساتھ ساتھ صاحبِ تذکرہ مولانا حیدر علی فیض آبادی بھی شامل ہیں۔(۱۱)

المعتقد المنتقد پر تقریظ:

مکہ مکرمہ کے دوران قیام ایک بزرگ نے حضرت سیف اللہ المسلول سے فرمائش کی کہ علم کلام وعقائد میں ایک جامع کتاب تصنیف فرمائیں، چنانچہ ان بزرگ کی فرمائش کے احترام میں حضرت سیف اللہ المسلول نے ۱۲۷۰ھ میں عربی زبان میں ایک تحقیقی کتاب ''المعتقد المنتقد'' تصنیف فرمائی، اس میں آپ نے عقائد اہل سنت کے بیان کے ساتھ ساتھ ضمناً شاہ اسماعیل دہلوی کے بعض افکار ونظریات کا تنقیدی جائزہ بھی لیا ہے۔ اس کتاب کی جامعیت اور اہمیت کے پیش نظر علمائے وقت نے اس پر تقریظیں تحریر فرمائیں، ان میں استاذ مطلق علامہ

فضل حق خیر آبادی، مفتی صدر الدین آزردہؔ، مولانا شاہ احمد سعید نقش بندی اور صاحبِ تذکرہ مولانا حیدر علی فیض آبادی شامل ہیں- مولانا فیض آبادی نے اس کتاب کو پسند فرمایا، اس کے مندرجات کی تصدیق فرمائی، مفتی آزردہؔ کی اس بات کی تائید کی کہ ''اس باب میں اس جیسی کتاب تصنیف نہیں کی گئی'' اور ساتھ ہی اہل علم وفضل کو یہ مشورہ بھی دیا کہ یہ کتاب اس لائق ہے کہ اس کو مدارس کے نصاب تعلیم میں شامل کیا جائے-

اپنی تقریظ میں حمد وصلاۃ کے بعد لکھتے ہیں:

''مجھے ایک عمدہ متن اور سلف صالحین کے عقائد پر ایک کتاب کے مطالعے کا شرف حاصل ہوا، یہ ایسی کتاب ہے جو سیدھے راستے کی ہدایت کرتی ہے اور طریقہ قوی و درست کی طرف رہنمائی کرتی ہے، جس پر چلنے والا راہ نجات پاتا ہے اور اسے تاریکیوں سے بچاتی ہے- یہ ایسے علامہ کی تصنیف ہے جن کی تمام عالم میں نظیر نہیں، وہ عارفین کے امام ہیں اور عابدین کے مدار کار ہیں، اوصاف بیان کرنے اور اظہار سے مستغنی ہیں، جامع معقول ومنقول، حاوی فروع واصول ہیں، اور ہمارے تسلیم کردہ پیشوا ہیں اور وہ ذات ایسی کیوں نہ ہو جب کہ وہ فضل رسول ہے- ان کی درازیٔ عمر، ان کے افادات اور ان کی تصانیف سے اہل بدعت کی کمر توڑنے کے ذریعے اللہ مسلمانوں کی تائید ومدد فرمائے- میں نے اس کتاب کو عقائد اہل سنت کے اثبات اور معتزلہ اور اُن کے متبعین ضالین اور وہ جو جماعت اہل حق ویقین سے باہر نکل گئے ہیں اُن کی خرافات کے ابطال پر مشتمل پایا- یہ کتاب اس لائق ہے کہ فضلا اپنے مدارس میں اس کو پڑھائیں اور اس پر بھروسہ کریں، اس جیسی کتاب کے بارے میں کیا خوب کہا گیا ہے کہ ''اس باب میں اس جیسی کتاب تصنیف نہیں کی گئی''- (۱۲)

معاصرت کبھی کبھی علما کے درمیان کھنچاؤ اور باہم چشمک کا سبب بن جاتی ہے، مگر ان حضرات کی یہ روش قابل رشک ہے کہ معاصر ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے احترام واعتراف، قدر شناسی اور اظہار نیاز مندی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں، یہی

www.Qadri.info

دراصل ان حضرات کے خلوص وللٰہیت کی دلیل اور عالم ربانی ہونے کی نشانی ہے۔

تعارف تصانیف:

مضمون کی ابتدا میں ہم نے عرض کیا تھا کہ مولانا فیض آبادی کا خاص میدان علم کلام وعقائد تھا، لہٰذا آپ کی تصانیف زیادہ تر اسی فن سے متعلق ہیں بالخصوص فرقہ شیعہ امامیہ کے ردو ابطال میں کوئی آپ کا ہم سر نظر نہیں آتا۔ ردشیعہ میں آپ کی قلمی خدمات کے علاوہ آپ کا ایک اہم کارنامہ اپنے استاذ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی ناتمام تفسیر قرآن ''تفسیر عزیزی'' یا ''فتح العزیز'' کا تکملہ ہے، یہ تکملہ آپ نے ۲۷ رجلدوں میں مکمل کیا۔ مگر افسوس آپ کی اکثر تصانیف ہنگامۂ ۱۸۵۷ء میں ضائع ہوگئیں، جو بچ گئیں ان کی اشاعت کے لیے لوگوں نے تعاون نہیں کیا۔ ازالۃ الغین کے خاتمۃ الطبع میں لکھا ہے:

''بااین ہمہ کوششہا وجان نثاری ہا در تائید حق امراورؤسا اعانتش نکردند تا چندے ازتالیفاتش درسانحۂ مذکورہ تلف شدہ'' (۱۳)

ترجمہ: حق کی تائید میں آپ کی ان تمام کوششوں اور جاں نثاری کے باوجود امرا اور رؤسا نے آپ کی اعانت نہ کی، یہاں تک کہ آپ کی چند تالیفات مذکورہ سانحے (یعنی انقلاب ۱۸۵۷ء) میں تلف ہوگئیں۔

جو کتابیں شائع ہوئیں وہ بھی ایسی نایاب ہیں کہ شاید آثار قدیمہ کے طور پر بعض مخصوص کتب خانوں کی زینت ہوں، کچھ کتابوں کے بارے میں آدھی یا ایک سطر میں تعارف ملتا ہے، بعض کے آج صرف نام باقی رہ گئے ہیں، اور خدا جانے ایسی کتنی کتابیں ہوں گی جو نام سمیت مفقود ہوگئیں۔ ہمیں تلاش وجستجو کے بعد آپ کی جن چند کتابوں کے بارے میں معلومات فراہم ہوسکیں ان کا تعارف حاضر خدمت ہے۔

(۱) فیوضات حیدریہ تکملہ تفسیر عزیزی: شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے فارسی زبان میں تفسیر قرآن کا آغاز کیا، لیکن کسی وجہ سے یہ کام پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا، سورۂ بقر کا کچھ حصہ اور سورۂ ملک سے آخر قرآن تک کی ہی تفسیر مکمل ہو پائی، اس تفسیر کا نام ''فتح العزیز'' ہے عرف عام میں ''تفسیر عزیزی'' بھی کہلاتی ہے، فارسی زبان میں یہ ایک محققانہ تفسیر تسلیم کی گئی ہے، اس نامکمل

تفسیر کی تکمیل کا کارنامہ شاہ صاحب کے تلمیذ رشید مولانا حیدر علی فیض آبادی نے انجام دیا۔اس تکملہ تفسیر کا نام ''فیوضات حیدریہ'' ہے۔اس کے بارے میں صاحبِ نزہۃ الخواطر کا بیان ہے کہ یہ کتاب فرمانروائے بھوپال نواب سکندر بیگم کی فرمائش پر تصنیف کی گئی۔(۱۴)

یہ تکملہ ۲۷ رجلدوں میں مکمل ہوا، خیال ہے کہ ہر جلد ایک پارے کی تفسیر پر مشتمل ہوگی، مولانا فیض آبادی اس تفسیر کے متعلق اپنی ایک کتاب ''ازلۃ الغین'' میں لکھتے ہیں:

''لیکن مہم تکملہ تفسیر عزیزی پیش آمدہ تا آنکہ بشمول رافت وعنایت ایزدی درشہر دہلی در بروئے خلائق بستم ودر بست و ہفت مجلد صغیر وکبیر از آغاز آیت کریمہ شہر رمضان تا آخر سورۂ تحریم یعنی کانت من القانتین باتمام رسانیدم''(۱۵)

ترجمہ: لیکن تفسیر عزیزی کے تکملے کی مہم درپیش آگئی، یہاں تک کہ اللہ کی رحمت وعنایت سے شہر دہلی میں مَیں نے لوگوں سے خلوت وعزلت اختیار کی اور ۲۷ر چھوٹی بڑی جلدوں میں آیت کریمہ ''شہر رمضان'' کے آغاز سے سورۃ تحریم کے آخر یعنی آیت کریمہ ''کانت من القانتین'' تک تمام کی۔

ازالۃ الغین کے خاتمۃ الطبع میں مذکور ہے:

''تفسیر فیوضات حیدریہ تکملہ تفسیر عزیزی کہ مولانائے موصوف در بست و ہفت جلد صغیر وکبیر در شہر دہلی تمام فرمود ہفت مجلد آں را از آغاز در حیدرآباد یافتند، وزبانے ثقات بارہا بگوش خوردہ کہ غیر از سورۂ یوسف علیہ السلام ہمہ اش در بنارس رسیدہ۔''(۱۶)

ترجمہ: تفسیر فیوضات حیدریہ تکملہ تفسیر عزیزی مولانا موصوف نے شہر دہلی میں ۲۷ چھوٹی بڑی جلدوں میں مکمل فرمائی، ابتدا کی ۷ رجلدیں حیدرآباد میں ہیں، اور بعض ثقات کی زبانی سنا گیا کہ سورۂ یوسف کے علاوہ باقی تمام بنارس میں موجود ہیں۔

ندوۃ العلما لکھنؤ کے کتب خانے میں اس تفسیر کی ابتدائی ۴ رجلدیں موجود ہیں، ان جلدوں کا مطالعہ کرکے مولانا برہان الدین سنبھلی نے ایک مختصر تعارفی مضمون قلم بند کیا تھا(۱۷) اسی مضمون کی روشنی میں اس تفسیر کے بارے میں کچھ تفصیلات پیش خدمت ہیں۔

ان ۴ رجلدوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

www.Qadri.info

پہلی جلد: دوسرے پارے کی آیت ''وان تصوموا خیر لکم '' سے اس پارے کے اختتام تک۔

دوسری جلد: تیسرے پارے کے آغاز سے اختتام تک

تیسری جلد: چوتھے پارے کے آغاز سے اختتام تک

چوتھی جلد: پانچویں پارے کے آغاز سے اختتام تک

ان چاروں جلدوں کے صفحات کی مجموعی تعداد ۳۱۰۰ (تین ہزار ایک سو) ہے مزید یہ کہ جلدوں کا سائز بھی اتنا بڑا ہے کہ حدیث وفقہ کی نصابی کتابوں کے علاوہ عموماً اتنے بڑے سائز پر کتابیں طبع نہیں ہوتیں۔

آپ اندازہ لگایے کہ صرف ۴/جلدیں جہازی سائز کے تین ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہیں تو باقی کی ۲۳/جلدیں خدا جانے کتنے ہزار صفحات پر مشتمل ہوں گی، ایسا بھی نہیں ہے کہ مصنف نے ''حاطب اللیل'' کی طرح ہر قسم کی قصص وحکایات اور غیر ضروری مسائل ومباحث تفسیر میں شامل کر کے ضخامت بڑھانے کی کوشش کی ہے بلکہ یہ ایک عالمانہ اور محققانہ تفسیر ہے اور بقول شخصے ''یہ تکملہ خاصی حد تک اصل کا رنگ لیے ہوئے ہے''، اس تکملے کی خصوصیات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے برہان الدین سنبھلی صاحب لکھتے ہیں:

> ''خاص طور سے فرق باطلہ کی تردید، ملحدین اور متفلسفین کے قرآن مجید پر اعتراضات کی جواب دہی، قرآن مجید کی آیتوں پر بظاہر وارد ہونے والے لغوی، نحوی نیز دوسرے قسم کے اشکالات کا حل، آیت کے بارے میں مفسرین کے متعدد اقوال کی موجودگی کی صورت میں کسی قول کو بدلائل ترجیح اور مختلف المعانی لفظ میں سے ایک یا چند معانی اختیار کرنے کے وجوہ واسباب جیسے امور سے خاطر خواہ بحث کی گئی ہے، اس بنا پر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ تکملہ خاصی حد تک اصل کا رنگ لیے ہونے کے ساتھ تفسیر کے طالب علم کے لیے پر از معلومات اور یکجا بہت سی نقول فراہم کرنے کا ایک کامیاب ذریعہ وماخذ بن گیا ہے۔''(۱۸)

کاش کوئی فاضل ومحقق یا علمی ادارہ اس طرف توجہ کرے، اور یہ نادر ونایاب تفسیر تحقیق

وترتیب کے مراحل کے بعد طباعت واشاعت کی منزل سے ہم کنار ہو۔

(۲) منتہی الکلام: یہ مولانا فیض آبادی کی ایسی معرکہ آرا کتاب ہے کہ یہی آپ کی شناخت کا حوالہ بن گئی، معاصر کتابوں میں جہاں بھی آپ کا نام آتا ہے وہاں نام کے ساتھ ''مصنف منتہی الکلام'' یا ''صاحبِ منتہی الکلام'' بھی لکھا ہوتا ہے، اس کتاب کا ایک نام ''تنبیہ اھل الخوض لاعتراضھم علی حدیث الحوض'' بھی ہے، یہ کتاب ایک شیعی عالم سبحان علی کی ایک کتاب کے رد میں ۱۲۵۰ھ میں تصنیف کی گئی، ازالۃ الغین کے خاتمۃ الطبع سے اشارہ ملتا ہے کہ یہ کتاب دوجلدوں میں تھی، یہ دونوں جلدیں انقلاب ۱۸۵۷ء سے قبل دہلی میں شائع ہوئی تھیں، کتب خانۂ قادریہ، بدایوں میں اس کی ایک جلد محفوظ ہے، یہ جلد بڑے سائز پر ۸۱۵ (آٹھ سو پندرہ) صفحات پر مشتمل ہے، یہ ربیع الاول ۱۲۸۲ھ میں مطبع ناصری لکھنؤ سے شائع ہوئی ہے۔

یہ کتاب جب مصنف کے دوست علامہ فضل حق خیر آبادی کے پاس پہنچی تو آپ نے مولانا فیض آبادی کو ایک طویل خط تحریر فرمایا، جس کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں گذر چکا ہے، مکتوب میں علامہ اس کتاب پر اپنی رائے یوں تحریر فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''میں نے ان کی منتہی الکلام نامی کتاب پڑھی، اور اس میں چھیڑی گئی گفتگو پر مطلع ہوا، جو حسن ترتیب سے آراستہ ہے، اور جو کمینوں میں سے ہر ایک کے گلے میں تیغ ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مولانا نے ان کی روایتوں کی تخریج میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی، بلکہ انہوں نے ان کی گمراہیوں پر تنبیہ اور رہنمائی میں بے انتہا کوشش کی ہے، نیز انہوں نے ان پر وارد ہونے والے (اعتراضات) کو اجاگر کرنے میں دقت نظری سے کام لیا، ان کی نادانیوں کا پردہ فاش کرنے کے لیے انہوں نے ان کے علما کی کتابوں کی ورق گردانی میں بھی انتھک محنت کی، اور ان کی بڑی سے بڑی کتابوں کے صفحات کو بھی نہیں بخشا اور ان کی گمراہیوں کی نشاندہی کر کے رکھ دی۔ ان کے پیشواؤں کی تحریروں میں موجود طعن وتشنیع کی وجہ سے ان کے ماہرین کی گردنوں پر وار کیا، اور ان کے مقررین کی کذب بیانیوں سے الزامی جواب دے کر اور ان کی تقریروں کا رد کر کے بلکہ خود ان کے اعترافوں کی

روشنی میں ان کے منہ پر تالا لگا دیا، اوران کے نکمے تعیش پرستوں کے لیے بے پناہ الجھنوں اور غموں کا سامان پیدا کر دیا، سچ تو یہ ہے کہ ان کے عیاروں اور مکاروں کے لیے بھی انکار کا کوئی راستہ نہیں چھوڑا اور نہ کسی کینہ پرور کے لیے انکار کی گنجائش رہنے دی، اور نہ کسی ایسے شدید غالی شخص کے لیے (کوئی راستہ چھوڑا) جس نے علمی باتوں میں لایعنی باتوں کو بے جا شامل کر دیا، اس لیے آپ ہر ہر افترا پرداز کو کھوکھلا اور ان میں سے ہر مکار کو بدنما دیکھیں گے۔'' (۱۹)

علامہ فضل حق خیر آبادی جیسے صاحبِ فکر وبصیرت کے ان کلمات سے اس کتاب کی علمی وتحقیقی قدر وقیمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

(۳) ازالۃ الغین عن بصارۃ العین: یہ کتاب بھی ردشیعہ میں ہے، زبان فارسی ہے، یہ تین ضخیم جلدوں میں تھی، کتب خانہ قادریہ، بدایوں میں صرف جلد ثانی موجود ہے، یہ جلد جہازی سائز کے ۱۲۸۶ (بارہ سو چھیاسی) صفحات پر مشتمل ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جلد اول اور سوم بھی ہزار صفحات سے کیا کم ہوں گی۔

یہ نسخہ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں مطبع ثمر ہند لکھنؤ سے شائع ہوا ہے۔

(۴) الداھیۃ الحاطمۃ: ''منتہی الکلام'' کے جواب میں کسی شیعہ عالم نے ''**استقصاء الافحام**'' نامی کتاب تصنیف کی، اس کے جواب میں مولانا فیض آبادی نے یہ کتاب لکھی، اس کتاب کے دو نام ہیں، ایک ''استیعاب الکلام'' ہے، دوسرا نام ''**الداھیۃ الحاطمۃ علی من اخرج من اھل البیت فاطمۃ**'' ہے، ''استقصاء الافحام'' میں غالباً مصنف نے یہ بحث چھیڑی تھی کہ کسی نبی کے اہل بیت صرف اس کے اوصیا ہوتے ہیں، اس اعتبار سے حضرت خاتون جنت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اہل بیت میں سے نہیں ہیں، ہاں مجازاً انہیں اہل بیت کہا جا سکتا ہے کیوں کہ وہ ان اوصیا کے وجود کا سبب اور وسیلہ ہیں، مولانا فیض آبادی نے اس نظریے کا رد فرمایا ہے، کتاب کے نام میں اسی مسئلے کی طرف اشارہ ہے۔ یہ کتاب مصنف کے صاحبزادے مولانا ابوالاسلام محمد اسحاق نے شایع کرانے کا ارادہ کیا تھا، دوران طباعت ان کی وفات ہوگئی، پھر ان کے صاحبزادے اور مصنف کے پوتے مولوی محمد سلمان نے اس کو پایہ تکمیل تک پہنچایا، یہ کتاب

www.Qadri.info

ظفر پریس حیدرآباد سے شائع ہوئی، سنہ درج نہیں ہے، یہ نسخہ کتب خانہ قادریہ، بدایوں میں موجود ہے، متوسط تقطیع کے ۵۳۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۵) صاعقۂ حسامیہ: اس کتاب کا پورا نام ''صاعقۂ حسامیہ علی عدوِ ملتِ اسلامیہ'' ہے، یہ کسی شیعہ کی کتاب ''ضربت حیدری'' کے رد میں نصیر الدین حیدر کے زمانے میں بمقام لکھنؤ تالیف کی گئی، یہ ''چند مجلدات'' پر مشتمل ہے۔(۲۰)

(۶) صولت حیدریہ علی المجوس القدریۃ: اس کے بارے میں بھی اس سے زیادہ اور کچھ معلوم نہیں کہ یہ بھی کسی شیعہ مجتہد کے ایک رسالے کے جواب میں تصنیف کی گئی، ازالۃ الغین کے خاتمۃ الطبع میں لکھا ہے کہ ''درمجلدے ضخیم تالیف فرمود''(۲۱)۔

(۷) نقض الرماح فی کبد النباح: اس کے بارے میں صرف اتنا ہی تذکرہ ملتا ہے کہ یہ ایک شیعہ مجتہد کی کسی کتاب کی تردید میں ''دو ضخیم جلد'' میں تالیف کی گئی، اور عن قریب (یعنی ۱۲۹۵ھ میں) شائع ہونے والی ہے۔(۲۲)

(۸) اثبات الخرافۃ: اس کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ ''ثمرۃ الخلافۃ'' نامی کسی شیعہ کی کتاب کے رد میں لکھی گئی تھی۔(۲۳)

(۹) رسالۃ المکاتیب لرویۃ الثعالب والغرابیب: مؤلف ''تذکرہ علمائے ہند'' اور صاحب نزہۃ الخواطر نے اس کتاب کا نام ''رویۃ الثعالیب والغرابیب فی انشاء المکاتیب'' لکھا ہے، اس کے دو قلمی نسخے ہمارے علم میں ہیں، ایک رضا لائبریری رامپور میں دوسرا عربی فارسی انسٹی ٹیوٹ (ٹونک راجستھان) کے کتب خانے میں، یہ دونوں نسخے بالترتیب مئی ۲۰۱۱ء اور جنوری ۲۰۱۲ء میں ہماری نظر سے گزرے ہیں، کتب خانہ ٹونک کی فہرست مخطوطات کے مرتب محمد عمران خاں نے اس کتاب کا تعارف ان الفاظ میں کروایا ہے:

> ''یہ کتاب ان مکاتیب ومسودات کے جواب میں لکھی گئی ہے جو نورالدین حسین نامی شیعہ اور مولوی سبحان علی صاحب کے درمیان ہوتی رہتی تھی، مولوی حیدر علی صاحب کو یہ تمام چیزیں حاصل ہوگئیں تھیں، دیباچہ کتاب میں اس کی تفصیل بھی لکھی ہے۔''(۲۴)

یہ نسخہ ۹۹/اوراق (۱۹۸/صفحات) پر مشتمل ہے۔

مولانا کی ان تصانیف کے علاوہ چند کتابوں کے صرف نام مذکور ہیں مثلاً:

(۱۰) مناسک حیدریہ مشہور بہ انوار بدریہ، اردو (خاتمۃ الطبع ازالۃ الغین)

(۱۱) نضارۃ العینین عن شھادۃ الحسنین (نزہۃ الخواطر، وتذکرہ علمائے ہند)

(۱۲) کاشف اللثام عن تدلیس المجتھد القمقام

(نزہۃ الخواطر، وتذکرہ علمائے ہند)

(۱۳) رسالہ در اثبات زواج حضرت عمر بن خطاب مع سیدہ کلثوم بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ (نزہۃ الخواطر، وتذکرہ علمائے ہند)

(۱۴) رسالہ در بیعت مرتضوی (تذکرہ علمائے ہند)

شاہ اسماعیل دہلوی کی تحریک اور مولانا فیض آبادی:

گزشتہ نصف صدی سے ہمارے بعض اہل قلم یہ تأثر دینے کی کوشش کر رہے ہیں کہ شاہ اسماعیل دہلوی کی تحریک (جس کو تحریک اصلاح وتجدید، تحریک احیائے دین، تحریک دعوت توحید ورد شرک، ، تحریک اقامت سنت ورد بدعت اور نہ جانے کیا کیا لکھا اور کہا جاتا ہے) دراصل حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے ہی افکار ونظریات اور مسلک ومنہاج پر قائم تھی، جن لوگوں نے ابتدائی زمانے میں شاہ اسماعیل کی اس تحریک کی مخالفت کی ان علما کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ یا توشیعوں کے آلۂ کار تھے یا پھر انگریز حکومت کے وظیفہ خوار، اور ان کو بھی شاہ صاحب کی مخالفت میں کوئی خاص پذیرائی حاصل نہیں ہوئی، گنتی کے چند دنیا پرست قسم کے علما اور بدعات وخرافات کے عادی کچھ جاہل صوفیہ ان حضرات کے ساتھ ہو گئے تھے، ان مخالفت کرنے والے علما کو شاہ اسماعیل دہلوی کا مخالف نہیں لکھا جاتا ہے بلکہ ''خانوادۂ شاہ ولی اللہ کا مخالف ودشمن'' لکھا جاتا ہے۔ یہ باتیں اتنے تواتر، تسلسل، تکرار اور تحقیق، تاریخ اور غیر جانبداری کے دعوؤں کے ساتھ لکھی اور کہی گئیں کہ ان کو ''مسلمات'' یا ''تاریخی حقائق'' کا درجہ مل گیا۔ اب علمی حلقوں میں اس کے خلاف کوئی بات کہنا ''تاریخی حقائق'' سے اپنی جہالت کا اعلان کرنے کے مترادف ہے۔

www.Qadri.info

تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے، یہاں ہمیں صرف مولانا حیدر علی فیض آبادی کے بارے میں عرض کرنا ہے کہ وہ شاہ رفیع الدین بن شاہ ولی اللہ کے شاگرد ہیں، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے حلقۂ تلامذہ میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں، ایک مدت تک شاہ عبدالعزیز کی صحبت سے فیض اٹھایا ہے، شاہ صاحب سے محبت اور تعلق خاطر کے نتیجے میں ان کی نامکمل تفسیر کی تکمیل کرنے بیٹھے تو ۲۷ جلدیں قلم بند کر ڈالیں، اس کے باوجود شاہ اسماعیل دہلوی کے خلاف علامہ فضل حق خیرآبادی اور مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کی تحریک کی بھرپور تائید وحمایت کرتے نظر آتے ہیں، آپ نے پیچھے پڑھا کہ حضرت سیف اللہ المسلول کی کتاب ''فصل الخطاب'' جو خاص شاہ اسماعیل دہلوی کے رد میں لکھی گئی اس کے مصدقین میں مولانا فیض آبادی شامل ہیں، بہادر شاہ ظفر کے استفتا کے جواب میں حضرت سیف اللہ المسلول کے فتوے پر بھی مولانا فیض آبادی تصدیق کر رہے ہیں، پھر المعتقد المنتقد جیسی ''ردِ وہابیت'' کی کتاب پر تقریظ لکھ کر انہوں نے سیف اللہ المسلول کے موقف کی بھرپور تائید کی ہے- اس کے علاوہ شاہ اسماعیل دہلوی کے ایک وکیل صفائی سید حیدر علی ٹونکی کے خلاف امکان کذب اور امتناع نظیر جیسے مسائل پر جو فتویٰ مرتب کیا گیا، اس کی تصدیق کرنے والوں میں بھی مولانا فیض آبادی شامل ہیں- کیا اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ شاہ اسماعیل دہلوی کے خلاف چلائی جانے والی علمائے اہل سنت کی تحریک ولی اللہی مسلک یا مکتبِ عزیزی کے خلاف نہیں تھی؟ بلکہ یہ تحریک شاہ اسماعیل کے ان مخصوص نظریات وخیالات کے خلاف تھی جو نہ صرف یہ کہ جمہور امت اور سواد اعظم کے مخالف تھے بلکہ ان کی رو سے خود شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی بھی مشرک اور بدعتی قرار پاتے تھے- اگر ایسا نہ ہوتا تو مولانا شاہ مخصوص اللہ دہلوی، مولانا محمد موسیٰ دہلوی، مولانا رشید الدین خاں دہلوی، علامہ فضل حق خیرآبادی، مفتی صدر الدین آزردہ، شاہ احمد سعید نقش بندی، مولانا محمد شریف دہلوی، مولانا کریم اللہ فاروقی دہلوی اور مولانا حیدر علی فیض آبادی جیسے خانوادۂ ولی اللہ کے تلامذہ ومستفیدین اور مدرسہ عزیزی کے فضلا شاہ اسماعیل دہلوی کے خلاف صف آرا نظر نہ آتے-

برسبیل تذکرہ یہ محض ایک مثال ہے ورنہ تاریخی شواہد سے یہ بات ثابت کی جاسکتی ہے کہ

۱۲۴۰ھ سے لے کر ۱۲۷۵ھ تک ہونے والی ''تحفظ ناموسِ رسالت'' کی جنگ میں شاہ اسماعیل دہلوی کی مخالف صف میں اکثر اجلۂ علما مدرسہ عزیزی کے نامور فضلا تھے، جب کہ شاہ صاحب کی حمایت کرنے والے چند علما میں ایک آدھ کے علاوہ کوئی بھی قابل ذکر عزیزی فاضل نظر نہیں آتا، ہمارے مؤرخین و محققین کو دیانت داری سے اس پوری تاریخ پر نظر ثانی کرنی چاہیے، تاکہ تاریخی حقائق کے گرد جمی ہوئی پروپگنڈے کی دبیز تہہ صاف ہو سکے۔

(ماہ نامہ جام نور، دہلی، جون ۲۰۱۲ء)

مراجع

(۱) یہ میرؔ کا شعر ہے، پہلے مصرع میں ''تم نے'' ہے، مَیں نے موقع کی مناسبت سے مصرع میں تصرف کرکے ''تم نے'' کی جگہ ''ہم نے'' کر دیا ہے۔

(۲) نزہۃ الخواطر: حکیم سید عبد الحی رائے بریلوی، ج ۷، ص ۱۷۳، رائے بریلی، ۱۴۱۳ھ

(۳) ازالۃ الغین: خاتمۃ الطبع، جلد ۲، ص ۱۲۸۵، مطبع ثمر ہند لکھنو، ۱۲۹۵ھ

(۴) یہ سوانحی خاکہ ''نزہۃ الخواطر'' اور ''تذکرہ علمائے ہند'' سے حذف و اختصار کے ساتھ ماخوذ ہے۔

(۵) نزہۃ الخواطر: سید عبد الحی رائے بریلوی، ج ۷، ص ۱۷۴، رائے بریلی، ۱۴۱۳ھ

(۶) تذکرۂ علمائے ہند: رحمان علی، ترجمہ از ایوب قادری، ص ۱۷۵، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی، ۱۹۶۱ء

(۷) مظہر العلما: سید محمد حسین، ص ۶۳، قلمی مخزونہ کتب خانۂ قادریہ بدایوں

(۸) علامہ محمد فضل حق خیر آبادی: سلمہ سیہول، ص ۱۵۷، مکتبہ قادریہ، لاہور، ۲۰۰۱ء

(۹) فتوئ تکفیر سید حیدر علی ٹونکی: مرتب عبد الستار، ص ۲۰، مطبع الہدایہ، دہلی ۱۲۶۹ھ

(۱۰) تاریخی فتویٰ: فضل رسول بدایونی، ص ۲۰، مطبع مفید الخلائق دہلی، ۱۲۶۸ھ

(۱۱) فصل الخطاب: فضل رسول بدایونی، ص ۱۲، دہلی ۱۲۶۸ھ

(۱۲) ترجمہ از عربی، المعتقد المنتقد: فضل رسول بدایونی، ص ۷، مطبع اہل سنت پٹنہ، ۱۳۲۱ء

(۱۳) ازالۃ الغین: خاتمۃ الطبع، ج ۲/ص ۱۲۸۵، مطبع ثمر ہند لکھنؤ ۱۲۹۵ھ

(۱۴) نزہۃ الخواطر: سید عبد الحی رائے بریلوی، ج ۷/ص ۱۷۴، رائے بریلی، ۱۴۱۳ھ

(۱۵) ازالۃ الغین: خاتمۃ الطبع، ج ۲/ص ۱۲۸۵، مطبع ثمر ہند لکھنؤ ۱۲۹۵ھ

(۱۶) ازالۃ الغین: خاتمۃ الطبع، ج ۲/ص ۱۲۸۵، مطبع ثمر ہند لکھنؤ ۱۲۹۵ھ

(۱۷) تکملہ تفسیر فتح العزیز: ایک تعارف، محمد برہان الدین سنبھلی، مشمولہ مجموعۂ مقالات بعنوان ''قرآن کریم کی تفسیریں چودہ سو سال میں''، از ص ۲۰۲، تا ص ۲۱۰، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ، ۱۹۹۵ء

(۱۸) مرجع سابق: ص ۲۰۸ / ۲۰۹

(۱۹) باغیٔ ہندوستان: عبدالشاہد خاں شیروانی، ص ۱۷۳، المجمع الاسلامی مبارک پور، ۱۹۸۵ء

(۲۰) ازالۃ الغین: خاتمۃ الطبع، ج ۲ / ص ۱۲۸۵، مطبع ثمر ہند، لکھنؤ ۱۲۹۵ھ

(۲۱) مرجع سابق، نفس صفحہ (۲۲) مرجع سابق، نفس صفحہ (۲۳) مرجع سابق، نفس صفحہ

(۲۴) خزینۃ المخطوطات: مرتب محمد عمران خاں، جلد ۳/ ص ۱۹۸، مطبوعہ ٹونک، ۱۹۸۴ء

❑❑❑

مجاہد آزادی مولانا فیض احمد بدایونی

جہاد آزادی ۱۸۵۷ء میں جو علمائے کرام صف اول میں ملک وملت کے لیے اپنی جان ومال کی قربانی دیتے ہوئے نظر آتے ہیں، ان میں ایک نمایاں نام مولانا فیض احمد بدایونی کا بھی ہے، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مولانا بدایونی کی خدمات اتنی نمایاں اور اہم ہیں کہ ان کے ذکر کے بغیر تاریخ جنگ آزادی ادھوری سمجھی جائے گی- مجاہدین آزادی پر لکھے جانے والے اکثر مضامین اور مقالات میں کسی نہ کسی جہت سے مولانا کا تذکرہ ہوتا رہتا ہے، اور مؤرخین ومحققین نے مختلف زاویوں سے جہاد آزادی میں ان کی خدمات پر روشنی ڈالی ہے، جس کے نتیجے میں جدوجہد آزادی کے سلسلے میں مولانا کا کردار اب محتاج تعارف نہیں رہا- مولانا کی سیرت، سوانح اور تذکروں پر ان کے مجاہدانہ کردار کا کچھ ایسا رنگ چڑھا کہ اس کے آگے مولانا کی عالمانہ، شاعرانہ اور صوفیانہ حیثیت دب کر رہ گئی، ان کی شہرت ایک مجاہد آزادی کی حیثیت سے ہوگئی، جو ہونا بھی چاہیے تھی اور مولانا اس کے بجا طور پر مستحق تھے، مگر وہ ایک متبحر عالم، مصنف، مدرس، عربی کے بلند پایہ شاعر، صاحب طرز انشا پرداز اور ایک صاحب حال بزرگ بھی تھے، مولانا کی شخصیت کے یہ پہلو بہت کم روشنی میں آسکے، اسی لیے اس مختصر مقالے میں ہم مولانا کی ہشت پہلو شخصیت کے انہی گمنام گوشوں کو زیادہ اجاگر کرنے کی کوشش کریں گے-

مولانا فیض احمد بدایونی کی ولادت ۱۲۲۳ھ مطابق ۱۸۰۸ء کو مولوی محلہ بدایوں میں ہوئی، مولانا کے والد مولانا حکیم غلام احمد عثمانی بدایوں کے مشہور عثمانی خاندان کے جلیل القدر فرزند اور جید عالم دین تھے، مولانا کی والدہ حضرت شاہ عین الحق عبدالمجید قادری بدایونی (ولادت ۱۱۷۷ھ وفات ۱۲۶۳ھ) بانی خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں وخلیفۂ مجاز شمس مارہرہ حضرت آل احمد اچھے

www.Qadri.info

میاں مارہروی) کی صاحبزادی تھیں۔مولانا فیض احمد کی عمر ابھی صرف ۳ برس تھی کہ ۱۲۲۶ھ میں ان کے والد گرامی حکیم غلام احمد عثمانی کا انتقال ہو گیا، والد کا سایہ سر سے اٹھنے کے بعد آپ کی والدہ نے آپ کی پرورش کی، جب مولانا تعلیم و تعلم کی عمر کو پہنچے تو آپ کی والدہ نے اپنے اس لخت جگر کو اپنے حقیقی بھائی سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی کے سپرد کر دیا، مولانا فیض احمد نے اپنے شفیق ماموں کی درسگاہ سے علوم وفنون کی تکمیل کی۔ پروفیسر ایوب قادری لکھتے ہیں:

''مولانا فیض احمد بدایونی نے تمام علوم منقول ومعقول اپنے ماموں اور شفیق استاذ مولانا فضل رسول سے صرف چودہ سال کی عمر میں حاصل کئے اور پندرہویں سال گرہ سے قبل آپ کو اجازت درس مل گئی۔ دوسرے فنون مروجہ، خطاطی، شعروشاعری وغیرہ میں بھی آپ نے کمال حاصل کیا، ایک قلیل عرصے میں آپ کا شہرہ ہو گیا اور تشنگان علم نے اس منبع علم وفضل کی طرف رخ کیا۔''(۱)

مولانا فیض احمد کے بارے میں خود ان کے استاذ اور اپنے وقت کے امام العلما حضرت شاہ فضل رسول بدایونی فرماتے ہیں:

''بفضلہٖ تعالیٰ فیض احمد مذکور کہ ہمشیر زادہ ونور دیدہ ولخت دل وقوت بازوئے خاکسار است جامع کمالات انسانی است درعلوم مروجہ بر معاصرین بالادست'۔(۲)

بفضلہٖ تعالیٰ فیض احمد جو اس خاکسار کا بھانجہ، نور دیدہ، لخت دل اور قوت بازو ہے، کمالات انسانی کا جامع اور مروجہ علوم میں اپنے معاصرین پر فائق ہے۔

تمام مروجہ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد مولانا فیض احمد نے درسگاہ آراستہ کی اور بے شمار تشنگان علوم ومعارف نے ان سے فیض حاصل کیا۔ اس کے بعد آپ علوم باطنی اور سلوک الی اللہ کی طرف متوجہ ہوئے، صاحب اکمل التاریخ مولانا ضیاء القادری لکھتے ہیں:

''جب تکمیل سے فراغ کامل حاصل ہوا تو دولت بیعت اپنے مقدس نانا حضرت سیدی شاہ عین الحق عبدالمجید قدس سرّہ سے پائی۔''(۳)

علوم ظاہری وباطنی کی تکمیل اور کچھ عرصے بدایوں میں درس وتدریس کا سلسلہ دراز کرنے

کے بعد مولانا فیض احمد آگرہ چلے گئے، آگرہ اس وقت صوبہ متحدہ کی راجدھانی تھی، مولانا بدایونی وہاں پر پہلے مثل خواں، پھر پیش کار اور بعد میں بورڈ آف ریونیو میں سررشتہ دار مقرر ہوئے۔ پروفیسر ایوب قادری لکھتے ہیں:

''آگرہ اس وقت صوبے کا صدر مقام تھا، صدر نظامت آگرہ میں اول آپ مثل خواں پھر پیش کار رہوئے اور آخر میں بورڈ آف ریونیو میں سررشتہ دار ہوئے۔''(۴)

آپ کے قیام آگرہ کے زمانے میں مشہور مستشرق سر ولیم میور جو اس وقت مجسٹریٹ تھا، آپ کا شاگرد ہوا اور اس نے آپ سے عربی کی تعلیم حاصل کی۔ پروفیسر ایوب قادری لکھتے ہیں:

''اس زمانے میں ولیم میور نے جو وہاں مجسٹریٹ علاقہ فوج تھا اور بعد کو لفٹنٹ گورنر صوبہ یوپی (۱۸۶۸ء-۱۸۷۲ء) ہوا، نے آپ سے عربی پڑھی۔''(۵)

صاحب اکمل التاریخ آپ کی ملازمت اور ولیم میور کے عربی پڑھنے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس کے بعد سلسلۂ ملازمت میں داخل ہو کر اس عہدۂ جلیلہ پر مامور ہوئے کہ تمام سیاہ وسپید آپ کے ہاتھ میں تھا، اس وقت آگرہ صوبے کا صدر مقام تھا، آپ لفٹنٹی سررشتہ دار تھے، ثروت وامارت خاندانی کے سوا عہدہ کی وجاہت اس پر طرہ یہ کہ سر ولیم میور لفٹنٹ گورنر بہادر صوبہ آگرہ اودھ آپ کے شاگرد خاص واحترام کنندہ۔''(۶)

وہ علمائے اہل سنت جنہوں نے انقلاب ۱۸۵۷ء سے قبل یا بعد انگریزی حکومت کی ملازمت قبول کی ان کے بارے میں ایک طبقے کی طرف سے عجیب وغریب افسانہ طرازیاں کی جاتی ہیں، اگرچہ ان افسانہ طرازوں کو حقیقت کا آئینہ دکھانے کا یہ موقع نہیں ہے، اور نہ ہی یہ مختصر مقالہ اس تفصیلی بحث کا متحمل ہوسکتا ہے، تاہم آگے بڑھنے سے پہلے ہم علامہ عبدالحکیم شرف قادری کے دو اقتباسات نقل کرنا چاہتے ہیں، جن سے اس معاملے کی حقیقت تک پہنچنے میں مدد مل سکتی ہے۔ علامہ شرف قادری لکھتے ہیں:

''فقط سرکاری ملازم ہونا کوئی جرم کی بات نہیں ہے، بشرطے کہ کسی خلاف اسلام امر

میں ان کا تعاون نہ کیا جائے،حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے مولوی عبدالحی کوملازمت کی اجازت دے کراس قسم کے شبہات کوختم کر دیا تھا،سرکاری ملازمت سے ہر شخص کے بارے میں یہ رائے قائم کرلینا کہ یہ انگریز کا خیر خواہ و وفادار اور محب ہے کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے، کیوں کہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں اکثر و بیشتر انہی علما نے کھل کر حصہ لیا، جو انگریز کے دور اقتدار میں صدر الصدور اور افتا وغیرہ کے مناصب پر فائز تھے۔''(۷)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''تعجب ہے کہ جب علمائے دیو بند میں سے مولوی محمد احسن نانوتوی،مولوی محمد مظہر،مولوی محمد منیر،مولوی ذوالفقار علی،مولوی فضل الرحمٰن،مولوی مملوک علی اور مولوی محمد یعقوب نانوتوی وغیرہم بھی ''سرکار انگریز'' کے ملازم تھے تو فرنگی حکومت کے اقتدار کو مضبوط تر کرنے کا الزام علمائے اہل سنت پر ہی کیوں عائد کیا جاتا ہے؟ پھر یہ نکتہ بھی غور طلب ہے کہ اگر علما منصب افتا وقضا اور صدر الصدوری کو قبول نہ کرتے تو ان مناصب پر فائز ہو کر فیصلہ کرنے والے ہندو ہوتے یا انگریز، کیا یہ اچھا ہوتا کہ علما ان منصب کو قبول نہ کرتے اور مسلمان اپنے مقدمات کے فیصلوں کے لیے ہندو یا انگریز کی کچہریوں میں مارے مارے پھرتے۔''(۸)

مولانا فیض احمد بدایونی کی تصنیفات:

خداوند قدوس نے مولانا کو تصنیف و تالیف کا زبردست شعور اور اعلیٰ ذوق عطا فرمایا تھا، آپ نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود علوم فنون کا ایک ذخیرہ اپنی تصانیف کی صورت میں چھوڑا تھا،مگر یہ المیہ ہی ہے کہ ان میں سے اکثر کتب مع اپنے نام کے مفقود ہوگئیں،حضرت تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی تحریر فرماتے ہیں:

''جناب استاذ الاساتذہ مولانا (فیض احمد) علیہ الرحمہ دفترہا تالیف فرمودند ودر اکثر علوم مصنفات شاں بودند۔''(۹)

جناب مولانا فیض احمد علیہ الرحمہ نے دفتر کے دفتر تصنیف کئے اور اکثر علوم میں ان

www.Qadri.info

کی تصنیفات تھیں۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علم وفن کے کیسے کیسے جواہر پاروں سے آپ نے صفحۂ قرطاس کو مزین کیا ہوگا، پروفیسر ایوب قادری لکھتے ہیں:

''مولانا فیض احمد تصانیف کثیرہ کے مالک تھے،طبیعت میں استغنا بدرجۂ کمال تھا، اکثر تحریرات ومسودات شاگرد لے گئے،اوران کی واپسی نہ ہوئی۔''(۱۰)

اس طرح آپ کی تصانیف محفوظ نہ رہ سکیں،آخر میں جو ذخیرہ بچا وہ انقلاب ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں کی نذر ہو گیا،تاج الفحول تحریر فرماتے ہیں:

''درفتنۂ عامہ اکثر تصانیف ومسودات شاں ضائع وتلف گردیدند۔''(۱۱)

آپ کا ذخیرۂ تصنیف ضائع ہونے کے بعد آج ہمارے پاس مولانا کی صرف پانچ کتابیں ہیں،تین مطبوعہ صورت میں،ایک مخطوطے کی شکل میں اور ایک کا صرف نام ہے۔

[۱] **حاشیہ صدرا:** مولانا نے جس عہد میں آنکھ کھولی اور جس ماحول اور زمانے میں تعلیم حاصل کی وہ دینی درسگاہوں پر منطق وفلسفہ کے تسلط کا زمانہ تھا،درس نظامی کے نصاب میں ایک بہت بڑی تعداد میں منطق وفلسفہ کی کتب داخل تھیں،اس دور کا مذاق تصنیف وتالیف بھی زیادہ تر معقولات کی کتب پر حواشی،تعلیقات اور شروح تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔''ہدایۃ الحکمۃ''فلسفہ قدیمہ کا مشہور متن ہے،ملا صدرالدین شیرازی نے اس کی شرح تصنیف کی جو صدرا کے نام سے مشہور ہے،یہ کتاب اب سے کچھ عرصے پہلے تک درس نظامی کے نصاب میں داخل تھی،اس کی بے شمار شروح اور حواشی لکھے گئے ہیں،مولانا فیض احمد بدایونی نے بھی اس پر حاشیہ لکھ کر داد تحقیق دی ہے،مولانا کا یہ حاشیہ غیر مطبوعہ ہے،اس کا ایک قلمی نسخہ مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں کے کتب خانہ میں اور ایک نسخہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ کے''حبیب گنج کلکشن''میں محفوظ ہے،جس زمانے میں راقم الحروف معقولات کی تحصیل کر رہا تھا اس وقت اس حاشیہ کو دیکھا تھا اور بعض مقامات سے استفادہ بھی کیا تھا،یہ حاشیہ عربی میں ہے اور اس کو دیکھ کر مولانا کی معقولی شان کا کسی حد تک اندازہ ہوتا ہے۔

[۲] **تعلیقات علی فصوص الفارابی:** مولانا کے تذکرہ نگاروں نے''فصوص الفارابی''پر مولانا

www.Qadri.info

کی تعلیقات کا بھی ذکر کیا ہے، لیکن یہ کتاب راقم کی نظر سے نہیں گذری اور نہ ہی اس کے کسی قلمی نسخے کی موجودگی کا علم ہوسکا، غالب گمان یہی ہے کہ یہ بھی مولانا کی دیگر تصنیفات کی طرح مفقود ہوگئی۔

[۳] **تعلیم الجاہل:** شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے نواسے شاہ محمد اسحاق دہلوی مہاجر مکی (ولادت ۱۱۹۶ھ۔ وفات ۱۲۶۲ھ) نے شاہ اسماعیل دہلوی کے افکار وآرا سے متأثر ہوکر ''مأۃ مسائل'' کے نام سے ایک کتاب لکھی، اس کے جواب میں سیف اللہ المسلول مولانا فضل رسول قادری نے ''تصحیح المسائل'' تحریر فرمائی، حضرت کی اس کتاب کے جواب میں مولانا بشیر الدین قنوجی نے ''تفہیم المسائل'' نام کا رسالہ تصنیف کیا، قنوجی صاحب کی اس کتاب کے جواب میں مولانا فیض احمد نے ''تعلیم الجاہل'' نام سے کتاب لکھی اور قنوجی صاحب کو مسکت جواب دیا۔ یہ کتاب ۱۲۶۹ھ میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔

[۴] **ہدیۂ قادریہ:** یہ مولانا کے عربی قصائد کا مجموعہ ہے، اس میں ۳۲ قصائد ہیں، جو گیارہ سو گیارہ اشعار پر مشتمل ہیں، یہ تمام قصائد شاہ جیلاں حضور غوث اعظم کی منقبت میں ہیں، ہدیۂ قادریہ کی تصنیف کا آغاز اس طرح ہوا کہ ۱۸۳۷ء میں ملکہ وکٹوریہ کی تخت نشینی کے موقع پر مولانا کے شاگرد سر ولیم میور نے عربی میں قصیدۂ تہنیت کہنے کی فرمائش کی، رات بھر کوشش کے باوجود چند اشعار سے زیادہ نہ کہہ سکے، خیال پیدا ہوا کہ ایک دنیاوی حاکم کی مدح وستائش کرنے کے لیے کتنا وقت ضائع کیا، کاش یہ وقت اپنے مرکز عقیدت سرکار غوثیت مآب کی منقبت میں صرف ہوتا، یہ خیال آتے ہی وضو کیا، نوافل ادا کئے اور منقبت لکھنے بیٹھ گئے، نماز فجر سے پہلے ایک سو گیارہ اشعار کا قصیدہ جو صنائع لفظی اور بدائع معنوی سے آراستہ ہے نظم کردیا۔ (۱۲) یہ ''ہدیۂ قادریہ'' کا پہلا قصیدہ ہے۔ اس کے بعد باقی قصائد بھی چند نشستوں میں نظم کئے، حضرت تاج الفحول فرماتے ہیں:

''من بعد بقیہ قصائد ہدیہ قادریہ ہم در چند جلسہ تالیف فرمودند۔'' (۱۳)

نقیب الاشراف سید سلیمان گیلانی صاحب (سجادہ آستانہ غوثیہ بغداد شریف) کے حکم سے حضرت تاج الفحول نے اس کو پہلی مرتبہ شائع کروایا، ہدیہ قادریہ پر شہزادۂ تاج الفحول مولانا شاہ

www.Qadri.info

عبدالمقتدر قادری بدایونی نے عربی میں مقدمہ اور حواشی تحریر فرمائے، یہ کتاب اس مقدمہ اور حواشی کے ساتھ ۱۳۰۳ھ میں مطبع نسیم سحر، بدایوں سے شائع ہوئی۔ 'ہدیہ قادریہ' کے بارے میں پروفیسر ایوب قادری نے لکھا ہے:

''ان قصائد عربیہ کی تعریف اعیان ومشاہیر بغداد نے کی اور آپ کی عربی نظم ونثر کو سراہا، غرض کہ آپ پچھلی صدی میں برصغیر میں عربی کے صاحب طرز شاعر تھے۔'' (۱۴)

پروفیسر صاحب کے بیان کی تائید اس بات سے ہوتی کہ بغداد معلیٰ کے ایک عالم، شیخ طریقت اور صاحب تصانیف حضرت شیخ عبداللہ بن محمد القادری الشافعی الجیلانی نے اپنی کتاب ''الدر الناظر فی مناقب القطب الربانی الشیخ عبدالقادر'' میں 'ہدیہ قادریہ' کے دو قصائد نقل کئے ہیں، صفحہ ۱۰۱ پر ہدیۂ قادریہ کا پہلا قصیدہ ''یا صاح قد سهرت عيني ولم تنم'' اور صفحہ ۵۵۹ پر دوسرا قصیدہ ''یا مبتلی فی شدة ومكاره'' اس سے مولانا کے کلام کی علمائے بغداد میں مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مولانا ضیاء القادری لکھتے ہیں:

''عربی میں آپ کا ادب اہل عرب کے لیے باعث رشک ہے، ہدیۂ قادریہ حضرت تاج الفحول نے جب بغداد شریف میں نذر گزارا تو وہاں کے بڑے بڑے ادیب تعجب کرتے تھے، اور کسی ہندی کے کلام ہونے کا یقین نہ آتا تھا۔'' (۱۵)

[۵] **المقامة البغدادية:** مقامات حریری کی طرز پر مولانا نے یہ کتاب لکھی ہے، اس میں ایک ہزار ایک سو گیارہ فصیح وبلیغ اور مقفیٰ ومسجع جملے ہیں، یہ بھی شاہ جیلان حضور غوث اعظم کی منقبت میں ہے، اس سے جہاں مولانا کی عربی دانی کا اندازہ ہوتا ہے وہیں ان کی غوث اعظم سے عقیدت ومحبت کا بھی پتا چلتا ہے، یہ رسالہ بھی ہدیۂ قادریہ کے ساتھ ۱۳۰۳ھ میں شائع ہوا تھا۔

مجاہدانہ کردار:

زمانۂ قیام آگرہ میں مولانا فیض احمد کی ملاقات مولانا شاہ احمد اللہ مدراسی سے ہوئی، شاہ صاحب کی صحبت کے اثر نے مولانا فیض احمد کے اندر جذبۂ جہاد پیدا کیا، شاہ احمد اللہ مدراسی کی ہی تحریک پر ڈاکٹر وزیر خاں اور مولانا فیض احمد انگریزوں کے خلاف جہاد کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ استاذ مطلق علامہ فضل حق خیرآبادی کا وہ مشہور فتویٰ جہاد جس نے مسلمانوں کے دلوں

میں جذبۂ جہاد اور سرفروشی وجاں سپاری کی ایک لہر دوڑادی تھی، اس پر جن چند علما نے تصدیقی دستخط ثبت کئے ان میں مولانا فیض احمد بدایونی کا نام نمایاں ہے، اس فتوے پر مولانا فیض احمد کے علاوہ مفتی صدرالدین آزردہ، مولوی عبدالقادر، اور قاضی فیض اللہ دہلوی نے دستخط کئے تھے۔

مولانا کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر ایوب قادری لکھتے ہیں:

''جب میرٹھ اور آگرہ کی فوجوں کی بغاوت اور مجاہدین کے معرکوں کی خبر آگرہ پہنچی، تو جونس کالون لفٹنٹ گورنر بہادر نے سب فوج ہندستانی اور انگریزی کو جمع کر کے فہمائش کی، اس کا اثر چند روز رہا، مگر پھر آگرہ کی فوج بھی باغی ہوگئی اور مجاہدین سے مل گئی، اور آزادیٔ وطن میں کوشاں ہوئی، انگریزوں نے قلعہ کو جائے پناہ قرار دیا، ماہ جون میں یہاں بھی واقعات شروع ہوئے، جولائی میں تیزی آئی، مجاہدین فوج کی سرپرستی ڈاکٹر وزیر خاں اور مولوی فیض احمد بدایونی نے کی، مگر جب حالات کا گہرائی سے جائزہ لیا، اور دہلی سے طلبی ہوئی تو کچھ مسلح سپاہ کے ساتھ ڈاکٹر وزیر خاں اور مولوی فیض احمد بدایونی دہلی روانہ ہوگئے۔''(۱۶)

دہلی میں جنرل بخت خاں مورچہ سنبھالے ہوئے تھے، دہلی پہنچ کر مولانا فیض احمد بدایونی اور ان کے ساتھی جنرل بخت خاں کے ساتھ معرکے میں شریک ہو گئے، ۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کو دہلی میں ہڈسن کے زیر کمان انگریز فوج نے مکمل قبضہ کر لیا، اس لیے جنرل بخت خان، ڈاکٹر وزیر خاں اور مولانا فیض احمد لکھنؤ کی طرف روانہ ہوگئے، لکھنؤ میں انگریزی فوج سے پہلی جھڑپ نواب گنج کے علاقے میں ہوئی، جس میں مجاہدین کو کامیابی ملی، مگر عالم باغ میں مجاہدین کو ایک اور معرکہ پیش آیا، اس معرکہ میں جنرل مارٹن نے خود مورچہ سنبھالا، اور اس کے مدمقابل جنرل بخت خان اپنے جاں نثار ساتھیوں کے ساتھ سینہ تان کر آئے، چکر والی کوٹھی پر ڈاکٹر وزیر خاں اور مولانا فیض احمد بدایونی نے مورچہ سنبھالا، اور ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

مولانا فیض احمد لکھنؤ سے بدایوں آئے اور یہاں آکر لوگوں میں جذبۂ جہاد کی روح پھونک دی، جس کے نتیجے میں قصبہ ککرالہ میں معرکہ ہوا، جس میں تقریباً ایک ہزار مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا۔ یہ وہ وقت تھا جب شاہ احمد اللہ مدراسی شاہجہان پور پہنچ چکے تھے، لہٰذا معرکۂ ککرالہ کے

بعد مولانا فیض احمد، فیروز شاہ اور ڈاکٹر وزیر خاں بریلی ہوتے ہوئے شاہجہان پور شاہ احمد اللہ مدراسی کے پاس آ گئے۔ دہلی اور لکھنؤ کے بعد بدایوں، بریلی، مرادآباد، فرخ آباد، اور شاہجہان پور پر بھی انگریز مکمل طور پر قابض ہو گئے، پھر مجاہدین کو ''بغاوت'' کے جرم میں پکڑ پکڑ کر پھانسی اور قید وغیرہ کی سزا دینے کا دور شروع ہوا، مجاہدین آزادی کا ہندستان میں رہنا دشوار ہو گیا، چنانچہ فیروز شاہ اور ڈاکٹر وزیر خاں حجاز کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے، مگر مولانا فیض احمد صاحب کا کچھ پتا نہیں چل سکا کہ ہجرت کر گئے یا شہید کر دیے گئے۔

مولانا کے ماموں اور مشفق استاذ سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی نے مولانا کی تلاش میں بلاد عرب کا سفر کیا، لیکن مولانا کا کوئی پتا نہیں چل سکا۔ آج مولانا کا نشان مزار نہیں ہے، نہ سہی، لیکن وہ اپنے مجاہدانہ کارناموں سے تاریخ میں ایسے انمٹ نقوش چھوڑ گئے ہیں، جو ہمیشہ ان کی یاد دلاتے رہیں گے، ایسی ہی شخصیات کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ......ع

ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

(ماہنامہ جام نور، دہلی، اگست ۲۰۰۷ء)

مصادر

(۱) پروفیسر ایوب قادری: جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا ایک مجاہد مولانا فیض احمد بدایونی: ص:۹، ایجوکیشنل پریس کراچی، مطبوعہ ۱۹۵۷ء

(۲) ملفوظات معینی: بحوالہ مرجع سابق

(۳) ضیاء القادری: اکمل التاریخ، جلد اول، ص:۶۰، وکٹوریہ پریس، ۱۳۳۱ھ

(۴) پروفیسر ایوب قادری: جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا ایک مجاہد: ص:۱۲، ایجوکیشنل پریس کراچی، ۱۹۵۷ء

(۵) مرجع سابق

(۶) اکمل التاریخ، ص:۶۰

(۷) عبد الحکیم شرف قادری: مقدمہ سیف الجبار، مطبوعہ مکتبہ رضویہ لاہور، ۱۹۷۲ء

(۸) مرجع سابق

(۹) مولانا عبد القادر بدایونی: تحفۂ فیض: ص ۸، فخر المطابع میرٹھ

(۱۰) رسالہ سابق الذکر: ص:۳۹

(۱۱) تحفۂ فیض: ص:۸، یہ رسالہ حضرت تاج الفحول کی تصنیف ہے۔

(۱۲)اکمل التاریخ:ص:۶۱

(۱۳)تحفۂ فیض:ص:۸

(۱۴)رسالہ سابق الذکر:ص:۳۷

(۱۵)اکمل التاریخ:ص:۶۲

(۱۶)رسالہ سابق الذکر:ص:۲۰ تا ۲۱

❑❑❑

نور العارفین سید شاہ ابوالحسین احمد نوری کی بارگاہ میں ایک حاضری(۱)

سلالۂ خانوادۂ برکاتیہ، سراج السالکین شاہ ابوالحسین احمد نوری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی شریعت وطریقت اور علم ظاہر وباطن کا ایسا سنگم تھی کہ اپنے عہد میں آپ کی نظیر نہیں ملتی، آپ سیدنا شاہ ظہور حسن قادری برکاتی کے صاحبزادے اور خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول احمدی کے پوتے ہیں،آپ کی ولادت ۱۹؍شوال ۱۲۵۵ھ ۲۶؍دسمبر ۱۸۳۹ء کو ہوئی، آپ کی عمر گیارہ سال کی تھی کہ آپ کے والد ماجد کی وفات ہوگئی، مقدس دادا کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی، اور ۴۱؍برس تک حضرت خاتم الاکابر کی خدمت وصحبت سے فیض حاصل کیا، مختلف موضوعات پر ۲۰ سے زیادہ کتب ورسائل تالیف فرمائے، ایک جہان کو علوم ظاہر وباطن سے فیض یاب کیا، صاحب تذکرۂ نوری کی تحقیق کے مطابق ۵۴ خوش قسمتوں کو آپ نے اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا، ۱۱؍رجب ۱۳۲۴ھ مطابق ۳۱؍اگست ۱۹۰۶ء کو وصال فرمایا،''خاتم اکابر ہند'' سے سنہ وصال برآمد ہوتی ہے، آستانۂ برکاتیہ، مارہرہ شریف کے جنوبی برآمدہ میں آرام فرمارہے ہیں۔

عرض: حضور یہ ارشاد فرمائیں کہ آپ نے سلوک کے مراتب کس طرح طے کیے؟ اس

---

(۱) مولانا اسید الحق قادری نے زیر نظر تحریر ماہ نامہ جام نور دہلی کے انٹرویو کے کالم ''روبرو'' کے لیے بطور خاص لکھی تھی۔

راہ میں کیا کیا اعمال کیے؟ کن کن مراحل سے گذرنا ہوا؟ اب مقام سلوک طے کرنے کے بعد آپ کیسا محسوس کررہے ہیں؟

ارشاد: اس فقیر کو تصفیۂ باطن، تزکیہ قلب اور تحصیل تجلیات اسمائی وصفاتی کی غرض سے دعوت اسما اور بعض دوسری دعاؤں کے پڑھنے کا بارہا اتفاق ہوا ہے چنانچہ اس فقیر نے بیس سال کی عمر میں خلوت اختیار کی اور تین سال کے عرصے میں اکثر و بیشتر گوشہ نشین رہا- متواتر روزے رکھے اور روزوں کے مابین کبھی فصل طویل میں نے روا نہ رکھا اور اس مدت میں دو بار بلکہ تین بار بلکہ اور زیادہ دعوت اسما اور بہ تفصیل ذیل دوسری دعائیں بھی بہ طریق معمول پڑھتا رہا-

(۱) حزب البحر (۲) سورۂ واقعہ (۳) سورۂ مزمل (۴) اسمائے اصحاب کہف (۵) آیت مبارکہ **اللہ لطیف بعبادہ** (۶) دعوت چہل اسماء بطور ترکیب مختصر معمول خاندانی (۷) اسم بدوح سادہ (۸) اسم بدوح با مؤکل (۹) آیہ کریمہ (۱۰) اسم **انہ ولی الاجابۃ** (۱۱) اسم **یا بدیع العجائب** (۱۲) اسم **یا شیخ عبدالقادر شیئاًللہ** (۱۳) عملِ شجرۂ زر (۱۴) عمل دعائے حیدری (۱۵) عمل یامقلب القلوب-

میں نے ان اسما اور ادعیہ کو سالہا بار بار شرائط عامل کے مطابق پڑھا، ادائے زکوٰۃ کا عمل کیا- ان اسمائے مبارکہ کی روحانیات اور تجلیات سے فیض یاب ہوا- ترک ماکولاتِ جلالی و جمالی مکروہات کا پابند رہا- روزہ ناغہ نہ کیا، گوشہ نشینی نہ چھوڑی اور ارواح علویہ پر غلبۂ واستیلا پاکر ان پر حکومت کی اور اسی طور پر میں نے کئی سال بسر کیے-

مذکورہ بالا ادعیہ کے علاوہ حرز یمانی، دعائے بشمخ، دعائے برہتی، دعائے قرشیہ، بانت العظمۃ، چہار شنبہ، حروف تہجی مع مؤکلات، باری تعالیٰ کے ننانوے اسمائے حسنیٰ اور ۳۳ آیات کو برس ہا برس تک ہر وقت اپنا ورد بنائے رکھا، اب کہ روز بروز ناتوانی بڑھتی جارہی ہے- ان میں سے بعض اوراد ترک کرچکا ہوں اور ان اوراد کی بجائے کبریت احمر، دلائل الخیرات اور حصن حصین کا اضافہ کرلیا ہے- قرآن کریم صدہا بار ختم کیا بلکہ عجب نہیں کہ اپنی عمر میں تخمیناً ہزار بار سے زیادہ تجاوز کرچکا اور دینی اور دنیاوی کثیر در کثیر کشائشیں میں نے حاصل کیں- میں نے ان تمام اوراد کی ترکیب اپنے مجموعہ وظائف میں لکھ دی ہے، اُسے دیکھیں اور عمل کریں اور ہروہ

www.Qadri.info

شخص جو اس کی اہلیت رکھتا ہے اُسے عمل کی اجازت ہے۔

یوں ہی یہ فقیر نو سال کی عمر سے بیس سال کی عمر تک، کلمۂ طیبہ کے ذکر جہر نفی و اثبات میں بطور چار ضربی، چھ ماہ کی خلوت میں، حساب لگایا جائے تو ہر روز و شب میں صد ہا ضربیں لگا کر ایک لاکھ سے زیادہ ضربیں عمل میں لا چکا اور اس کے اسرار و رموز سے واقفیت حاصل کر چکا ہے۔

دل من داند و من دانم و داند دلِ من

شغل نفی و اثبات و اسم ذات حبسِ دم کے ساتھ اور بغیر حبس دم بجالایا۔ برزخ شیخ کی مشق اور دو اشغالِ خمسہ اور شغل دو نیم میں سالہا مصروف رہ کر مہارت حاصل کر چکا۔ شغل آئینہ اور ملکوت و ملک و جبروت و لاہوت چاروں مقامات کے اشغال ادا کر چکا ہے۔ اسم ذات کے مراقبے بھی کیے ہیں اور ہر قسم کے جلالی و جمالی امور میری بندش میں رہے ہیں۔ غرض میں راہ سلوک میں طمانیت قلبی پاچکا ہوں، یعنی برزخ شیخ سے لے کر اس راہ کی ختم سیر تک، اپنے پیرانِ عظام کی برکتوں سے فراغت مجھے نصیب ہو چکی ہے اور اب اپنے خاتمۂ بالخیر کا متوقع ہوں کہ اللہ تعالیٰ ایمان و اسلام پر حسنِ خاتمہ نصیب فرمائے۔ اب اس فکر کے علاوہ اور کوئی فکر نہیں، لیکن ان تمام دولتوں کے حصول کے باوجود کہنا یہ ہے کہ میں مبتدیوں کی برابری کا بھی دعویٰ نہیں کر سکتا اور یہ میری شامتِ اعمال ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس کی توفیق دے کہ میں بندہ بن جاؤں، ابھی تو مجھ میں بندہ بننے کی بھی اہلیت نہیں اور سوئے خاتمہ کا خوف ہر وقت مجھے لرزاں و خوفزدہ رکھتا ہے کہ اب بھی سگ آوارہ سے بدتر ہوں۔ اللہ ہی توفیق بخشے اور اُسی پر بھروسہ بھی ہے۔ غرض وہ تمام اشغال و اذکار اور مراقبات وغیرہ جو کشف القلوب میں مذکور ہیں وہ سب فقیر آزما چکا ہے۔ اب تو لطیفۂ غیبی کا منتظر ہوں، اللہ تعالیٰ ایمان پر خاتمہ نصیب فرمائے، آمین۔

(سراج العوارف، نور: ۳۴ ص: ۱۷۷، ۱۷۸، ۷۹)

عرض: حضور یہ فرمائیں کہ حضرت خاتم الاکابر نے آپ کو اپنا جانشین کس طرح مقرر فرمایا اور رسم سجادگی کیسے ادا کی گئی؟

ارشاد: ۱۲۶۷ھ کے ربیع الاول شریف کی سترھویں شب مرشد اعلیٰ حضرت سیدنا الشاہ آل احمد عرف اچھے میاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ سے فراغت پا کر جدی و مرشدی سید

شاہ آل رسول احمدی رضی اللہ عنہ اس فقیر کو جب کہ ابھی اس کی عمر صرف بارہ سال تھی، اپنے ہمراہ اپنے سجادہ پر لائے اور مجھے حکم دیا کہ مسندِ طریقت پر چار زانو بیٹھ جاؤں، چنانچہ میں بموجب حکم وہاں بیٹھ گیا اور خود حضرت والا نے دوزانو میرے روبرو تشریف فرما کر ایک روپے نذر مرحمت فرما کر ارشاد فرمایا کہ مبارک ہو۔

یہ زمانہ میری کم سنی کا زمانہ تھا، اس لیے میں اس راز کو سمجھ نہ سکا اور وہ روپیہ اپنے کمر بند میں باندھ کر آرام کے لیے بڑے دالان میں آیا اور سو گیا۔ جب صبح ہوئی اور میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ کمر بند میں وہ روپیہ موجود نہیں۔ میں نے اپنی دادی صاحبہ سے عرض کیا کہ کل رات دادا حضور نے مجھے ایک روپیہ مکانِ سجادہ میں دیا تھا اور ساتھ ہی وہ رات والا واقعہ پورا پورا بیان کر دیا۔ دادی حضور نے میری رضاعی والدہ پر خفگی کا اظہار فرمایا اور انھیں حکم دیا کہ وہ روپیہ تلاش کریں، بسیار کوشش کے باوجود وہ روپیہ ہاتھ نہ آیا اور اس واقعہ کو بیس سال کم وبیش گذر گئے تو حضرت اقدس نے مجھے تنہائی میں وصیت فرمائی کہ اگر میرے وصال کے بعد خاندانی متوسلین تمہیں میرا جانشین بنانے کی تکلیف دیں تو انکار نہ کروں، نہ اس سے یکسوئی کا اظہار بلکہ اسے قبول کروں، بار بار یہی وصیت دہرائی۔ چنانچہ ارشاد گرامی کے مطابق ایسا ہی ظہور میں آیا اور بعینہ واقعہ ہوا اور وہ نذر والا روپیہ گم ہو گیا تھا، اُس کا اثر یہ مرتب ہوا کہ دنیاوی اموال ہاتھ آتے ہیں، لیکن جلد ہی ہاتھ سے نکل جاتے ہیں۔ گرہ میں باقی نہیں رہتے اور کبھی اموال دنیا جمع کرنے کی نہ نوبت آئی نہ اس کی احتیاج ہوئی۔ (سراج العوارف ،نور: ۵۲ ص ۱۹۸)

عرض: حضور! ذکر الٰہی کی کیفیت کیا ہونا چاہیے؟

ارشاد: ذکر الٰہی میں اس حد تک مشغول رہو کہ دوسرے تمہیں مجنون ومخبوط الحواس کہنے لگیں اور اگرچہ خیر الامور اَوْسَطُهَا کی روشنی میں تمام امور میں افراط وبہتات ناپسندیدہ امر ہے، تاہم ذکر الٰہی میں اس کی رخصت واجازت ہے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ ''ذکر الٰہی بکثرت کرو یہاں تک کہ لوگ مجنون کہیں''، یہ حدیث شریف طبرانی کی معجم کبیر اور ابن السنّی کی کتاب ''عمل الیوم واللیل'' میں بروایت معاذ بن جبل مروی ہے۔

(سراج العوارف ،ص: ۱۵۵، ۱۵۶)

عرض: حضور! اکثر ایسا دیکھا گیا ہے کہ بندہ اذکار و اشغال میں مصروف رہتا ہے، لیکن اس پر وہ احوال وارد نہیں ہوتے جن کا ورود صوفیائے کرام پر ہوتا ہے تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

ارشاد: اگر کوئی بندۂ خدا اذکار و اشغال میں مصروف رہے، لیکن اس پر وہ احوال وارد نہ ہوں جن کا ورود صوفیائے کرام پر ہوتا ہے تو اُس کو چاہیے کہ بددل نہ ہو کہ سعادت و خوش نصیبی صرف اسی پر موقوف نہیں، کمال سعادت یہ ہے کہ آدمی کا دل نور ذکر سے منور و معمور رہے، تو جو کچھ اس دنیائے فانی میں میسر نہ آسکا وہ عالم آخرت میں نصیب ہوگا، اس لیے اپنے کام میں لگا رہے اور حق تعالیٰ کے ساتھ اپنے دل کا مراقبہ اور نگہداشت باقی رکھے اس سے کبھی غافل نہ ہو، اس لیے کہ دل کا دائمی طور پر ذکر میں مشغول رہنا بارگاہ الٰہی کے عجائب و اسرار کی کنجی ہے۔

(سراج العوارف ص ۱۹۲)

عرض: حضور! وصول الی اللہ کا طریقہ کیا ہے؟

ارشاد: وصول الی اللہ یعنی حق جل مجدہٗ تک رسائی نہ ان اذکار و اشغال وغیرہ پر موقوف ہے اور نہ اس کی طرف راہیں ان پر منحصر۔ وصول الی اللہ کے طریقے بکثرت کثیرہ ہیں اور بے حساب و بے شمار ہیں چنانچہ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ **طرق الوصول الی اللہ بعدد انفاس الخلائق** یعنی اللہ تعالیٰ تک رسائی کے طریقے شمار میں تمام مخلوق کے سانسوں کے برابر ہیں (یعنی بے حد و بے شمار ہیں)، اس لیے وصول الی اللہ جس طرح اور جس طور پر میسر آئے اور اس سے دلجمعی و طمانیت قلبی نصیب ہو وہی تمہارا ذکر و شغل ہے۔ اسی کو طریق وصول جانو اور اسی پر کار بند رہو۔ اسے یوں سمجھ لو کہ اگر کسی کو یہ دولت دینی کتابوں کے مطالعے سے میسر آئے اور اس سے اُس کا باطن مطمئن ہو تو اس کے لیے یہی مطالعہ کتب ذکر و شغل ہے اور اگر کسی کو صالحین کی ہم نشینی میسر آئے تو یہی صحبت صالحین اس کے حق میں ذکر و شغل ہے، وعلیٰ ہذا القیاس۔

چنانچہ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ''اذکار و اشغال کی فضیلتیں صرف تسبیح و تہلیل میں منحصر نہیں بلکہ کسی بھی عمل خیر کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار بندہ اس کے ذاکرین میں شامل ہے''۔ میں نے یہ فائدہ عجیبیہ اپنے مرشد گرامی کی تعلیم کے مطابق تحریر کیا اور آپ نے اسی طرح

www.Qadri.info

اپنا فیضان پہنچایا اور اُس سخی دل نے اس کی اجازت دی۔

(سراج العوارف،ص:۱۶۰،۱۶۱)

عــرض: وہ کون سی نماز و تلاوت ہے کہ ذکر و شغل میں داخل اور اذکار و اشغال کے مانند تصفیہ قلب کی باعث ہے؟

ارشـاد: یہ وہ نماز و تلاوت ہے، جو حضور قلب سے عمل میں لائی جائے۔ اگر یہی دونوں چیزیں حضور دل سے ادا ہو جائیں تو کسی ذکر و شغل کی احتیاج ہی باقی نہیں رہتی۔ تزکیۂ باطن کے لیے یہی نماز و تلاوت کافی ہے اور حضور قلب نہ ہو تو نماز و تلاوت کیا، کوئی ذکر و شغل وقعت نہیں رکھتا اور نہ اس پر کوئی نتیجہ خاص مرتب ہوتا ہے۔ (سراج العوارف،ص:۱۹۲)

عــرض: حضور! تصوف اور سلوک میں کیا فرق ہے؟

ارشـاد: ان دونوں کے مابین وہی فرق ہے جو فقہ و اصولِ فقہ کے درمیان ہے، یعنی تصوف اصول فقہ کے مشابہ ہے اور سلوک فقہ کی مانند۔ تصوف میں علم شریف باطنی کے قواعد و اصول بیان ہوتے ہیں اور سلوک میں مجاہدوں اور ریاضتوں کی مدد سے اس راہ میں گامزن ہونے کے طریقے۔

عــرض: حضور! بعض صوفی نما لوگ کہتے ہیں کہ شریعت ایک الگ راستہ ہے اور طریقت ایک الگ راستہ ہے، لہٰذا ہم صوفیوں کو راہ شریعت سے کیا کام، کیوں کہ ہم تو طریقت کے راہی ہیں۔ اس بارے میں حضور کیا ارشاد فرمائیں گے؟

ارشـاد: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بارگاہِ الٰہی جل جلالہ سے دو مقامات کے حامل تھے اور گمراہوں کی رہنمائی اور ناقصوں کی تکمیل کے لیے اس دنیا میں تشریف لائے اور ان دونوں مقامات کا حق باحسن وجوہ ادا فرمایا۔ ان میں سے ایک مقام احکامِ نبوت کے ذریعے صحیح راہنمائی و تبلیغ ہے اور دوسرا مقام ولایت کی تکمیل۔ احکامِ شرعیہ کی تبلیغ سے کیا مراد ہے؟ یہ خود ہی روشن ہے۔ البتہ تکمیل ولایت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بیش از بیش محبت و چاہت مخلوق کے دلوں میں پیدا کی جائے اور مخلوق خدا کو خالق عزوجل سے قریب سے قریب تر لایا جائے۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ پہلے اسلام کی تعلیم فرما کر احکامِ شریعت پر استقامت و ثبات قدمی بخشتے،

www.Qadri.info

اس کے بعد درجہ ولایت تک پہنچاتے ۔کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں کبھی اس کا خلاف کیا یعنی کسی کو اسلام کی دولت سے مالا مال کیے بغیر یا اسے احکام شریعت کی پابندی سے مستثنیٰ قرار دے کر درجہ ولایت کی سرفرازی مرحمت فرمائی ؟ لا واللہ، نہ ہرگز ایسا ہوا اور نہ ایسا ہوسکتا تھا، لہٰذا آفتاب نصف النہار سے زیادہ روشن ہوا کہ احکامِ خداوندی کی بجا آوری، ایک امر لابُدی و ناگزیر ہے۔

اس لیے میں عرض کرتا ہوں کہ شریعت اگر درخت ہے تو طریقت اُس کا پھل اور کوئی پھل (کہ کارآمد ہو) بغیر درخت کے نہیں پایا جاسکتا۔ اگرچہ اس کا عکس ممکن ہے۔ گو کہ کمیاب ہو بلکہ بہت سے ایسے درخت ہیں جن پر پھل نہیں آتے، لیکن بایں معنی شجریت سے خالی نہیں ہو جاتے۔ آگاہ و خبردار ہو کہ جب تک پھل والے درخت کی پرورش ونگہداشت نہ ہوگی وہ پھل نہ لائیں گے یہی حال انسان کا ہے۔ (سراج العوارف ص ۸۲، ۸۳)

عــــرض: حضور! بعض لوگ مولانا عبدالقادر بدایونی کی مخالفت پر آمادہ ہیں، اس سلسلے میں حضور کیا ارشاد فرماتے ہیں؟

ارشــاد: اب مخالفت استاذی مولانا عبدالقادر صاحب بر بنائے امورات دنیاوی نہیں رہی اور جب بسبب اختلاف مذہب ہے، لہٰذا ہم بھی اس جماعت سے جو مولانا عبدالقادر سے نہ ملے، نہ ملیں گے اور جس محفل میں حضرت مولانا نہ جائیں گے، ہم بھی شریک نہ ہوں گے۔

(تذکرۂ نوری، ص: ۱۲۵)

عــــرض: حضور! مولانا عبدالقادر بدایونی پر اس خصوصی نظر التفات کی کیا وجہ ہے؟

ارشــاد: س کی چند وجوہ ہیں، اولاً تو یہ کہ میرے مرشد گرامی حضرت خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ کا ارشاد ہے کہ علوم ظاہر میں مولانا عبدالقادر سے مشورہ رکھیے، ہم کو ان پر اعتماد ہے، دوسرے یہ کہ ابتدا سے تا ایں وقت ہمارے درمیان ربط ومحبت، تیسرے یہ کہ مولانا عبدالقادر بدایونی حضرت مولانا مولوی عین الحق عبدالمجید بدایونی کے جانشین ہیں۔ انہی وجوہات کی بنیاد پر میں ان پر اعتماد کرتا ہوں اور اکثر کہتا ہوں کہ ہمارے دور میں سنیت کی شناخت مولانا عبدالقادر بدایونی کی محبت ہے، ہرگز کوئی بدمذہب ان سے محبت نہ رکھے گا، لہٰذا

خود بھی ان کی تعظیم کرتا ہوں اور احباب کو بھی تعظیم کی ہدایت کرتا ہوں۔ (تذکرۂ نوری، ص:۱۲۹)

عرض: حضور آپ نے ارشاد فرمایا کہ مولانا عبدالقادر بدایونی سے مشورہ کرنے اور ان پر اعتماد کرنے کا حکم حضرت خاتم الاکابر نے آپ کو دیا تھا، اس سلسلے میں کوئی خاص واقعہ پیش آیا ہو تو ارشاد فرمائیں؟

ارشاد: ہاں ایک روز عصر و مغرب کے مابین حضرت مرشدِ برحق، خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول احمدی کی خدمت میں حاضر تھا، انہی ایام میں میں نے ایک کتاب ترتیب دی تھی جس میں جمل و صفین اور جنگ نہروان میں عملاً حصہ لینے والوں کے بارے میں اہلِ سنت و جماعت کے عقائد کا ذکر تھا۔ میں نے یہ کتاب اصلاح کی غرض سے اُن کی نظرِ کیمیا اثر کے سامنے رکھی۔ فرمایا 'پڑھ کر سناؤ'، میں نے قدرے پڑھ کر سنایا۔ ارشاد فرمایا برخوردار مولوی عبدالقادر بدایونی سلمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس رسالے کو مطالعہ کیا ہے یا نہیں؟ میں نے عرض کیا کہ ساری بحث کا استنباط میں نے مولوی صاحب مذکور ہی سے کیا ہے۔ فرمایا: ''بس تو پھر یہی کافی ہے، ان کا علم تازہ ہے اور ہمیں اس ادھیڑ عمری میں اتنی فرصت کہاں کہ کسی کتاب کی اصلاح یا بین السطور کی طرف متوجہ ہوں۔'' (سراج العوارف، نور: ۲۰ ص: ۶۹)

عرض: حضور! آج ہم علم دین کے دعویدار بنتے ہیں اور خود اپنے علم پر عمل نہیں کرتے، اس سلسلے میں کچھ ارشاد فرمائیں؟

ارشاد: ایک روز امام ابوالحسن نوری قدس سرہ نے حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی کو برسر منبر دیکھا تو ارشاد فرمایا ''اے ابوالقاسم! اللہ تعالیٰ کسی عالم دین کے علم سے اس وقت تک راضی نہیں ہوتا جب تک وہ اسے اس کے علم میں مصروف اور اس کے مطابق عمل میں مشغول نہ کردے، لہٰذا اگر تم اپنے علم کے مطابق عمل کرتے ہو تو اس مقام پر مضبوطی سے قائم رہو، ورنہ اس منبر نبوی سے نیچے اتر آؤ۔'' حضرت جنید بغدادی اس بات کو سن کر فوراً ہی منبر سے نیچے اتر آئے اور ایک مہینے تک کسی سے بات نہ کی اور گھر سے باہر تشریف نہ لائے، اس مدت کے گزر جانے کے بعد آپ گھر سے باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ ''اگر مجھے یہ حدیث نہ پہنچی ہوتی کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ '' آخر زمانے میں قوم کے پیش رو اور

امام سب سے زیادہ بے وقعت اور خوار ہوں گے تو میں ہرگز تم سے بات نہ کرتا۔‘‘

صوفیائے کرام نے فرمایا ہے کہ یہ حضرت جنید قدس سرہ جیسی شخصیت کا اپنی کوتاہیوں اور قصور کا اعتراف ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ میں اگر چہ حقوق علم کی مراعات و پاسداری میں راست رو نہیں مگر اپنی کوتاہیوں اور خطا کاریوں کے اقرار واعتراف میں راہِ راست پر ہوں۔

(سراج العوارف،ص:۲۴۶،۲۴۷)

عرض: حضور! آپ کے مرشد گرامی حضرت خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول مارہروی نے آپ کو چشم و چراغ خاندان برکاتیہ کا خطاب عطا فرمایا تھا، اب آپ اپنے خلفا و مستفدین میں کس کو یہ خطاب دینا پسند فرمائیں گے؟

ارشاد: ہاں! یہ خطاب حضرت صاحب رضی اللہ عنہ نے مجھ کو دیا تھا، باوجودیکہ میں اس کے لائق نہ تھا تحریر فرمایا کرتے تھے، اب میں مختلف امراض میں ایسا مبتلا ہو گیا ہوں کہ

اگر ماند شب ماند شب دیگر نمی ماند

کا مصداق ہو گیا ہوں اور مولانا عبدالقادر بدایونی صاحب بھی اٹھ گئے اور جگہ خالی کر گئے، اب سوائے میرے شاگرد و خلیفہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی سلمہ اللہ تعالیٰ کے حامی کار اس خاندان عالی شان کا خلفا میں کوئی نہ رہا، لہٰذا میں نے بایمائے غیبی بطیب خاطر بلا جبر واکراہ یہ خطاب ان کو بخش دیا۔ (خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا، ج:۱،ص:۱۲۹)

عرض: حضور! آخر میں ’’جام نور‘‘ کے تمام قارئین کو ایسی نصیحت فرمائیں جو ہماری دنیا اور دین دونوں کو سنوار دے؟

ارشاد: ایمان واسلام کو قبول کرنے کے بعد مذہب اہل سنت و جماعت پر ثابت قدم رہیں اور حنفی مسلک و قادری مشرب کے مطابق اپنا ظاہر و باطن آراستہ و پیراستہ رکھیں۔ یعنی بالفاظ دیگر اپنا ظاہر شریعتِ غرّاء (روشن و تابناک) کے موافق اور باطن طریقتِ عالیہ کے مطابق بنائیں۔ شریعت میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد رہیں اور طریقت میں حضور پُرنور حضرت غوث اعظم جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متبع و فرماں بردار بنیں۔ تمام احکام اسلام کی تعمیل و پیروی اپنے اوپر فرض جانیں، علما، فقرا کا ادب ملحوظ رکھیں۔

www.Qadri.info

نماز پنج گانہ کے لیے مسجد کی حاضری اور نماز باجماعت اختیار کریں-خصوصاً والدین اور اپنے شیخ شریقت اور علوم دینیہ کے اساتذہ اور ان کی اولاد کی خدمت گزاری میں کوشش کرتے رہیں-اپنے شیخ طریقت کو اپنے زمانے کے تمام مشائخ سے اپنے حق میں برتر و بالا جانیں، اپنے آپ کو تمام مخلوقاتِ الٰہی سے ذلیل و بے قدر سمجھیں اور ہمیشہ ہمیشہ تواضع پسند اور منکسر المزاج رہیں-(سراج العوارف ص ۲۷،۲۸)

(ماہ نامہ جام نور، دہلی، دسمبر ۲۰۰۸ء)

مصادر

(۱) سراج العوارف فی الوصایا والمعارف: شاہ ابوالحسین احمد نوری، اردو ترجمہ موسوم بہ شریعت وطریقت: مفتی محمد خلیل خاں برکاتی، مکتبہ جام نور دہلی-

(۲) تذکرۂ نوری: غلام شبر برکاتی (مرید وخلیفۂ خاص حضرت نوری میاں) سنی دارالاشاعت پاکستان، ۱۹۶۸ء

(۳) خطوط مشاہیر بنام امام احمد رضا: غلام جابر شمس مصباحی، برکات رضا فاؤنڈیشن ممبئی، ۲۰۰۷ء

❑❑❑

الحاد سے ایمان تک

ڈاکٹر جیفرے لینگ(Jeffery Lang) ایک امریکی نومسلم ہیں، ان کی پیدائش ایک کیتھولک عیسائی گھرانے میں ہوئی تھی، علم کی وسعت اور شعور کی پختگی کے ساتھ ساتھ انہیں یہ احساس ہوتا گیا کہ خدا اور ایمان کے بارے میں ان کے ذہن میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کے اطمینان بخش جوابات کے لیے ان کے مذہبی اعتقادات کافی نہیں ہیں، اس طرح تلاش حق کے سفر کا آغاز ہوا- اس سفر کے ابتدائی مرحلوں میں وہ تشکک سے گزرتے ہوئے الحاد وانکار تک جا پہنچے، شروع میں انہیں اپنی اس الحادی کیفیت پر تھوڑا اطمینان ہوا، مگر بہت جلد انہیں احساس ہوگیا کہ یہ ان کی حقیقی منزل نہیں ہے- انہوں نے اپنی تلاش وجستجو کا سفر جاری رکھا- اتفاق سے ان کی ملاقات اپنی کلاس کے ایک مسلمان طالب علم سے ہوئی، جس کے ذریعے انہیں اسلام کے بارے میں جاننے کا موقع ملا اور انہوں نے قرآن عظیم کا مطالعہ شروع کردیا اور پھر آخر انہیں اپنی وہ حقیقی منزل مل ہی گئی جس کے لیے وہ تشکک والحاد کی وادیوں میں سرگرداں رہے تھے، ان کی تلاش و جستجو کا یہ سفر ان کے قبول اسلام پر ختم ہوتا ہے- وہ ۱۹۸۲ء میں مشرف بہ اسلام ہوئے- اس کے بعد انہوں نے اسلام کا گہرا مطالعہ کیا اور اسلامی موضوعات پر کئی کتابیں تصنیف کیں- ان کی پہلی کتاب Struggling to Surrender ۱۹۹۴ء میں شائع ہوئی جس میں انہوں نے اپنی تلاش وجستجو کی سرگزشت تحریر کی ہے- شام کے ایک فاضل ڈاکٹر منذر العبسی نے اس کتاب کا عربی ترجمہ ''الصراع

من اجل الایمان'' کے عنوان سے کیا ہے- اس کے ایک باب کا تلخیص و ترجمہ پیش خدمت ہے-

ایک خواب:

وہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا، جس میں ایک قالین کے علاوہ اور کوئی فرنیچر وغیرہ نہیں تھا- یہ قالین سفید اور لال رنگ کی تھی جس سے کمرے کا پورا فرش ڈھکا ہوا تھا۔ اس کمرے کی بھوری سفید دیواریں بھی آرائش و زیبائش کے کسی بھی سامان سے عاری تھیں۔ ہمارے بالکل سامنے ایک چھوٹی سی کھڑکی تھی جو کسی تہہ خانے کے روشن دان سے مشابہ تھی۔ روشنی چھن کر اس کھڑکی سے کمرے میں آ رہی تھی، ہم سب صف در صف تھے، میں تیسری صف میں تھا- ہم سب مرد تھے کوئی عورت اس کمرے میں نہیں تھی۔ ہم سب اپنی ایڑیوں کے بل بیٹھے تھے اور ہمارا رخ کھڑکی کی طرف تھا- اس ماحول میں کچھ اجنبیت اور بیگانگی سی محسوس کر رہا تھا، کیوں کہ وہاں موجود لوگوں میں میں کسی کو نہیں جانتا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے میں کسی دوسرے ملک میں ہوں۔ ہم سب ایک ساتھ جھکے اور اب ہمارا منھ زمین کی طرف تھا۔ فضا میں مکمل سکوت اور خاموشی طاری تھی، ایسا لگ رہا تھا جیسے (کسی ٹی وی پروگرام کے دوران) آواز بالکل بند کر دی گئی ہو۔ کچھ دیر بعد ہم اٹھے اور جس طرح پہلے بیٹھے تھے اسی طرح پھر ایڑیوں پر بیٹھ گئے۔ میں نے آگے کی طرف دیکھا تو ایسا لگا کہ وہاں ایک آدمی موجود ہے، جو مجھ سے کچھ دور بائیں جانب ٹھیک کھڑکی کے نیچے ہے۔ یہ شخص صفوں کے آگے تنہا ہے، اس کی صرف پیٹھ مجھے نظر آ رہی تھی۔ یہ آدمی ایک عبا (چغہ) پہنے ہوئے تھا، اور اس کے سر پر سرخ ڈیزائن دار رومال تھا۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی- یہ مختصر سا خواب میں نے اگلے دس برسوں میں کئی مرتبہ دیکھا- یہ ہمیشہ اتنا ہی مختصر اور بالکل ایسا ہی ہوا کرتا تھا۔ شروع میں تو میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ آخر اس خواب کا کیا مطلب ہے؟ مگر بعد میں مجھے یقین ہو گیا کہ ہو نہ ہو اس خواب کا تعلق کسی مذہبی معاملے سے ہے۔ ایک دو مرتبہ میں نے اپنے قریبی لوگوں سے اس خواب کا ذکر کیا مگر پھر میں نے اس پر غور کرنا چھوڑ دیا، اس لیے کہ اس خواب سے مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوتی تھی بلکہ اگر سچ پوچھئے تو اس خواب سے جب بھی بیدار ہوتا تھا مجھے ایک عجیب قسم کا سکون اور اطمینان محسوس ہوتا تھا-

الحاد کی طرف پہلا قدم:

یہ پہلے خواب سے کچھ پہلے یا کچھ بعد کا واقعہ ہے کہ مجھے مذہبیات کی کلاس سے نکال دیا گیا- اس تعلیمی سیشن سے پہلے مجھے اپنے مذہبی عقائد کے بارے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں تھا- کلیسہ سے میرا باقاعدہ بپتسمہ ہوا تھا- ابتداً مجھے ایک مذہبی مدرسے میں داخل کیا گیا تھا اور وہاں سے میرے کیتھولک ہونے کی تصدیق کر دی گئی تھی- کم از کم جنوبی کین کٹیکٹ (Connecticut) میں یہی ایک سچا مذہب تھا- چند ایک یہودیوں کے علاوہ باقی میرے سارے احباب، پڑوسی، رشتہ دار اور واقف کار سبھی کیتھولک تھے، پتہ نہیں کیا بات تھی کہ بات سے بات پیدا ہوتی چلی جا رہی تھی اور ایک واقعہ دوسرے واقعہ کو جنم دے رہا تھا- نوٹرنڈم ہائی اسکول میں میرے آخری سال کا آغاز تھا، جب ہمارے دینیات کے استاذ نے یہ فیصلہ کیا کہ ہمیں اس بات کا یقین دلائیں کہ خدا موجود ہے- مذکورہ استاذ خود ایک ماہر اور منجھے ہوئے عالم (پادری) تھے، انہوں نے اسباب کو بنیاد بنا کر دلائل کا آغاز کیا- میں چوں کہ ریاضی کا طالب علم تھا اور ریاضیاتی طریقۂ استدلال کا گرویدہ، اس لیے مجھے ریاضی کی دلیل سے قائل کرنا زیادہ آسان ہوتا، بہر حال میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ استاذ محترم کے دلائل کو چیلنج کروں گا-

میرا نظریہ تھا کہ صرف کسی چیز کی وضاحت اور تشریح خود کوئی ثبوت نہیں ہے، یعنی کائنات اور نظام کائنات کی توضیح و تشریح، اس کے نادیدہ خالق کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے برھان کافی نہیں ہے، کیوں کہ اس ایمانی نقطۂ نظر کے علاوہ نظام کائنات کی دوسری تشریحات بھی ہیں (یہاں مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ یہ متبادل تشریحات ابھی ناقص ہیں)، مثلاً وہ تشریحات جو ہم سائنس کے ذریعے سیکھتے ہیں- اس وقت جب کہ مذاہب اپنے مجادلوں اور مناظروں میں مصروف ہیں، سائنس مسلسل آگے بڑھ رہی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ وہ عنقریب مکمل حل تک پہنچ جائے گی- صانع اور خالق کے وجود پر مابعد الطبیعاتی استدلال میری نظر میں اس لیے بھی ناکافی ہے کہ ہم یہ بھی تو کہہ سکتے ہیں کہ خدا پر پختہ ایمان واعتقاد کی جڑیں خوف اور جہالت سے جا کر ملتی ہیں، اس لیے جو شخص علم کے ذریعے خود کو جتنا زیادہ محفوظ کرے گا، مذہب سے اس کا رشتہ اتنا ہی کمزور ہوتا چلا جائے گا- یہی معاملہ آج کے جدید انسانی ذہن کو درپیش ہے-

آئندہ کچھ ہفتوں تک ہم الگ الگ ٹولیاں بنا کر اس مسئلے پر گفتگو اور بحث ومباحثہ کرتے رہے، اس بحث ومباحثہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے اپنے بہت سے ساتھیوں کو اپنا ہم خیال بنالیا- جب ہم ایک بہت ہی نازک موڑ پر پہنچ گئے تو ہمارے پادری استاذ نے مجھے اور میرے ہم خیال طلبہ کو حکم دیا کہ ہم فوراً کلاس سے نکل جائیں اور اس وقت تک دوبارہ کلاس میں آنے کی جرأت نہ کریں جب تک کہ ہمارا نظریہ تبدیل نہ ہو گیا ہو، ورنہ آئندہ امتحان میں ہمیں فیل کردیا جائے گا- کئی راتیں گزر گئیں، ایک رات کھانے پر مجھے خیال آیا کہ اپنے والدین کو اس بات سے آگاہ کردوں کہ اگلے امتحان میں مجھے کیوں فیل کیا جانے والا ہے- جب میں نے انہیں یہ بات بتائی تو یہ خبر میری والدہ پر بجلی بن کر گری اور میرے والد بہت ناراض ہوئے اور مجھ سے چیخ کر کہا کہ ''یہ کس طرح ممکن ہے کہ تم خدا پر ایمان نہ لاؤ'' پھر انہوں نے میرے بارے میں پیشین گوئی کی، جس کے بارے میں انہیں یقین تھا کہ ضرور پوری ہوگی- انہوں نے پیشین گوئی کرتے ہوئے کہا کہ ''جیفرے! خدا تمہیں گھٹنوں کے بل جھکا دے گا اور تمہیں اتنا نیچا لے جائے گا کہ تم سوچو گے کہ کاش میں پیدا ہی نہیں ہوا ہوتا-'' لیکن میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر یہ سب کیوں ہوگا؟ کیا صرف اس لیے کہ میں اپنے سوالات کا جواب نہیں دے پا رہا تھا؟ کیا یہ اس لیے ہوگا کہ میرے ذہن میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات ایسے تھے جن کے ازالے کے لیے میرے مذہبی معتقدات کافی نہیں تھے؟

شکوک وشبہات سے حقیقی الحاد تک:

اس طرح مجھے اپنے خاندان، دوستوں اور ہم جماعت ساتھیوں کی نظر میں ایک ملحد اور منکر خدا تسلیم کرلیا گیا، مگر ایک عجیب وغریب بات یہ تھی کہ اس مرحلے میں بھی میں نے خدا پر ایمان کو ترک نہیں کیا تھا، یعنی اگرچہ میں دوسروں کی نظر میں ملحد تھا، لیکن خود اپنے شعور واحساس میں میں ملحد نہیں تھا، بس بات صرف اتنی تھی کہ خدا کے وجود کا انکار محض بحث برائے بحث کی حد تک تھا، میں نے یہ کبھی نہیں کہا تھا کہ میں منکر خدا ہوں- اتنا ضرور تھا کہ خدا کے وجود پر جو دلائل ہماری دینیات کی کلاس میں دیے گئے تھے، وہ غیر منطقی اور ناکافی تھے- بہر حال مجھے ملحد کا لقب دے دیا گیا تھا اور مجھے اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں تھا، کیوں کہ اس الجھن میں بڑا گہرا اثر تھا- پھر اس

کے بعد یہ مرحلہ آیا کہ میں کوئی بات وثوق سے نہیں کہہ سکتا تھا- مجھے احساس ہونے لگا کہ اب میری کیفیت یہ ہوگئی ہے کہ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ میں فلاں چیز پر ایمان رکھتا ہوں یا نہیں؟ اگر رکھتا ہوں تو کیوں رکھتا ہوں؟ اگلے چند ماہ تک میں مسلسل اپنے ذہن میں خدا کے وجود کو چیلنج کرتا رہا- یہ خیال کہ ہم میں سے چند لوگوں کو چھوڑ کر اللہ باقی سب لوگوں کو سزا دے گا، بڑا خوف اور لرزا دینے والا تھا- یہ خوف ایک مومن خدا پر ہمیشہ طاری رہتا تھا، برخلاف اس کے کہ ہم سرے سے خدا کے وجود کا انکار کردیں- میری نظر میں پہلے کے مقابلے میں دوسرا خیال کم پریشان کن ہے- اس وقت میری عمر صرف ۱۸/ برس کی تھی جب میں واقعی ایک ملحد اور منکر خدا ہوگیا تھا-

زمانۂ الحاد میں ذہنی اور قلبی کیفیات:

حقیقی ملحد ہونے کے بعد شروع شروع میں تو میں نے خود کو بڑا آزاد محسوس کیا، اس لیے کہ میری اس الحادی کیفیت نے مجھے اس خوف سے آزاد کردیا تھا کہ کوئی ذات میرے قلب وذہن، میرے خیالات اور واہموں تک پہنچ کر مجھے ملامت کرسکتی ہے- اب میں ان سارے بکھیڑوں سے آزاد تھا اور میں اپنی زندگی صرف اپنی خاطر آزادی کے ساتھ گزار سکتا تھا۔ اب مجھے کسی ماورا طبیعت اور مافوق الفطرت طاقت یا قوت سے ڈرنے یا فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں تھی ۔ مجھے اس بات پر کسی حد تک فخر تھا کہ میں خود اپنے وجود اور اپنی شخصیت کا ذمہ دار ہوں اور خود اپنی ذات کو کنٹرول کررہا تھا- اب میری خواہشات خود میری مرضی کی تابع تھیں، جس میں کسی دوسری طاقت یا ہستی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اب میں خود اپنے جہان رنگ وبو کا موجد تھا اور اپنے عالم خیال کا خود ہی مرکز تھا اور اب اپنے لیے صحیح اور غلط، اچھائی اور برائی کی سرحدیں خود مجھے متعین کرنی تھیں، گویا اب خود میں اپنی کائنات کا مجازی خدا تھا، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ میں مفاد پرست، حریص اور مطلق العنان ہوگیا تھا، بلکہ اس کے برعکس اب میں بہت محتاط تھا اور کسی بھی ایسے کام سے گریز کرتا تھا جو اخلاقیات کے خلاف ہو، لیکن میری اس احتیاط کا عامل یہ خیال نہیں تھا کہ مجھے مستقبل میں کوئی اجر وثواب ملے گا بلکہ زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے کہ میں انسانیت سے محبت کے جذبے کے تحت ایسا کرتا تھا، کیوں کہ بہرحال میں محبت پر ایمان رکھتا

www.Qadri.info

تھا، اس لیے کہ محبت انسان کا ایک نازک جذبہ ہے اور اس لیے بھی کہ محبت ایک زندہ حقیقت ہے اور اس کے ذریعے سعادتوں سے بہرہ ور ہوا جا سکتا ہے- ہم محبت کے جذبے کو بہت اونچا مقام دیتے ہیں، خواہ یہ کسی ارتقائی عمل کی وجہ سے ہو یا صرف اتفاقاً ہو یا اس کا کوئی ماحولیاتی یا حیاتیاتی سبب ہو، یہ ساری باتیں ہماری نظر میں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتیں- اگر کوئی محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر مجھے کچھ دیتا ہے تو اس کا بدلہ اور اجر یقینا اسی دنیا میں بلا تاخیر مل جاتا ہے-

ملحد اور مومن کی کیفیات میں فرق:

مجھے بہت جلد یہ احساس ہونے لگا تھا کہ ملحد سے زیادہ تنہائی اور اکیلے پن سے کوئی دوسرا واقف نہیں- ایک عام آدمی جب تنہائی محسوس کرتا ہے تو وہ روح کی گہرائیوں سے کسی ایسی ہستی کو پکار سکتا ہے جس کو وہ جانتا ہے اور اس پر ایمان لا چکا ہوتا ہے اور اس ہستی کی طرف سے جواب آنے پر اس کو سمجھ سکتا ہے اور اس کا ادراک کر سکتا ہے، لیکن ایک ملحد اس تکلف بلکہ اس نعمت کو خود اجازت نہیں دے سکتا، کیوں کہ ملحد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس خواہش کو کچل دے اور خود اس خواہش کے لغو و بے ہودہ ہونے کا یقین دلائے، اس لیے کہ وہ تو ایسی کسی ہستی پر ایمان نہیں رکھتا چہ جائے کہ اس سے جواب ملنے کی امید کرے، کیوں کہ ایک ملحد خود کو اپنی کائنات کا خدائے مجازی قرار دے چکا ہوتا ہے، لیکن ملحد کی یہ کائنات بہت چھوٹی سی ہوتی ہے- اس کی سرحدیں خود اس کے احساسات و ادراکات متعین کرتے ہیں اور یہ سرحدیں لگاتار سکڑتی رہتی ہیں- ایک مومن آدمی اپنے احساسات و ادراکات سے ماورا چیزوں پر ایمان لاتا ہے، جب کہ ایک ملحد ایسی کسی بھی چیز پر یقین نہیں رکھتا، اس کے نزدیک کسی چیز کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی، یہاں تک کہ سچ بھی اس کے نزدیک سچ نہیں ہوتا- ایک ملحد کے نزدیک محبت و رحمت، عدل و انصاف وغیرہ کے معیار اور مفہوم اس کی اپنی خواہشات اور اس کے اپنے تجربات کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں، جس کے نتیجے میں وہ اور اس کے اقربا عدم استحکام کا شکار ہو جاتے ہیں- ایک ملحد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی ذات میں مگن اور منہمک رہے اور اپنی خودی اور اپنی پندار کی حفاظت کرے اور خود کو متوازن رکھنے کی کوششیں کرتا رہے، اسی درمیان اس کو خارجی اثرات اور بیرونی طاقتوں کے حملوں سے لڑنا اور ان سے دفاع کرنا ہوتا ہے اور وہ انسانی رشتے اور دنیاوی تعلقات

جو اس کے محدود جہانِ خیال سے برسرِ پیکار ہوتے ہیں اور اس کے وجود میں بے جا مداخلت کرتے ہیں، اس کو ان سے بھی نپٹنا ہوتا ہے، لیکن وہ ان سب سے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ در اصل ایک اہم بات یہ ہے کہ ملحد کی تسلی کسی شئ سے نہیں ہوتی، کیوں کہ اس کا مذہب یا دھرم تو یہ ہوتا ہے کہ کامل و اکمل نام کی کوئی شئ نہیں ہوتی۔ میں نے آزمائے ہوئے معاشرتی طریقوں کی تقلید کی، مگر اس لیے نہیں کہ میں انہیں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتا تھا بلکہ صرف اس لیے کہ وہ میرے نزدیک قابل عمل اور مفید تھے۔

عملی زندگی میں پہلا قدم:

میں نے اپنا Ph.D کا مقالہ یونیورسٹی میں جمع کر دیا تھا، اس کے زبانی امتحان (وائیوا) کے بعد میں کمرۂ امتحان کے باہر نتیجے کا بے چینی سے منتظر تھا۔ کمیٹی کوئی فیصلہ صادر کرنے والی تھی۔ میں نے اپنے تحقیقی مقالے میں پانچ سال تک بڑی محنت و مشقت کی تھی اور بڑی عرق ریزی سے یہ مقالہ تیار کیا تھا اور اب میں تھکن محسوس کر رہا تھا۔ اچانک کمرہ کا دروازہ کھلا اور کمیٹی کے ایک ممبر نے نمودار ہو کر بڑی گرم جوشی سے کہا ''ڈاکٹر لینگ'' مبارک ہو، تم کامیاب ہو گئے۔ اس عظیم خوش خبری کے بعد جب میں اپنے کمرے کی طرف واپس لوٹ رہا تھا تو میری ساری خوشی کافور ہو چکی تھی، میں نے خود کو جتنا سنبھالنا چاہا، افسردگی اور مایوسی نے مجھے اتنا ہی گھیر لیا۔ مجھے یاد آیا کہ ہم کرسمس پر خود کو بچہ محسوس کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن ہم اس کوشش میں ناکام ہو جاتے ہیں کہ ہمارے بچپن والے احساسات دوبارہ پلٹ کر آجائیں، لیکن ایسا نہیں ہوتا کیوں کہ اب ہم بڑے ہو چکے ہوتے ہیں اور بچپن کبھی لوٹ کر واپس نہیں آتا۔ مجھے آج احساس ہوا کہ اب میں بچہ نہیں رہا۔ ایسا لگا کہ شاید زندگی ٹی وی پر نشر ہونے والے ان اشتہارات کی طرح ہے جن کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ ہم زندگی میں بہت چھوٹی اور بے قدر و قیمت چیزوں کے لیے اس قدر مایوس اور افسردہ ہو جاتے ہیں۔ در اصل جب یہ سوچتے ہیں کہ ہماری کوششوں کی حقیقی قدر و منزلت ہے تو گویا ہم خود فریبی کا شکار ہوتے ہیں۔ درحقیقت ہم اس جانور کی طرح ہیں جو مسلسل زندہ رہنے کی جد و جہد میں لگا رہتا ہے، کیا یہی سب کچھ ہے جس کے لیے ہمیں زندگی دی گئی ہے؟ ایک مصنوعی فتح کے بعد دوسری مصنوعی فتح؟ میں نے فلسفۂ حیات پر از سرِ نو

www.Qadri.info

غور وفکر کرنا شروع کر دیا- میں ۱۹۸۱ء میں یونیورسٹی کی تعلیم سے فارغ ہوا اور ایک سیمسٹر کے لیے بطور انسٹرکٹر یونیورسٹی میں مقیم رہا تا کہ کسی مستقل ملازمت کی تلاش کر سکوں-

مختلف مذاہب کا مطالعہ اور اس کا نتیجہ:

اس ایک سال میں مجھے مختلف مذاہب کے مطالعے کا شوق پیدا ہوا۔ اب میں نے بہت سے غیر ملکی لوگوں کو اپنا دوست بنانا شروع کر دیا تھا- یہ سب کے سب مختلف مذہبوں کے ماننے والے تھے- ان میں مصر، ہندوستان، پاکستان، جاپان، اور چین سبھی جگہ کے لوگ تھے۔ ان لوگوں سے تعلقات اور ان کے مذاہب سے واقفیت کے بعد مجھے توحید کے خلاف ایک اور دلیل ہاتھ آ گئی۔ میں مختلف دینی نظاموں کو کسی نہ کسی سطح پر متحد دیکھ کر اس اتحاد کو توحید کے خلاف ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرتا تھا۔ میرے خیال میں تمام مذاہب کے بنیادی عقائد میں کسی نہ کسی حد تک یگانگت اور مشابہت تھی، صرف مراسم عبادت اور معبود مختلف تھے، لیکن پھر کچھ یوں ہوا کہ یہی اتحاد و یگانگت مجھے کسی ماورائی طاقت کے وجود کی طرف اشارہ کرتی ہوئی نظر آئی۔ مجھے خیال آیا کہ ممکن ہے کوئی آفاقی اور عالم گیر طاقت یا قوت یا روح ہو جو انسان کے ذہن و دماغ پر چھا گئی ہو۔ جب انسان کو اس آفاقی اور مافوق الفطرت طاقت کا احساس اور ادراک ہوا تو اس نے اس کی پرستش شروع کر دی ہو اور ظاہر ہے کہ انسان جس ماحول اور جس تمدن و تہذیب میں نشو نما پاتا ہے، اس نے اسی ماحول اور اسی تمدن سے اپنے جذبۂ عبودیت اور شوق عبادت کے اظہار کے لیے رموز و اشارات لیے ہوں اور اختلاف تمدن کا اثر طریقۂ عبادت کے اختلاف پر پڑا ہو- میں نے سوچا کہ مجھے اپنے بنیادی دینی عقائد کی طرف لوٹ جانا چاہیے-

دین کی طرف واپسی کی ناکام کوشش:

گرمی کی چھٹیوں میں میں واپس اپنے گھر کونیلٹکٹ آیا تا کہ اپنی چھ ہفتے کی چھٹی اپنے خاندان کے ساتھ گزار سکوں- جب میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ میں اتوار کے دن ہفتہ وار عبادت میں ان کے ساتھ کلیسا جانا چاہتا ہوں تو ان کو یہ سن کر بہت مسرت ہوئی- اگرچہ ان کو میری اس خواہش پر حیرت نہیں ہوئی، کیوں کہ گزشتہ کچھ ماہ کے میرے خطوط اور ٹیلی فون رابطوں میں انہوں نے اس بات کے اشارات محسوس کر لیے تھے کہ میں ایک بار پھر حقیقت کی تلاش و

جستجو میں سرگرداں ہوں۔ بہر حال میں ان کے ساتھ کلیسا گیا اور سب سے پچھلی نشست اختیار کی- میرے والد بھی ہمیشہ پچھلی نشست پر ہی بیٹھا کرتے تھے- میں نے پوری توجہ سے پادری کی تقریر سننا شروع کی، لیکن مجھے اندازہ ہوا کہ جیسے پادری کسی اور شخص سے گفتگو کر رہا ہو، یہ تقریر میرے لیے نہیں تھی۔ یہ تقریر تو ان لوگوں کے لیے تھی جو پہلے سے ایمان والے ہوں اور میں ابھی اس منزل سے بہت دور تھا- مذہبی مراسم کی ادائیگی کے بعد جب ہم باہر نکل رہے تھے تو میرے والدین نے میری پریشانی کو محسوس کرتے ہوئے مجھے دلاسا دینے کی کوشش کی اور اپنی کچھ سابقہ مذہبی اور روحانی تجربات مجھے سنائے- مجھے اندازہ ہوا کہ شاید یہ دونوں میری مدد کرنا چاہتے ہیں-اس کے بعد میں لگا تار اگلے تین اتوار ان کے ساتھ کلیسا گیا، ہر مرتبہ پادری کا خطبہ توجہ سے سننے کی کوشش کی، لیکن ہر مرتبہ میرا وہی تاثر رہا، جو پہلی مرتبہ قائم ہو گیا تھا-

جب چوتھا اتوار آیا تو میں نے ایک فیصلہ کر لیا تھا، جب میری والدہ مجھے اٹھانے کے لیے آئیں تا کہ مجھے اپنے ساتھ کلیسا لے چلیں تو میں اپنے اندر اتنی ہمت نہیں جٹا پا رہا تھا کہ ان سے کہہ دوں کہ آج میں ان کے ساتھ کلیسا نہیں جاؤں گا، بلکہ میں ان کا سامنا بھی نہیں کر پا رہا تھا جب انہوں نے مجھے اٹھایا تو میں نے کروٹ بدلی اور ان کی طرف سے منھ پھیر کر کہا، ماں! یہ کچھ میرے لیے نہیں ہے- یہ سن کر وہ خاموش کھڑی رہیں، شاید سوچ رہی ہوں کہ مجھے کلیسا چلنے پر کس طرح آمادہ کیا جائے- غالباً وہ کہنا چاہتی تھیں کہ بیٹا! کلیسا کو کچھ وقت اور دو، اگر تم سمجھتے ہو کہ صرف تین اتوار کی حاضری کسی کو موقف بنانے کے لیے کافی ہے تو تمہاری بھول ہے- مگر انہوں نے ایک طویل خاموشی کے بعد صرف اتنا کہا کہ ''ٹھیک ہے بیٹا'' ان کا یہ جملہ حزن ویاس میں ڈوبا ہوا تھا- ان کا لہجہ ماں کی ممتا میں ڈوبا ہوا تھا- وہ ایک ایسی ماں کی طرح تھیں جو اپنے بیٹے کی پریشانی سے واقف ہو اور اس کی کچھ مدد کرنا چاہتی ہو لیکن چاہ کر بھی وہ اس کی مدد کرنے کی استطاعت نہ رکھتی ہو۔ میرے دل میں ایک ہوک سی اٹھی ۔ بے ساختہ میرے دل نے چاہا کہ اٹھوں اور ماں کو گلے سے لگا لوں اور ان کا دل توڑنے کی معافی مانگ لوں، لیکن میں اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ کر سکا۔ وہ کچھ دیر میرے پلنگ کے برابر کھڑی رہیں، پھر مجھے ان کے جوتوں کی آواز آئی، وہ کمرے سے باہر جا چکی تھیں-

ایک عرب نوجوان سے ملاقات:

میں واپس سان فرانسسکو آیا اور آخر کار سان فرانسسکو یونیورسٹی میں بحیثیت استاذ میرا تقرر ہو گیا- زندگی اپنی ڈگر پر چلنے لگی- اب میں نے مذہب کے بارے میں سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا اور پوری توجہ سے تدریس میں مصروف ہو گیا تھا۔ ایک روز کلاس میں اپنا لیکچر شروع کرنے ہی والا تھا کہ ایک وجیہ و شکیل نوجوان کلاس میں داخل ہوا۔ وہ ایک بلند قد و قامت کا عرب نوجوان تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی عرب قبیلہ کا روایتی امیر ہو- اس کے لباس، اس کے اعلیٰ ذوق اور طبعی نفاست کا پتہ دے رہا تھا۔ کلاس کے سب طلبہ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ طلبہ کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ جیسے وہ اس کے لیے ادباً کھڑے ہو جائیں گے۔ ایسا لگتا تھا کہ سب لوگ اس کو بہت اچھی طرح جانتے ہوں۔ دروازے سے اپنی نشست تک وہ بہت وقار و متانت سے چلتا ہوا آیا اور اس درمیان میں اس نے کئی طلبہ سے مسکراہٹ کا تبادلہ کیا اور پھر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ آج کا میرا لیکچر علم طب کی ایک بحث سے متعلق تھا۔ میں نے طلبہ سے سوال کیا کہ ''کیا کوئی طالب علم اس موضوع پر مجھ سے اپنی آرا کا تبادلہ کرنا چاہتا ہے؟'' میرے اس سوال کے جواب میں کسی نے ہاتھ نہیں اٹھایا، صرف اس عربی نوجوان نے ہاتھ اٹھایا جس کو میں کوئی شہزادہ سمجھا تھا۔ اس نے کھڑے ہو کر پورے اعتماد و وثوق سے موضوع کے اوپر بھرپور روشنی ڈالی۔ وہ بہت شستہ انگریزی بول رہا تھا، بس صرف اس کا لہجہ امریکن کے بجائے برطانوی لہجے سے متعلق تھا۔ میں نے پوچھا ''تمہارا نام کیا ہے؟'' اس نے کہا ''محمود قندیل'' میں نے کہا ''ایسا لگتا ہے کہ جیسے میڈیکل سائنس کے بارے میں تمہاری معلومات بہت وسیع ہے؟ کیا یہی تمہارا موضوع ہے؟'' اس نے کہا: ''جی نہیں! میں نے پچھلے روز کسی طبی رسالے میں ایک مقالہ پڑھا تھا، اسی کی روشنی میں میں نے آپ سے یہ گفتگو کی ہے'' میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ''میری ذاتی رائے یہ ہے کہ تم میڈیسن کو ہی اپنا کیریئر بناؤ اور میں تو آج سے تمہیں ڈاکٹر قندیل کہہ کر مخاطب کیا کروں گا'' وہ ایک دلآویز انداز میں مسکرایا- میں اگرچہ قندیل سے عمر میں پانچ سال بڑا تھا، لیکن دنیاوی معاملات میں وہ مجھ سے کہیں بڑا تھا- اس نے مجھے اپنی شخصیت کے سحر میں ایسا گرفتار کر لیا تھا کہ میں بری طرح اس کا گرویدہ ہو کر رہ گیا تھا- ہماری ملاقاتوں کا

سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا اور ہم بہت بے تکلف دوست ہو گئے۔ ہماری دوستی اس حد تک پہنچ گئی کہ میں نے اپنی چھٹیاں قندیل کے گھر پر ہی گزارنے کا فیصلہ کر لیا، اس فیصلہ سے قندیل بہت خوش ہوا۔

سعودی عرب کا سفر اور مطالعہ قرآن کا آغاز:

جو وقت میں نے قندیل کے گھر والوں کے ساتھ سعودی عرب میں گزارا وہ میری زندگی کے خوبصورت ترین ایام تھے۔ تفریح گاہ، باغات، ساحل، سمندر اور ان کے گھر میں لذیذ عربی کھانے، ان سب چیزوں کو میں کبھی نہیں بھلا سکتا۔ شاید میں نے اتنے پر لطف اور خوش گوار دن کبھی نہیں گزارے تھے، مگر ایک بات میں نے خاص طور پر نوٹ کی کہ قندیل اور اس کے گھر والے مجھ سے اپنے مذہب کے سلسلے میں کوئی گفتگو نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی اس قسم کی گفتگو ہوتی بھی تو وہ صرف میرے سوالوں کے جواب تک ہی محدود رہتی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے زیادہ سوالات سے وہ لوگ کسی الجھن کا شکار ہوں اور مذہبی گفتگو ہماری دوستی پر اثر انداز ہو اور غالباً یہی بات وہ لوگ بھی سوچتے ہوں گے، مگر اس وقت مجھے انتہائی حیرت ہوئی جب روانگی کے وقت ان لوگوں نے مجھے قرآن کریم کا انگلش ترجمہ اور اسلام سے متعلق چند کتابیں تحفے میں دیں۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ لوگ اپنے مذہب سے قلبی لگاؤ رکھتے تھے مگر ان کی زندگی بہت زیادہ مذہبی قسم کی نہیں تھی اور نہ ہی ان کو کسی دوسرے کے مذہبی معاملات میں کبھی دخل دیتے ہوئے دیکھا تھا، اس لیے مجھے بڑی حیرت تھی کہ آخر انہوں نے مجھے یہ تحفہ دینے کا فیصلہ کیوں کیا؟ بہرحال میں نے اس کو ایک عزیز دوست کے تحفے کے طور پر قبول کیا اور اس تحفے کے بدلے کے طور پر میں نے فیصلہ کیا کہ میں ان کتابوں کو ضرور پڑھوں گا اور ان کو سمجھنے کی کوشش کروں گا۔

اگر آپ اس تحفے کو انتہائی سنجیدگی سے قبول کر لیں، لیکن پھر بھی آپ فوراً قرآن کا مخلصانہ مطالعہ تو نہیں شروع کر دیں گے۔ اگر آپ نے پہلے سے ہتھیار نہیں ڈالے ہیں تو شروع میں تو آپ اس کے خلاف لڑیں گے۔ قرآن براہ راست آپ کی ذات پر حملہ کرے گا، گویا آپ کے اوپر اس کا براہ راست کوئی حق بنتا ہو۔ یہ آپ سے مکالمہ کرتا ہے، آپ پر تنقید کرتا ہے، آپ کو شرمندہ کرتا ہے اور پھر آپ کو چیلنج کرتا ہے، شروع ہی میں یہ جنگ کی لائن کھینچ دیتا ہے اور میں اس لائن کی دوسری طرف تھا اور میں اس پوزیشن میں تھا کہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا، کیوں کہ

مجھے یہ احساس ہوا کہ جس ذات کا یہ کلام ہے میں اس کو کم جانتا ہوں، وہ مجھے زیادہ جانتا ہے، بلکہ خود میں اپنے آپ کو جتنا جانتا ہوں وہ مجھے مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ایک مصور ایسی تصویر بنا سکتا ہے جس کی آنکھیں ایسی ہوں کہ جیسے ایک مقام سے دوسرے مقام تک وہ آپ کا تعاقب کر رہی ہیں، لیکن کیا کوئی مصنف ایسی کتاب لکھ سکتا ہے جس میں آپ کی آنے والی زندگی کے تمام نشیب وفراز دکھا دیے جائیں؟ قرآن میری سوچ وفکر سے ہمیشہ آگے رہتا تھا- میں نے گزشتہ کئی سالوں میں جو رکاوٹیں کھڑی کی تھیں، قرآن پاک ایک ایک کر کے سب کو توڑتا جا رہا تھا اور میرے ہر ایک سوال کا جواب دیتا جا رہا تھا۔ ہر رات میں کچھ سوالات اور اعتراضات جمع کرتا تھا لیکن اگلے روز ان سب کا جواب مجھے قرآن میں مل جایا کرتا تھا۔ مجھے ایسا لگتا کہ قرآن نازل کرنے والا میرے خیالات کو اچھی طرح جانتا ہے۔قرآن کے صفحات پر میری خود مجھ سے ملاقات ہوئی اور اس میں میری جو تصویر بنی، اس میں بہت خائف ہو گیا۔ مجھے ایسا لگا کہ قرآن نے مجھے ایک ایسے کونے میں لا کھڑا کیا ہے، جہاں سے نکلنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے-اب مجھے شدت سے اس بات کا احساس تھا کہ میں کسی سے اس سلسلے میں تفصیلی گفتگو کروں، مگر محمود قندیل کے خاندان والوں میں سے کسی سے نہیں بلکہ کسی ایسے شخص سے جو کہ مجھے جانتا نہ ہوتا کہ کسی قسم کی توقعات قائم نہ ہو جائیں-

ایک نازک فیصلہ:

سنیچر کے دن جب میں اپنی روزانہ کی سیر سے ڈائمنڈ ھائنس ہوتا ہوا گولڈن گیٹ پارک پہنچا تو میں ایک انتہائی نازک اور ہیجان انگیز فیصلہ کر چکا تھا- میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ پیر کے دن قریبی مسجد میں جاؤں گا، جس کا انتظام وانصرام مقامی طلبہ کرتے تھے-

سینٹ اغناطیوس چرچ گولڈن گیٹ طولورڈ کی چوٹی پر واقع تھا، اس چرچ کی عمارت بلند و بالا اور عالی شان تھی، اس کے پچھلے تہہ خانے میں ایک کمرہ تھا، جس کو سان فرانسسکو یونیورسٹی کے مسلمان طلبہ مسجد کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ میں اس مسجد میں آج تک نہیں گیا تھا، جب کہ اس سے پہلے بھی میں نے کئی مرتبہ اس کو دیکھنے کا ارادہ کیا تھا- مجھے ایسا لگا کہ شاید مسجد میں جانے کا میرا فیصلہ جلد بازی میں لیا گیا ایک فیصلہ ہے-تھوڑی سی ذہنی کشمکش کے بعد آخر کار میں پھر اس

نتیجے پر پہنچا کہ مجھے مسجد میں ضرور جانا چاہیے۔ میں کسی بہت بڑی توقع سے نہیں جا رہا تھا بس میں اپنے چند سوالات کو لے کر وہاں جانا چاہتا تھا۔ میں جب مسجد کی طرف جا رہا تھا تو چرچ کے گیرج سے گزرتے ہوئے میں نے کچھ مکالمے اپنے ذہن میں ترتیب دیے جو مجھے مسجد میں بولنا تھا۔ مسجد کی طرف جانے والا زینہ اب میرے سامنے تھا اور میرے بائیں طرف سینٹ اغناطیوس کا ایک عظیم الہیکل مجسمہ تھا، کچھ ہفتے قبل ایک امریکی طالب علم نے اس مسجد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے کہا کہ ''یہ لوگ (مسلمان) یہاں مردے دفن کرتے ہیں'' میں زینے کے سامنے کھڑا ہوا تھا اور مجھے مسجد کا دروازہ صاف نظر آ رہا تھا۔ دروازے پر جو عبارت لکھی تھی، وہ یقینا عربی میں ہوگی۔

میں نے سوچا کہ کلیسا کے اندر جا کر کسی آدمی سے تصدیق کر لوں کہ صحیح جگہ جا رہا ہوں یا نہیں، میں کلیسا کے بغلی دروازے پر مڑا، یہاں تاریکی تھی، لیکن کھڑکیوں سے چھن چھن کر کچھ روشنی اندر آ رہی تھی۔ مذبح مقدس کے بائیں جانب مجھے ایک بوڑھا شخص نظر آیا جو شاید کلیسا کا کوئی خادم یا چوکیدار تھا۔ میں تیر کی تیزی سے اس کی جانب بڑھا۔ صلیب مقدس کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں نہ اس کے احترام میں خم ہوا، نہ تعظیم کے اظہار کے لیے کسی قسم کا اشارہ کیا۔ میں نے پہرے دار سے پوچھا ''کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ مسجد کہاں ہے؟'' میں جس قدر عدم توازن محسوس کر رہا تھا، اسی قدر گھبرایا ہوا تھا۔ میرے سوال کے نتیجے میں پہرے دار کے چہرے پر حیرت، غصہ اور حقارت نمودار ہوئی، میں اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر تیزی سے باہر آ گیا۔ کلیسا سے باہر نکل کر میں نے ایک دو لمبی لمبی سانسیں لیں۔ مجھے دوبارہ روشنی میں آ کر بہت سکون محسوس ہوا۔ میں یہاں کچھ دیر ستایا، پھر میں نے کلیسا کا ایک چکر کاٹا، دیکھنے کے لیے کہ مسجد کا کوئی اور راستہ بھی ہے؟ اس کا ایک دروازہ اور تھا، مگر وہ بند تھا، پھر لوٹ کر اس دروازے تک آ گیا، جہاں سینٹ اغنوطیوس کا مجسمہ لگا ہوا تھا۔ میں عجیب قسم کی گھبراہٹ محسوس کر رہا تھا۔ جب میں نے مسجد کی طرف جانے والے زینے پر اترنا شروع کیا تو گھبراہٹ کی نئی لہر پیدا ہوئی، ابھی میں نے صرف نصف سیڑھیاں طے کی تھیں کہ میرے دل کی دھڑکنیں اچانک تیز ہو گئیں اور ایک عجیب سی ہیجانی کیفیت مجھ پر طاری ہو گئی اور آگے ایک قدم بھی اٹھانا میرے

لیے محال ہوگیا- میں گھبرا کر بہت تیزی سے واپس پلٹ آیا۔ باہر آکر میں نے پھر ایک لمبی سانس لی اور خود کلامی کے سے انداز میں کہا ''ایک منٹ ٹھہرو! تم روزانہ یونیورسٹی کے گیٹ میں داخل ہوتے ہو اور باہر آتے ہو، آخر اس مسجد میں بھی تو صرف طلبہ ہی ہوں گے، پھر یہ گھبراہٹ کیوں؟'' میں نے ایک بار پھر اپنے حواس مجتمع کیے اور ہمت کر کے ایک مرتبہ پھر سیڑھیاں اترنا شروع کر دیں، اس بار نصف زینے تک پہنچتے پہنچتے میری حالت پہلے سے کہیں زیادہ خراب ہوگئی- میں نے ہمت نہیں ہاری اور آہستہ آہستہ سیڑھیاں طے کرتا رہا، جب میں آخری سیڑھی تک پہنچا تو میں بیمار لگ رہا تھا، میری وہ ٹانگیں جن سے میں روزانہ سات میل تک کی سیر کیا کرتا تھا وہی ٹانگیں اب بالکل بے جان محسوس ہو رہی تھیں- میں نے مسجد کے دروازے کو کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو میرا ہاتھ کانپ رہا تھا بلکہ میرا پورا جسم کانپ رہا تھا اور مجھے ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔ میری ہمت جواب دے گئی اور میں تیزی سے پلٹا اور تیزی سے دوڑتا ہوا واپس اوپر گیا، میری پشت مسجد کی طرف تھی اور جیسے میں سردی کی وجہ سے جم گیا تھا- میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے، میں بوکھلا سا گیا اور مجھے ایک طرح کی شکست کا احساس ہونے لگا، میں نے سوچا کیوں نہ بھاگ کر اپنے دفتر میں چلا جاؤں، کئی سیکنڈ اور گزر گئے، میں نے آسمان کی طرف دیکھا جو پراسرار اور اپنی وسعتوں سمیت بڑا مطمئن نظر آ رہا تھا۔ میں پورے دس برس سے اپنی دعا کرنے کی خواہش سے لڑ تا رہا تھا، مگر اب میں مزید نہیں لڑ سکتا تھا، اب میں نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ میں نے بلا روک ٹوک اپنے جذبات کو ابھرنے دیا اور بے ساختہ میرے دل سے دعا نکلی ''اے خدا! اگر تو چاہتا ہے کہ میں یہ سیڑھیاں اتر کر مسجد میں داخل ہو جاؤں تو اپنے کرم سے مجھ کو اس کی قوت عطا فرما'' اس دعا کے بعد میں نے کچھ انتظار کیا کہ شاید اب کوئی کرشمہ یا چمتکار ظاہر ہوگا، مگر کچھ بھی نہ ہوا- میں سمجھ رہا تھا کہ شاید زمین ہل جائے گی یا آسمان سے کوئی بجلی آ کر مجھے چاروں طرف سے گھیر لے گی یا کم از کم میرے اندر کوئی طاقت یا قوت سرایت کر جائے گی، لیکن ایسا کچھ بھی نہ ہوا- میں نے ۱۸۰ ڈگری کا زاویہ بناتے ہوئے مڑا اور پھر زینہ اترنا شروع کر دیا، میں نے نیچے پہنچ کر دروازے کے دستے پر ہاتھ رکھا اور ڈھکیل کر دروازہ کھول لیا-

اندر دو نوجوان گفتگو کر رہے تھے، یہ دونوں ننگے پیر تھے، ایک نوجوان مشرقی قسم کا لباس پہنے ہوئے تھا، اس کے سر پر ٹوپی بھی تھی- دوسرا نوجوان مغربی قسم کا لباس پہنے ہوئے تھا، ایک نوجوان میری طرف متوجہ ہوا، بولا ''کیا آپ یہاں کسی کو تلاش کر رہے ہیں؟'' میں نے جو جملے اور مکالمے اپنے ذہن میں ترتیب دیے تھے، یکا یک وہ سب ذہن سے نکل گئے، گھبراہٹ میں میرے منہ سے نکلا، ''کیا عمر یا محمود میں سے کوئی یہاں ہے؟'' ٹوپی والے نے مجھ سے پوچھا کہ ''ان کا پورا نام کیا ہے؟'' میں نے کہنا چاہا تھا کہ ''اس کا پورا نام محمود قندیل ہے''، انہوں نے کہا ''یہاں ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے''، میں نے کہا: ''مجھے افسوس ہے، شاید میں غلط جگہ پر آ گیا ہوں- میں یہ کہہ کر مڑا اور واپس جانے کا ارادہ کیا، اتنے میں ٹوپی والے نے مجھ سے کہا ''کیا آپ اسلام کے بارے میں کچھ جاننا چاہتے ہیں؟ میں نے فوراً جواب دیا: ''ہاں، ہاں کیوں نہیں؟'' یہ کہتے ہوئے میں آگے بڑھا تو ٹوپی والے نے مجھ سے کہا:

برائے مہربانی آپ جوتے اتار دیں، ہم لوگ یہاں نماز پڑھتے ہیں' جو نوجوان مشرقی طرز کے کپڑے پہنے ہوئے تھا وہی زیادہ بات کر رہا تھا، دوسرا نوجوان بڑے غور سے صورت حال کا جائزہ لے رہا تھا- اس کے چہرے سے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے لیے یہ کوئی غیر معمولی بات ہو-

ہم زمین پر بائیں کونے کی طرف جا کر بیٹھ گئے، میں جب بیٹھا تو مسجد کے دروازے کی طرف میرا منہ تھا اور میری پیٹھ دیوار کی طرف تھی۔ ہمارے سیدھے ہاتھ کی طرف شاید وضو کرنے کے لیے ایک چھوٹا سا کمرہ تھا اور شمال کی طرف ایک چھوٹا سا کمرہ عورتوں کے لیے بھی تھا، ٹوپی والے کا نام عبد المنان تھا، یہ ملیشیا کا تھا اور سان فرانسسکو یونیورسٹی کا طالب علم تھا- دوسرا نوجوان فلسطین کا تھا، جس کا نام یوسف تھا- میں نے اسلام کے بارے میں اپنے مطالعے سے ان کو آگاہ کیا، جس سے وہ بہت خوش ہوئے- ہم نے تقریباً پندرہ منٹ تک گفتگو کی، میں نے بعض سطحی قسم کے سوالات کیے، لیکن جو کچھ میں سمجھ رہا تھا وہ کچھ نہیں ہوا- عبد المنان نے مجھے ان ملائکہ کے بارے میں بتانا شروع کیا جو کافروں کو عذاب دیتے ہیں اور ان تکالیف کے بارے میں بتایا جو کافروں کو قبر میں دی جاتی ہیں، میں نے یہ ظاہر کیا کہ میں ان کی بات بہت غور

www.Qadri.info

سے سن رہا ہوں، میں نے کہا: ''مجھے اب اپنے دفتر لوٹ جانا چاہیے، کیوں کہ وہاں کچھ طلبہ میرے منتظر ہوں گے''اس قسم کے بہانے غیر حقیقی بھی ہوں، لیکن ہمیشہ کارگر رہتے ہیں- میں نے ان دونوں کا شکریہ ادا کیا اور واپسی کے لیے اٹھا ہی تھا کہ دروازہ کھلا-عصر کا وقت تھا، سورج ڈوبنے والا تھا، اس کی زرد روشنی دروازے کے باہر نظر آ رہی تھی- وہ ایک لمبا سا لباس پہنے ہوئے تھا، اس کے پیروں میں سینڈل تھے، وہ عمامہ باندھے ہوئے تھا اور اس کے ہاتھوں میں عصا تھا، اس شخص کو دیکھ کر مجھے رکنا پڑا- وہ شخص بڑے اطمینان سے مسجد میں داخل ہوا، اس کی شخصیت بڑی مسحور کن تھی، وہ ہمارے پاس سے ایسے گزر گیا جیسے ہمیں دیکھا ہی نہ ہو- وہ کوئی دعا پڑھتا ہوا داخل ہوا تھا، اس کی آنکھیں تقریباً بند تھیں اور ہاتھ سینے تک اٹھے ہوئے تھے اور ہتھیلیاں اوپر کی طرف کو اٹھی ہوئی تھیں، گویا وہ کسی چیز سے اپنا حصہ لینے کی کوشش کر رہا ہو- جب وہ دعا سے فارغ ہوا تو اس نے محمد یوسف سے عربی میں کچھ پوچھا، پھر پروقار انداز میں چلتا ہوا وضو والے کمرے کی طرف چلا گیا-عبدالمنان اور محمد یوسف اس کی آمد سے بہت خوش نظر آ رہے تھے- انہوں نے بتایا کہ اس نو وارد کا نام غسان ہے، یہ اس مسجد کا امام تھا- اپنے اسلامیات کے مطالعے کے نتیجے میں مجھے معلوم تھا کہ مسلمانوں میں سرکاری طور پر باقاعدہ امام نہیں ہوتا ہے بلکہ ان میں کا کوئی بھی شخص دیگر مسلمانوں کی امامت کر سکتا ہے- وہ عبدالمنان ہو یا محمد یوسف یا کوئی اور، تھوڑی دیر کے بعد غسان وضو کر کے کمرے میں داخل ہوا، اس کی گردن جھکی ہوئی تھی، اس کے چہرے سے ایک عجیب قسم کا اطمینان اور سکون جھلک رہا تھا، اس کی رنگت صاف تھی، اس کی آنکھوں میں سنجیدگی کے ساتھ کچھ ویرانی سی بھی تھی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کسی ذاتی المیہ کا شکار رہا ہے۔دونوں نوجوانوں نے ان کے لیے جگہ بنائی اور وہ ہمارے قریب بیٹھ گئے، انہوں نے میرے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا''آپ کا نام کیا ہے؟''

یہاں پر یہ سوال مجھ سے پہلی بار پوچھا گیا تھا، ورنہ عبدالمنان اور یوسف نے میرا نام پوچھنے کی زحمت گوارہ نہیں کی تھی۔ان دونوں کے برخلاف غسان مجھ سے گفتگو کا آغاز روز مرہ کی عام بات چیت سے کرنا چاہتے تھے تا کہ جس ذہنی تناؤ کا میں شکار تھا اس کو دور کیا جا سکے، میں نے دل میں ان کے انداز کو سراہا کہ انہوں نے مجھے پرسکون ہونے میں مدد دینے کی کوشش کی تھی، وہ

www.Qadri.info

بہت آہستہ گفتگو کررہے تھے، مگر ان کی آواز میں ایک طرح کی گونج شامل تھی- گفتگو کے لہجے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ عربی ہیں- غالباً وہ یہ کوشش کررہے تھے کہ براہ راست میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو نہ کریں- میں نے ان کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا ''میرا نام جیفرے لینگ ہے-''

انہوں نے دوسرا سوال کیا '' کیا آپ سان فرانسسکو یونیورسٹی میں طالب علم ہیں؟''

دراصل میں اپنی عمر سے بہت چھوٹا نظر آتا تھا، اس سے پہلے سمسٹر میں مجھے طالب علم سمجھ کر اساتذہ کی میٹنگ سے نکل جانے کو کہا گیا تھا، میں نے جواب دیا ''جی نہیں! میں شعبۂ ریاضیات میں پروفیسر ہوں-'' یہ سن کر ان کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا اور ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں- انہوں نے ایک خاص انداز میں دوسروں کی طرف دیکھا، ہم نے کچھ دیر بات چیت کی، پھر غسان نے بڑے ادب سے مجھ سے اجازت چاہی، کیوں کہ ان لوگوں کو عصر کی نماز پڑھنا تھی- سب لوگ کھڑے ہو کر نماز میں مشغول ہو گئے- یہ پہلا موقع تھا جب میں نے مسلمانوں کو نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا تھا، میں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنی ٹانگیں پھیلا لیں، کیوں کہ زیادہ دیر تک بیٹھے بیٹھے میری ٹانگیں اکڑسی گئی تھیں- ان لوگوں نے نماز ادا کرلی اور پھر ہم اسی طرح بیٹھ گئے جیسے پہلے بیٹھ کر گفتگو کررہے تھے۔ غسان نے اپنی بات کا سلسلہ دوبارہ جوڑتے ہوئے پوچھا: ''آپ کو اسلام کے مطالعے میں دلچسپی کب اور کیسے پیدا ہوئی؟'' مجھے اس سوال سے حیرت ہوئی اور میں سوچنے لگا کہ کیا غسان، محمود قندیل کے خاندان سے واقف ہیں؟ میں نے مختصر سا جواب دیا: ''میں اسلام کے بارے میں مطالعہ کرتا رہتا ہوں-''

میرے خیال سے اتنا جواب کافی تھا، ہم نے کافی دیر تک مختلف اسلامی موضوعات پر گفتگو کی، ہماری گفتگو زیادہ تر ٹیکنیکل معاملات پر مرکوز رہی، لیکن مجھے احساس ہوا کہ ہم دونوں کو ایک دوسرے کا نقطۂ نظر سمجھنے میں دشواری ہورہی ہے- اب میرے سوالات ختم ہونے جارہے تھے اور شاید غسان کا ذخیرۂ معلومات بھی ختم کے قریب تھا- اس گفتگو کے بعد ہم دونوں تقریباً مایوسی کے قریب پہنچ گئے تھے، میں نے سوچا اب مجھے واپس اپنے آفس میں لوٹ جانا چاہیے، غسان نے پوچھا، ''کیا اسلام کے بارے میں آپ اور کوئی سوال کرنا چاہتے ہیں؟'' میں نے نفی

میں سر ہلایا، پھر اچانک میرے ذہن میں ایک نیا سوال ابھرا، میں نے کہا ''میرے پاس ابھی ایک سوال باقی ہے۔'' پھر کچھ دیر وقفہ کرکے میں نے اپنے ذہن میں سوال کو ترتیب دیا اور بڑی خوداعتمادی سے پوچھا ''کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ مسلمان ہوکر آدمی کیسا محسوس کرتا ہے؟ یعنی آپ اپنے اور اپنے رب کے درمیان تعلق کو کیسا محسوس کرتے ہیں؟''

مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ غسان کی شخصیت میں ایک خاص قسم کی کشش ہے، وہ ایک خاص طرح کے وجدانی وصف کے مالک تھے، یہ دونوں چیزیں کسی بھی روحانی پیشوا کے لیے بہت ضروری ہوتی ہیں، یہ بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی کہ غسان کے مریدین اور پیروکاروں کا ایک بہت بڑا حلقہ امریکہ اور امریکہ سے باہر موجود ہے۔محمود قندیل کی طرح غسان بھی انسان کے اندرونی درد تک بہت جلدی پہنچ جاتے تھے، لیکن محمود کے برخلاف غسان آپ کو اس کا موقع نہیں دے سکتے کہ آپ اس درد کو نظرانداز کردیں بلکہ یہ تو اس درد اور اندرونی کرب کو اور بڑا کر کے انسان کے سامنے رکھ دیتے تھے اور پھر مجبور کرتے تھے کہ انسان اپنے اس درد کو محسوس کرے۔ یہ ایک بہت غیر معمولی قدرت ہے جو بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔ ہر بڑے دینی اور مذہبی رہنما کو اس قوت کا مالک ہونا چاہیے۔غسان نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا، مگر فوراً میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ شاید وہ اس سوال کی گہرائی میں جا کر اس کے مصدر اور اس کے مقصد پر غور کررہے تھے، پھر انہوں نے اپنا سر جھکا لیا۔ شاید اب وہ کوئی دعا پڑھ رہے تھے اور اپنی تمام تر روحانی قوتوں کو جمع کررہے تھے، انہوں نے سر اٹھا کر ایک خاص انداز میں دائیں بائیں دیکھا، جیسے لوگ انکار میں سر کو دائیں بائیں جنبش دیتے ہیں، پھر کہنا شروع کیا، ان کا پہلا لفظ جو تھا وہ ''اللہ'' تھا۔انہوں نے پھر توقف کیا اور گہری سانس لی، اس کے بعد پھر گویا ہوئے: ''اللہ بہت عظیم ہے، ہم اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہیں۔ ہم اس کے سامنے ایک ذرۂ خاک سے بھی کمتر ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے انہوں نے اپنی انگشت شہادت اور انگوٹھے سے ایک دائرہ بنایا جیسے وہ خاک کا ذرہ دبائے ہوئے ہوں، پھر اس حلقے کو ایک جھٹکا دے کر کھولا تاکہ ان کی بات اور پرتاثیر ہوجائے، پھر انہوں نے اپنا کلام جاری رکھتے ہوئے کہا: ''لیکن اس کے باوجود اللہ ہم سے جتنی محبت کرتا ہے، وہ بچے کے لیے اس کی ماں کی محبت

سے کروڑہا درجہ زیادہ ہے-'' غسان کا سر پھر جھک گیا اور آنکھیں تقریباً بند تھیں، ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے ابھرنے والے جذبات سے لڑ رہے ہوں۔ مجھے ان کی پوری گفتگو میں ایسا لگا جیسے وہ کسی روح کے زیر تصرف کلام کر رہے ہیں۔ ان کا ہر جملہ جذبات کی ایک لہر کی طرح تھا جو کبھی اوپر کو آتی ہے اور کبھی نیچے کی طرف سفر کرتی ہے۔ غسان نے پھر کہا: ''ہم اپنے اختیار سے کچھ نہیں کر سکتے، ہم جو کچھ کرتے ہیں اللہ کے اختیار سے کرتے ہیں، ہم سانس اوپر کھینچتے ہیں یا باہر نکالتے ہیں، یہ سب بھی اس کی مرضی کے بغیر نہیں ہوسکتا، ہم زمین پر ایک قدم چلنا چاہیں تو ہمارا ایک قدم بھی اس کے حکم کے بغیر نہیں اٹھ سکتا۔ کسی پیڑ کا کوئی پتہ اس کے علم اور اس کی مرضی کے بغیر نہیں گر سکتا۔ جب ہم اس کی عبادت کرتے ہیں اور اپنی ناک زمین پر رکھ دیتے ہیں تو ہمیں ایک خاص قسم کی توانائی اور قوت عطا ہوتی ہے، یہ ایسی توانائی، ایسی قوت، ایسا سکون اور ایسی خوشی ہے کہ جس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا احساس وادراک وہی شخص کر سکتا ہے جو بذات خود اس کا تجربہ رکھتا ہو، کیوں کہ یہ کیفیت الفاظ و بیان کی قیود سے آزاد ہے-''

اس کے بعد غسان کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئے تا کہ ان کی یہ گفتگو میری روح تک پہنچ سکے، مجھے بڑی شدت سے یہ خواہش ہوئی کہ کاش اس وقت میں غسان کی جگہ پر ہوتا - چاہے ایسے چند لمحات کے لیے ہی کیوں نہ ہوتا کہ میں اس احساس، اس تڑپ اور اس جذبے سے آشنا ہوسکوں، جو ایک بندے کے دل میں اپنے خالق و مالک کے لیے پیدا ہوتا ہے- میں اس اطمینان اور کرب، خوف اور امید سے واقف ہونا چاہتا تھا جو اس بے وقعتی اور حقیر وفقیر ہونے میں پوشیدہ تھی جہاں انسان کی ایک ہی آرزو رہ جاتی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح اطاعت خداوندی قبول کر لے، میری آرزو تھی کہ میں اس روحانی موت سے حیات نو پا سکوں۔ ایک طویل سکوت کے بعد غسان نے کہا: ''اب آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا آپ مسلمان ہونا پسند کریں گے؟'' غسان کے اس جملے سے گویا فضا میں ایک زبردست دھماکہ ہوا جو میرے ضمیر میں جا کر پھٹا، میں نے سوچا کہ غسان نے مجھ سے یہ بات کیوں کہی؟ میں اس مقصد سے تو یہاں نہیں آیا تھا، مجھے خیال آیا کہ میں یہ بات اپنے گھر والوں اور اپنے احباب کو کیسے بتاؤں گا؟

میں ایک عیسائی یونیورسٹی میں ملازمت کرتا ہوں، آخر میری نوکری کا کیا ہوگا؟ میرے

www.Qadri.info

ذہن میں چہرے اور آوازیں یکے بعد دیگرے آنے لگیں- میری سابقہ بیوی، میرے پرانے دوست وغیرہ، میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس کس سے کیا کیا بہانہ کروں گا- میرے بدن میں خوف کی ایک لہر دوڑ گئی- مجھے اپنی گردن اور پیٹھ میں ایک سنسنی کا احساس ہوا اور پتہ نہیں کیوں سردی کے باوجود مجھے پسینہ آ گیا- مجھے بار بار یہ خیال آ رہا تھا کہ آخر اس شخص نے مجھ سے یہ بات کیوں کی؟ ہم دونوں اس بات کو ختم کر کے یہاں سے باہر کیوں نہ نکل جائیں؟ میں نے پوری کوشش کی کہ اس ہیجان اور بے چینی پر قابو پالوں اور اپنے اندر کی وہ ہلچل جس سے میری سانس گھٹ رہی تھی اس کو دوسروں پر ظاہر نہ ہونے دوں، بہر حال میں نے نپے تلے انداز میں غسان کے سوال کا جواب دیا- ''نہیں، آج تو نہیں، اس وقت تو میں صرف چند سوالوں کے لیے آیا تھا-'' میری خواہش تھی کہ اب یہ بحث یہیں ختم ہو جائے- مجھے واپس اپنے دفتر پہنچنا تھا- میں آخر یہاں کیا کر رہا تھا؟ میرا جسم شدید کھچاؤ اور اضطراب میں مبتلا تھا اور اگلے جملے کے لیے خود کو جکڑا ہوا محسوس کر رہا تھا- مجھے معلوم تھا کہ اس مرتبہ مجھے زیادہ احتیاط کا مظاہرہ کرنا تھا- ان ساری کیفیات کے باوجود میرے وجود کا ایک حصہ زور لگا رہا تھا کہ دوبارہ غسان کی زبان سے وہی الفاظ سنے- مجھے ایسا لگا جیسے میں ٹٹول کر کوئی چیز ڈھونڈ رہا ہوں، اس تک پہنچنا چاہتا ہوں، اس کی آرزو دل میں رکھتا ہوں، اس کو پکار رہا ہوں اور شاید میرے اندر سے کوئی کہہ رہا ہے کہ: ''یہاں تک لے آنے کے بعد مجھے دربدر کی ٹھوکریں کھانے کے لیے تنہا مت چھوڑو-''

غسان کے اطمینان اور خود اعتمادی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس قسم کے معاملات کا خاصہ تجربہ رکھتے ہیں- انہوں نے بڑی نرمی اور ملائمت سے کہا اور گویا اپنا آخری تیر بھی مجھ پر چلا دیا- ''مگر میرے خیال میں تو جو باتیں میں نے کہی ہیں، آپ ان پر اعتماد رکھتے ہیں، پھر ایک بار آپ تجربہ کر کے دیکھ کیوں نہیں لیتے؟''

اب چہرے اور آواز میرے پردۂ ذہن سے مٹ چکے تھے- اب مجھے بالکل نئے طرز کا احساس ہوا، میں نے سوچا کہ مجھے اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ میں کسی کا مرہون منت نہیں تھا، نہ غسان کا نہ اپنے دوستوں کا نہ کسی اور کا- اپنے بارے میں آخری اور حتمی فیصلہ مجھے ہی کرنا تھا، مجھے سارے وہ اسباق یاد آئے، جو میرے والدین نے مجھے اور میرے چار

بھائیوں کو ہمارے جرمن ہونے کے بارے میں سکھائے تھے۔ انہی اسباق میں سے ایک سبق یہ تھا کہ اگر آپ کسی بات کو صحیح مانتے ہوں تو اس کو اپنا لیجیے۔ یہ خیال مت کریے کہ دوسرے لوگ آپ کے اس فیصلے پر کیا کہیں گے۔ میری والدہ کہا کرتی تھیں کہ ''اپنے جذبات کی پیروی کیا کرو''اس فلسفے پر میں نے پہلی مرتبہ عمل اس وقت کیا تھا، جب میں نے دوسروں کی خواہش کے برخلاف صرف اپنی مرضی سے انڈر گریجویٹ کورس کے مضامین تبدیل کر لیے تھے۔ اس گزرے ہوئے زمانے کے مقابلے میں آج اس فلسفے پر عمل کرنا میرے لیے نسبتاً آسان تھا، کیوں کہ آج میں حقیقی معنوں میں خود کفیل ہوں۔ میں نے ان تینوں (غسان، عبد المنان، یوسف) کی طرف دیکھا اور اثبات میں سر ہلایا، ''ہاں! میں مسلمان ہونا پسند کروں گا۔''

میں نے دیکھا کہ ان کے چہرے خوشی و مسرت سے چمک اٹھے، بہر حال مجھے ابھی باضابطہ سرکاری طور سے مسلمان ہونا تھا اور اپنے اسلام کا اظہار اور اعلان کرنا تھا، اسی درمیان دروازہ کھلا اور روشنی کا ایک لمعہ کمرے میں آیا۔ اس کے بعد ایک شخص نمودار ہوا، یہ شخص شکل و صورت اور لباس میں غسان کی طرح تھا، بس فرق یہ تھا کہ یہ شخص غسان کے مقابلے میں زیادہ بھاری بھرکم تھا۔ غسان نے اس سے کہا: ''مصطفی! یہ صاحب مسلمان ہونا چاہتے ہیں'' یہ سن کر مصطفی کا چہرہ کھل اٹھا، وہ تیزی سے میری طرف بڑھا اور مجھ سے بغل گیر ہونے کے لیے میرے قریب آ گیا، اسی درمیان غسان نے اس سے کہا: ''ٹھہرو مصطفی! ابھی انہوں نے کلمہ نہیں پڑھا ہے۔'' یہ سن کر مصطفی رک گئے، لیکن غسان کو یہ بات گوارہ نہ تھی کہ اس سعادت اور مسرت کو اکیلے وہ ہی اپنی جھولی میں ڈال لیں، اس لیے انہوں نے مصطفی سے کہا: ''مصطفی! ان کو کلمۂ شہادت سمجھاؤ''، مصطفی آگے بڑھے اور مجھے کلمۂ شہادت کا انگریزی میں ترجمہ بتایا، وہ مجھ سے اتنے آہستہ بات کر رہے تھے جیسے کوئی سرگوشی کرتا ہے یا جیسے آہستہ سے کسی نومولود بچے کے کان میں کوئی بات کہی جائے، پھر اس کے بعد انہوں نے کلمۂ شہادت کا ایک ایک لفظ مجھے پڑھایا۔ مصطفی نے کہا کہ: ''اشھد''، میں نے کہا ''اشھد'' (میں تصدیق کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں) میں نے بڑی مشکل سے تلفظ ادا کیا، گویا میں نئے سرے سے گفتگو کرنا سیکھ رہا تھا۔ مصطفی نے کہا ''ان لا الہ'' میں نے کہا ''ان لا الہ'' (کوئی معبود نہیں)، میں سن شعور سے لے کر اس لمحے

تک اسی بات پر ایمان رکھتا تھا، لیکن زندگی میں پہلی مرتبہ اس جملے کی حقیقت اب سمجھ میں آئی اور اب اس خلا کا احساس ہوا جو خدا کو ماننے بغیر انسانی زندگی میں پیدا ہو جاتا ہے۔

مصطفی نے کہا "الا" میں نے ان کے ساتھ کہا "الا" (سوائے) "الا" استثنا کے لیے آتا ہے، یہ کسی ایسی چیز کو جوڑنے کے لیے آتا ہے جو نظر انداز کر دی گئی ہو۔ یوں تو ایک بہت چھوٹا سا لفظ ہے جو میری زندگی میں پیدا ہونے والے خلا کے پر ہونے کے درمیان حائل رہا ہے اور اس خلا نے مجھے ایک ایسی سچائی سے دور رکھا تھا جس کو میں مسلسل تلاش کرتا رہا تھا۔ پھر مصطفی نے کہا "اللہ" میں نے دہرایا "اللہ" (معبود) یہ لفظ اس صاف شفاف پانی کی طرح تھا جو پیاس سے تڑپتے ہوئے کسی جاں بلب شخص کے حلق میں ٹپکایا جائے، بالکل اسی طرح اس کے ہر لفظ سے مجھے نئی قوت وتوانائی حاصل ہو رہی تھی، مجھے ایسا لگا گویا میں دوبارہ زندہ ہو رہا ہوں۔ مصطفی نے پھر کہا "واشھد أن" میں نے دہرایا "واشھد أن" (میں گواہی دیتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں) اب میں ایک ایسی جماعت میں شامل ہونے والا تھا جو تمام انبیا پر ایمان رکھتی ہے، وہ تمام انبیاورسل جو مختلف زمانوں میں مختلف نسل وجنس کے لیے بھیجے گئے تھے، اب میں ایک ایسی ہستی کی طرف تصدیق واطاعت اور غلامی وفرمانبرداری کا ہاتھ بڑھا رہا تھا جس کو چودہ صدیاں پہلے پوری انسانیت کے لیے مبعوث کیا گیا تھا۔

مصطفی نے کہا "**محمداً**" میں نے دہرایا "**محمداً**" یہ صرف ایک اقرار ہی نہیں تھا بلکہ ایک ایسے دین میں شمولیت تھی جو عالمی اور آفاقی تھا۔

مصطفی نے کہا "**رسول اللّٰہ**" میں نے بھی کہا "**رسول اللّٰہ**" (اللہ کے رسول ہیں) یہ لفظ ادا کرتے ہی مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں کسی کی حفظ وامان میں آ گیا ہوں، میرے اندر یہ شعور پیدا ہوا کہ اب میں ایک ایسی ذات سے محبت والفت کا رشتہ قائم کر سکتا ہوں، جس کی نوازشوں اور عطاؤں کی کوئی حد نہیں ہے۔ میں اس کی رحمتوں کے بحر بے کراں میں غوطے لگا رہا تھا، مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں واپس اپنے گھر لوٹ آیا ہوں۔

خواب کی تعبیر:

دو دن کے بعد میں جمعہ کی نماز کے لیے گیا، یہ ایک گرم دن تھا، سورج اپنی پوری آب و

www.Qadri.info

تاب کے ساتھ چمک رہا تھا، ہم نماز کی دوسری رکعت میں تھے۔ غسان نہایت خوش الحانی کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔ ان کا قرآن پڑھنے کا لہجہ بڑا منفرد تھا، قرآن کی تلاوت عام طور پر ٹھہر ٹھہر کر اور بڑی آہستگی سے کی جاتی ہے، مگر غسان کا اپنا ایک بے مثال انداز تھا اور وہ اپنے دل کی گہرائیوں سے آواز نکال رہے تھے، وہ ایک ایسے بچے کی طرح لگ رہے تھے جو اپنے والدین سے بچھڑ گیا ہو اور انہیں پکار رہا ہو، غسان اپنی عرض و استدعا بڑے اضطراب و بے چینی کے عالم میں اپنے رب کی بارگاہ میں پیش کر رہے تھے۔ ہم سب ان کے پیچھے کندھے سے کندھا ملائے اور قدم سے قدم جوڑے صف بہ صف کھڑے ہوئے تھے۔ غسان ''اللہ اکبر'' کہہ کر رکوع میں گئے۔

ہم نے جب یہ ندا سنی تو ہم سب بھی رکوع میں چلے گئے اور ہم نے اپنے رب کی حمد و ثنا یوں بیان کی ''**سبحان ربی العظیم**'' (پاک ہے میرا رب، عظمت والا ہے) میں نے دل میں کہا ''اے میرے پروردگار! میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں کہ تو نے مجھے یہاں تک پہنچا دیا، پھر غسان نے کہا ''**سمع اللہ لمن حمدہ**'' ہم سب سیدھے کھڑے ہو گئے اور ہم نے کہا ''**ربنا لک الحمد**'' اے ہمارے پروردگار اور خالق و مالک تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں۔ ہم سب صفوں میں اس طرح کھڑے ہوئے تھے کہ ہمارے درمیان ذرا سی بھی جگہ باقی نہیں تھی اور ہم ایک جسم کی طرح حرکت کر رہے تھے۔ میں نے جمعرات کے دن چار نمازیں مسجد میں ادا کی تھیں مگر اس دن اتنے نمازی نہیں تھے، اس وقت ہم تقریباً اسی لوگ تھے جو تقریباً بیس ممالک کی نمائندگی کر رہے تھے، جس میں بچے، جوان، بوڑھے سبھی شامل تھے۔ غسان نے سجدے میں جاتے ہوئے پھر ''اللہ اکبر'' کہا۔ ہم پورے وقار کے ساتھ زمین کی جانب جھکے، پہلے ہم نے گھٹنوں پر اپنے ہاتھ رکھے، پھر اپنے دونوں گھٹنے اور ہاتھ زمین میں لٹکا دیے پھر اپنے چہرے ہم نے قالین پر رکھ دیے پھر آہستہ سے کہا: ''**سبحان ربی الاعلیٰ**'' میں نے کئی مرتبہ اس کو دہرایا اور دل میں کہا ''اے میرے پروردگار! دوبارہ گمراہی میں جانے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔'' پھر غسان نے ''اللہ اکبر'' کہا، ہم سب غسان کی اقتدا میں اپنے پنجوں کے بل بیٹھ گئے، میں تیسری صف میں تھا، غسان کے پھر اللہ اکبر کہنے پر ہم سجدے میں چلے گئے اور ہمارے چہرے

www.Qadri.info

ایک بار پھر لال اور سفید قالین کے اوپر تھے، فضا بڑی پرسکون تھی، ایسا لگ رہا تھا جیسے ٹی وی کی آواز بند کردی گئی ہو- سجدے سے اٹھ کر ہم اپنے پیروں پر دوزانوں بیٹھ گئے۔ میں نے سامنے کی طرف دیکھا، مجھے غسان صاف نظر آرہے تھے، جو میرے بائیں ہاتھ کی طرف صفوں کے درمیان اس کھڑکی کے عین نیچے کھڑے ہوئے تھے جس سے روشنی کمرے میں آرہی تھی، چوں کہ وہ امامت کررہے تھے اس لیے صف میں اکیلے تھے- وہ ایک لمبا سفید چغہ پہنے ہوئے تھے اور سر پر ایک سفید رومال تھا جس میں سرخ ڈیزائن بنا ہوا تھا-

یہ منظر دیکھ کر میرے ذہن میں ایک زبردست دھما کہ ہوا اور میرے اندر سے ایک چیخ بلند ہوئی ''ارے! یہ تو وہی خواب ہے جو میں پہلے بھی کئی بار دیکھتا رہا ہوں'' میں اس خواب کو بالکل بھول چکا تھا- اب میں حواس باختہ اور خوف زدہ ہو گیا تھا، میں نے خود سے پوچھا ''کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں؟ کیا تھوڑی دیر بعد میں خواب سے بیدار ہو جاؤں گا؟'' میں نے فضا میں اپنی نظریں مرکوز کرلیں تاکہ میں اندازہ لگا سکوں کہ کیا واقعی میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں؟ سردی کی ایک لہر میرے پورے جسم میں سرایت کر گئی، میں کانپنے لگا- یا الٰہی! یہ تو حقیقت تھی، کوئی خواب نہیں تھا، پھر سردی کی لہر کم ہوتی چلی گئی اور میرے اندر سے ایک حرارت پیدا ہوئی اور شعاعوں کی طرح میرے جسم سے پھوٹنے لگی اور میری آنکھوں سے بے ساختہ آنسو چھلک اٹھے ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' آپ سب پر اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہوں- ہم نے پہلے دائیں اور پھر بائیں چہرے گھمائے-

نماز ختم ہوئی، میں قالین پر بیٹھا رہا اور سفید دیواروں کو بڑے غور سے دیکھنے لگا اور غور وفکر کے ایک عمیق دریا میں غوطہ زن ہو کر ان تمام معاملات کو کوئی معنی پہنانے کی کوشش کرنے لگا۔ خواب بھی کتنی عجیب وغریب چیز ہے اور خواب کے بارے میں ابھی ہماری معلومات کتنی ناقص ہیں، تاہم ان کے پیچھے جو بھی میکانکی عمل کارفرما رہا ہو اس کے ذریعے مجھے اپنی زندگی ٹکڑوں میں بٹی ہوئی نظر آئی- وہ سارے کام جو میں نے اب تک کیے تھے، جن لوگوں سے میں نے ملاقات کی تھی، جن حالات سے میں گذرا تھا، جو فیصلے میں نے اپنے اختیارات سے کیے تھے یہ سب کے سب میرے سامنے آ کھڑے ہو گئے اور یہی سب چیزیں آخر کار مجھے آج اس نماز تک لے

آئیں اور وہ سجدہ جو بظاہر توہین وتذلیل کی علامت تھا وہی آج مجھے عروج بخش رہا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے میرا رب مجھ سے بہت قریب ہے، رگ جاں سے بھی زیادہ قریب۔

(ماہ نامہ جام نور، دہلی، فروری رمارچ ۲۰۰۵ء)

❑❑❑

www.Qadri.info